نشانِ راہ

1

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمیؒ
کی تحریروں کا گلدستہ

محمد ضیاء الحق نقشبندی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشانِ راہ 1

Marfat.com

Marfat.com

نشانِ راہ 1

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی تحریروں کا گلدستہ

ترتیب و تحقیق

محمد ضیاء الحق نقشبندی

ادارہ نعیم المصنفین

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

فون: 0092-42-6293289

Marfat.com

98182

نام کتاب	....	نشانِ راہ 1
ترتیب و تحقیق	....	محمد ضیاء الحق نقشبندی
ناشر	....	فکر پبلشرز، اسلامی نگر روڈ، تیزاب احاطہ، لاہور
		فون: 0092-42-6821059
زیر اہتمام	....	ادارہ نعیم المصنفین، جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور
سن اشاعت	....	مارچ 2008ء
تعداد	....	1100
قیمت	....	-/200 روپے

زیر اہتمام

ادارہ نعیم المصنفین

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

فون: 0092-42-6293289

Marfat.com

انتساب!

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے عظیم والدِ گرامی، مفتی اعظم پاکستان
متحرک اور تابناک زندگی گزارنے والی عہد ساز علمی شخصیت

حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی جیسے لائق اور قابل بیٹے کو جنم دینے والی

عظیم اور عفت مآب والدہ محترمہ

اور

ہزاروں انسانوں کے دلوں میں یادِ الٰہی اور محبت رسول ﷺ کے چراغ
روشن کرنے والے، صاحبِ عمل، صاحبِ عرفان

پیر سید حافظ کرامت علی حسین

سجادہ نشین علی پور سیداں شریف

نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز جیسی صفات کے مالک
اہلسنت کی ایک فعال اور مخلص شخصیت

مولانا پیر محمد اطہر القادری

(صدر انجمن اساتذۂ پاکستان پنجاب)

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
11	نشانِ منزل	-1
17	روشن راہوں کا نقیب	-2
19	روزے کے ذریعے معاشرے کی اصلاح	-3
22	روزہ صفات الٰہی سے متصف ہونے کا ذریعہ	-4
28	روزے کے جسمانی صحت پر مثبت اثرات	-5
32	مغرب کے پجاری اور آزادی رائے	-6
41	مغرب کے پجاری اور آزادی رائے	-7
51	غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت	-8
54	وزیر اعظم کا آبائی قبرستان	-9
59	حکومت کے لیے رسوائی کا سامان	-10
69	حضرت آمنہ ام رسول ﷺ کی قبر مبارک کا انہدام	-11
75	آئین کی ''مقدس'' آرٹیکلز	-12
78	معاشرے کے بگاڑنے میں ''میرا'' کردار؟	-13
82	غصہ اور طلاق	-14
86	حقیقتِ احتساب	-15
89	عبادات کے آداب کا اصل مفہوم	-16
92	داخلی استحکام کی ذمہ داری	-17

Marfat.com

-18	کرپشن کو ختم کرنے کا زریں موقع	94
-19	ناموں کو بگاڑنا، اللہ کا ناپسندیدہ عمل	97
-20	روزے کے آداب	100
-21	روزے کے آداب	103
-22	مسلمان کے مسلمان پر حقوق	105
-23	صرف ایک لمحہ کے لیے سوچئے	108
-24	صرف ایک لمحہ کے لیے سوچئے	110
-25	رمضان کے دوسرے عشرے کی خصوصیت	112
-26	احترامِ قانون دعویٰ کی حد تک	115
-27	احترامِ قانون دعویٰ کی حد تک	117
-28	آئین کی مقدس آرٹیکلز: 62-63	119
-29	اہلِ پاکستان کا اپنا بھی ایک خوبصورت لباس ہے۔	122
-30	آخری عشرہ کی برکات	125
-31	ووٹ ضرور ڈالئے	128
-32	ووٹ کا استعمال شرعی اور ملی فریضہ ہے	131
-33	آج ہم نے حب الوطنی سے معمور اسلامی قیادت کا انتخاب کرنا ہے	134
-34	شب قدر کی وجہ تسمیہ	136
-35	رات کے سناٹوں میں......	139
-36	شب قدر اور انسانی قدریں	142
-37	پاکستان، رمضان اور جمعۃ الوداع	144
-38	ہم کیسے میزبان ہیں......؟	147
-39	خوشی کے بعد شکر بجالانے کا عجیب انداز	149

Marfat.com

152	میاں نواز شریف ہوشیار باش!	-40
156	پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ	-41
160	پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ	-42
163	پاکستان کے دشمنوں کے مختلف روپ	-43
166	خوبصورت مترنم آوازیں اور استحکام پاکستان	-44
169	برصغیر پاک و ہند کی علمی شخصیات کے بارے میں ٹرسٹ کا قیام	-45
172	ہمارے نشریاتی ”حکمران“	-46
175	ہمارے ”نشریاتی حکمران“	-47
178	ہمارے نشریاتی ”حکمران“	-48
181	اگرچہ ہے بہت معمولی مگر......	-49
184	عوام کے ارمان ٹوٹنے نہ پائیں	-50
187	آزادی کا اختیار نامہ	-51
190	سادگی کے پیکر کا اندازِ حکمرانی	-52
193	معاشرے کا بگاڑ، دہشت گردی اور تعلیماتِ الٰہیہ	-53
196	امن کی تلاش؟	-54
199	ملکی خزانوں سے ”قرض“ لینے والوں کا انجام......؟	-55
202	ملکی خزانوں سے قرض لینے والوں کا انجام؟	-56
205	معاشرہ اور مسجد کا باہمی تعلق	-57
207	دہشت گردی کے اسباب اور ان کا تدارک	-58
211	معاشرہ اور اخلاقیات	-59
215	تدریس قرآن اور حکومت کے عملی اقدامات	-60
219	آزادی نسواں کی عجیب تعریف	-61

Marfat.com

222	آزادیِ نسواں اور خاندانی اقدار	-62
225	آزادیِ نسواں کی فریب کاری	-63
228	''آزادیِ نسواں'' کے دعووں کی حقیقت	-64
231	''آزادیِ نسواں'' کی جلوہ آرائیاں	-65
234	''آزادیِ نسواں'' کا عبرتناک انجام	-66
238	آزادیِ نسواں اور عضوِ معطل کا نعرہ	-67
242	ڈرامے، فلمیں اور طلاقیں	-68
246	فلمیں، ڈرامے ''وثیقہ نویس'' اور ''طلاق نامے''	-69
250	خوفِ خداوندی...... معاشرے کی بنیادی اساس	-70
253	تربیت اولاد	-71
256	معاشرے کے بگاڑنے میں ''میڈیا'' کردار؟	-72
260	حکومت کے منہ پر بھرپور ثقافتی ''طمانچہ''	-73
264	اندازِ رہنمائی میں دورنگی	-74
268	انسانیت کا عالمگیر اجتماع	-75
270	قربانی اور سنتِ رسول اکرم ﷺ	-76

♥......♥......♥

Marfat.com

نشانِ منزل

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو حضرت نعیم الدین مراد آبادی کے نام سے واقف نہ ہو ان کے ہی شاگرد رشید علامہ مفتی محمد حسین نعیمی آپ کے شاگردوں میں سے تھے آپ نے جامعہ نعیمیہ جیسا عظیم الشان ادارہ گڑھی شاہو لاہور میں تعمیر کیا۔ آپ کی وفات 1998ء کو ہوئی۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں، جن کے اسم گرامی اس طرح سے ہیں جناب پروفیسر محفوظ الرحمٰن نعیمی، جناب ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی، جناب محمد تاجور نعیمی، جناب ڈاکٹر محمد عارف نعیمی ہیں۔ مفتی اعظم محمد حسین نعیمی کے وصال کے بعد عالم اسلام کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ نعیمیہ کے ناظم اعلیٰ کے فرائض ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کے تعلیمی سفر کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

حفظِ قرآن	جامعہ نعیمیہ، دالگراں لاہور
فاضل تجوید و قرأت	جامعہ کریمیہ، لاہور
فاضل درس نظامی	جامعہ نعیمیہ، لاہور
فاضل علوم اسلامیہ	جامعہ الازہر (مصر)
ایم اے اسلامیات	پنجاب یونیورسٹی
ایم اے عربی	پنجاب یونیورسٹی
ایم۔او۔ایل	پنجاب یونیورسٹی
ایل۔ایل۔بی	پنجاب یونیورسٹی
پی۔ایچ۔ڈی	پنجاب یونیورسٹی
فاضل عربی (گولڈ میڈلسٹ)	لاہور بورڈ
التخصص فی العلوم العربیہ والاسلامیہ	علماء اکیڈمی (اوقاف) لاہور

آپ کا جامعہ نعیمیہ سے تدریسی تعلق عرصہ 38 سال سے قائم ہے۔ علوم دینیہ کے

Marfat.com

ماہر اور مستند استاد ہیں۔ عربی ادب اور اصول فقہ میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ جامعہ کے جریدے ''ماہنامہ عرفات'' کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں بطور ممبر خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں۔ اگر ان کی زندگی کے ہر پہلو کا ذکر کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ انشاء اللہ کبھی ایسا بھی کریں گے لیکن یہاں ہم صرف اختصار کے ساتھ چند باتوں پر اکتفا کریں گے۔

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ہر دل عزیز شخصیت ہیں۔ ان کے خلوص سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پوری دنیا اور پاکستان میں لاکھوں ان کے چاہنے والے موجود ہیں۔ ہزاروں علماء، سکالرز، ڈاکٹرز، وکیل، تاجر اور صحافی بلکہ ہر شعبہ میں ان کے شاگرد موجود ہیں۔ درس و تدریس ان کو وراثت میں ملی ہے۔ اب تک بہت سے ادارے قائم کر چکے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت اسلام اور ملک کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا وجود ملت اسلامیہ کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ دین اسلام سے بے لوث محبت ان کو گھٹی میں ملی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا مقام محنت سے پیدا کیا ہے اپنی زندگی اسلام اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد کام، کام اور کام ہے۔ کم کھانا، کم سونا زیادہ کام کرنا، ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ ہر اچھے کام کو اپنے ہاتھ سے کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ صبح مسند تدریس پر، شام کو راولپنڈی، رات کو کراچی اور علی الصبح پھر مسند تدریس پر پہنچ جانا اب ان کا معمول بن چکا ہے رات کو سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔ نام نہاد روشن خیالوں کا مقابلہ کرنا خوب جانتے ہیں۔ فروغ اسلام اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے جابر اور غاصب پرویز مشرف کی قائم کردہ مسلم لیگ (ق) کو للکارنا ان کی عظمت میں اضافہ کرتا ہے۔ ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے آمریت کے سائے میں پرورش پانے والوں کو اس طرح للکارتے ہیں جیسے شیر۔

مفاہمت نہ سکھا، جبر ناروا سے مجھے
میں سربکف ہوں لڑا دے بلا سے مجھے

ظاہری نمود و نمائش کو قریب نہیں آنے دیتے۔ مفتی حافظ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی صاحب کو خودنمائی سے شدید اختلاف ہے۔ ناموس رسالت کے مسئلہ پر تقریباً 3 ماہ جیل میں رہ چکے ہیں۔ الحمدللہ حال ہی میں دہشت گردی کی عدالت سے 5 مقدمات سے باعزت بری

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ موصوف کی زندگی انقلابی زندگی ہے۔ جو آدمی ایک دفعہ ان کے قریب ہو گیا ساری عمر کے لیے اس کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ فلاحی کام کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ پاکستان میں جدید اسلامی تعلیم عام کرنا ان کی زندگی کا اہم مقصد ہے، کسی کو اپنا مخالف نہیں سمجھتے، دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے خیر خواہ ہیں ان کے کارناموں کا دائرہ کار بہت طویل ہے۔ ان کی گفتگو فکر انگیز، پرمغز، معنی خیز اور بامقصد ہوتی ہے۔ تلاوت قرآن پاک اور نعت مصطفیٰ ﷺ کو روح کی غذا سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت عوام میں مقبول بھی ہے اور محبوب بھی۔ درویش طبع، خوددار انسان، درویش مزاج، صوفی صفت، ظاہری اور باطنی طور پر ایک ہیں جو زبان پر ہے وہی دل میں ہے۔ مرد آہن بھی ہیں اور مرد شناس بھی، ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم، رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن کے آئینہ دار ہیں۔ دنیا کے ہر اہم ایشو سے باخبر رہنا ان کی فطرت میں ہے ان کو ملتے وقت جھکنا ہر آدمی کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی۔ اب تک متعدد ممالک کے تبلیغی دورے کر چکے ہیں۔ ان کی زندگی خلوص سے بھری ہوئی ہے۔ لکھنا ان کا شوق اور پڑھنا ان کو وراثت میں ملا ہے۔ پاسبانِ ملت بھی ہیں اور گوہر نایاب بھی۔ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی قائدین میں قائد لیکن کارکنوں میں ہوں تو کارکن محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ کام کرنے والوں کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا ان کو ملنے سے تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ عہد کو پورا کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے داعی اتحاد ملت اسلامیہ اور اتحاد اہل سنت و جماعت کے علمبردار ہیں سب کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا ان کی زندگی کا مقصد ہے حق گوئی اور بے باکی ان کو اپنے والد گرامی جناب مفتی اعظم مفتی محمد حسین نعیمی سے ملی ہے۔ جس کرسی پر آپ کے والد گرامی ایک دفعہ بیٹھے ساری عمر اس پر نہیں بیٹھے۔

اپنی اصلاح کے لیے شاگردوں اور پبلک کی بات کو غور سے سنتے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہزار سال قبل کے آدمی ہوں تصوف کے حامل افراد کی طرح ہمیشہ انا پرستی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے اسلاف کی یاد آتی ہے۔ مسند تدریس پر ہوں تو کوزے کو دریا میں بند کرنا ان کا معمول ہے۔ ہمہ وقت مصروف رہنا ان کی زندگی کا خاصا ہے۔ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا مختلف عالمی اور قومی ایشوز پر بیانات دینا اور لائحہ عمل کا اعلان کرنا ان کی مجبوری بن چکی ہے۔ ہمیشہ کلمہ حق بلند کرتے ہیں۔ فطرتاً مزاح کے آدمی ہیں۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ قبلہ موصوف کے اندر ایک اور بلند سوچ، بلند عزم، بلند

Marfat.com

ہمت، بلند قامت، ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی موجود ہے ڈاکٹر محمد سرفراز ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں۔ جس کام کے لیے بڑے بڑے ادارے درکار ہوتے ہیں اس کو اکیلے کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اب تک ان کے ہزاروں مقالے پوری دنیا میں پڑھے جا چکے ہیں۔

جامعہ نعیمیہ میں ہوں یا گھر پر قومی اور دینی فکر ان پر غالب رہتی ہے جس طرح نام سے ہر کوئی پہچان جاتا ہے بالکل اسی طرح دور سے ان کی شخصیت کا حال معلوم ہو جاتا ہے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غور و فکر کرنا، ان کا شیوۂ حیات ہے۔ تجزیہ نگاری کرنا خوب جانتے ہیں۔

قارئینِ کرام! نشان راہ کی پہلی قسط آپ کے ہاتھوں میں ہے پاکستان کے کثیر الاشاعت اخبار ''روزنامہ جنگ'' میں یہ کالمز 1996ء، 1997ء اور 1998ء میں لکھے گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے لکھے ہوئے کالم بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ راقم نے یہ کام کرنے کا فیصلہ موصوف کی مرضی سے کیا ہے۔ اگر ان کی مرضی اور تعاون شامل حال رہا تو انشاء اللہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے اب تک لکھے ہوئے مقالے کئی جلدوں میں شائع کیے جا سکتے ہیں۔ یہ تحریریں موصوف نے اپنے والدِ گرامی قبلہ مفتی محمد حسین نعیمی کے حکم کے مطابق لکھی تھیں۔

- انھوں نے یہ کالم دولت اکٹھی کرنے کے لیے نہیں بلکہ روح کو سکون پہنچانے اور عامتہ المسلمین کی اصلاح کے لیے لکھے تھے۔
- یہ کتاب لطافت اور جاذبیت سے بھری ہوئی ہے۔
- یہ تحریریں بامعنی اور بامقصد ہیں۔
- ان تحریروں میں وسیع معلومات دستیاب ہیں۔
- یہ کالم بین الاقوامی اخبارات و جرائد میں بھی چھپ چکے ہیں۔
- یہ کالم علمی، فکری، ادبی، سیاسی، مذہبی، سماجی، اقتصادی، ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ہیں۔
- ان کالموں سے ایک عام آدمی کے علاوہ دانشور، ادیب، شاعر، علماء اور طلباء بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔
- یہ کتاب کشادہ نظری اور دور اندیشی سے بھری ہوئی ہے۔
- یہ کتاب کثیر المقاصد بین الاقوامی ضروریات کے عین مطابق ہے۔

Marfat.com

- میں اس تحقیقی اور علمی کام کی تکمیل پر بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں کیونکہ یہ کتاب انشاءاللہ قیامت تک زندہ رہے گی۔
- یہ کتاب اہلِ علم کے لیے ایک تحفہ سے کم نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے میری اس معمولی کاوش کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ قارئین کرام! امید ہے آپ کو بھی یہ کالم بے حد پسند آئیں گے اور آپ ان کے مطالعہ سے مفید اور کارآمد دینی و دنیاوی معلومات حاصل کریں گے۔

محمد ضیاء الحق نقشبندی

E-mail:fikr92yahoo.com

0345-4321904

0300-4388083

♥......♥......♥

Marfat.com

Marfat.com

روشن راہوں کا نقیب

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ایک ممتاز عالم دین، مفکر، معلم اور اہلسنّت کے لیے مایۂ صد افتخار ہیں۔ وہ عصر حاضر کے اندھیروں میں چراغ مصطفویؐ لے کر رواں دواں ہیں۔ وہ جامعہ نعیمیہ لاہور جیسے عظیم الشان ادارہ کی مسند تدریس و تعلیم پر فائز ہیں اور ہزاروں طلباء ان کی راہنمائی میں علم کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ وہ اسلامی تحریکوں کی صف اوّل میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اعتقادی دنیا میں اہلسنّت کی راہنمائی کر رہے ہیں اور جب ناموسِ رسول پر دنیا کے کسی حصہ میں حرف زنی ہوتی ہے تو احتجاج کی آواز بن کر سامنے آتے ہیں۔ اس راہ میں وہ قید و بند اور آلام و مصائب کو لبیک کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی سے ہماری نیاز مندی ان کے بچپن سے ہے۔ ہم نے انھیں علمی منازل طے کرتے دیکھا ہے۔ انھیں علمی بلندیوں پر سرفراز ہوتے دیکھا ہے۔ انھیں اپنے والد مکرم مفتی محمد حسین نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت میں علمی، سیاسی، انتظامی اور تحریکی منازل طے کرتے پایا ہے۔ اپنے والد مکرم کے بعد جب وہ مسند تدریس پر بیٹھے تو ایک بہت بڑے تعلیمی ادارے کے انتظامی معاملات کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتے نظر آئے ہم ان کی صلاحیتوں کو داد دیے بغیر نہ رہ سکتے۔

تدریسی امور سے ہٹ کر انھیں تقریر و بیان کے سٹیج پر سنا تو ہدیہ تحسین پیش کیا۔ جب وہ سیاست سے دامن بچا کر دینی اور ملی تحریکوں میں نظر آئے تو دل خوش ہو گیا۔ جب انھیں عظمت اسلام کی خاطر مصائب، آلام اور قید و بند میں استقامت کے ساتھ قدم بڑھاتے دیکھا تو زباں سے بے اختیار نکلا

خدا تجھے اس راہ میں سرفراز کرے!

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی اپنی بے پناہ تدریسی، تنظیمی اور انتظامی مصروفیات سے ہٹ کر مختصر تقاریر سے بھی نوجوانانِ اہلسنّت کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جب اس راہنمایانہ کردار کو دُور

Marfat.com

بیٹھے لوگوں کو سرفراز کرتے ہیں تو اپنے نوک قلم سے بڑی خوبصورت تحریروں کو پھیلاتے جاتے ہیں۔ان تحریروں میں ملی اور دینی روشنی ملتی ہے۔خصوصاً اہلسنت کی اعتقادی اور فکری راہنمائی کے لیے ''نشانِ راہ'' بن کر سامنے آتی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''نشانِ راہ 1'' آپ کے نوک قلم کے وہ شہ پارے ہیں جو مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپ کر لاکھوں قارئین کی دینی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تحریریں ملت اسلامیہ کو فکر و عمل کی دعوت دیتی ہیں۔خصوصاً سنی اعتقادیات میں بڑی روشنی نشاندہی کرتی ہیں۔ہم ان کی تحریروں کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔پھر اپنے حلقۂ احباب علم و فضل میں بیٹھتے ہیں تو اہل علم کو ان کی تحریروں پر داد دیتے پاتے ہیں۔

ہمارے برادر عزیز محمد ضیاء الحق نقشبندی مجددی نے بڑی محنت سے ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی ایسی تحریروں کو جمع کر کے نشانِ راہ 1 کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔انھوں نے شبانہ روز محنت کر کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے قارئین کی جھولیاں بھرنے کی کوشش کی ہے انھوں نے منتشر اوراق کو یکجا کر کے ایک خوبصورت کتاب مرتب کر دی ہے۔انھوں نے بکھرے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر کے پھولوں کے گلدستے بنا کر قارئین کی محفلِ مطالعہ کو سجا دیا ہے۔انھوں نے ذروں کو سمیٹ کر آفتاب بنا دیا ہے۔قطروں کو اکٹھا کر کے دریا بہا دیے ہیں۔

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند!

ہم جہاں ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحریروں کو یکجا دیکھ کر اظہار مسرت کرتے ہیں۔وہاں مرتب کتاب جناب محمد ضیاء الحق نقشبندی کی کوششوں کو ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
نگران مرکزی مجلس رضا پاکستان

♥......♥......♥

Marfat.com

روزے کے ذریعے معاشرے کی اصلاح

کیا یہ ممکن ہے کہ خالق اپنے بندوں کو کوئی ایسا حکم دے جو اس کے مزاج، طبیعت، فطرت، خواہش، روحانی اور جسمانی تقاضوں کے خلاف ہو؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی صانع اپنی مصنوع کے حسن، خوبصورتی کو بدصورتی میں بدلنا چاہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نقاش اپنے شاہکار کو مسخ کرنا چاہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی موجد اپنی نفع بخش ایجاد کو ناکارہ کرنا چاہے؟

کیا یہ ممکن ہے کوئی معمار اپنی تعمیر کردہ لطیف و نظیف آبگینہ عمارت کو خستہ حال ہوتا ہوا دیکھ سکے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی حکیم اپنی حکمت کے جواہر کے ثمرات کو بے ثمر کرنا چاہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی طبیب طالب دانستہ طور پر شفاء کو حوالہ مرگ کرنا چاہے؟ اور اس کے مرض میں اضافہ کا ساماں مہیا کرے؟

کیا یہ ممکن ہے کوئی مدبر اپنی تدبیر نافع کو بے تدبیری میں بدلے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اغبان اپنے گلستان میں مہکتے، چمکتے لہکتے گلوں کو ویران ہوتے ہوئے دیکھے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ذراع اپنے لہلہاتے مرغزاروں کو پژمردہ ہوتے ہوئے دیکھے اور اس کے دمکتے چہرے پر آثار پژمردگی ظاہر نہ ہوں؟

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کائنات اپنی جملہ مخلوقات میں سے احسن تقویم اور اشرف المخلوق ''حیوان ناطق'' میں سے اپنے خاص اور محبوب مومنین کو ایسے امر کا حکم دے جو اس کی طبیعت اس کے مزاج اور اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہو چنانچہ اس خالق نے فرمایا۔

Marfat.com

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔" (القرآن)

حکیم مطلق کا کوئی حکم حکمت اور مقصدیت سے مبرا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس آیت سے ایک مقصد تو یہ واضح ہوا کہ یہ حکم صرف حضور اکرم ﷺ کی امت کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ پہلی امتوں پر بھی یہ حکم نافذ رہا اور وہ اس پر عمل پیرا بھی رہے اور جب عمل کو ترک کیا تو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں بسنے والے تمام مسلمان متقی اور پرہیزگار بن کر تمام معاشرے کو صفات تقویٰ اور پرہیزگاری سے متصف کر دیں اور معاشرے میں ان صفات حمیدہ کے حاملین چلتے پھرتے نظر آئیں اور ایک "مقدس معاشرے" کی تکمیل اور تشکیل ہو سکے۔

صرف یہ تصور کر لینا کہ روزے کا حکم صرف ایک انسان پر اثر انداز ہوتا یا اس کا دینی و دنیاوی فائدہ صرف ایک روزے دار تک محدود رہتا ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ حکم صرف ایک مسلمان یا مومن کو نہیں دیا جا رہا بلکہ تمام مومنین کو دیا جا رہا ہے۔ گویا اس حکم میں اجتماعیت بھی پیش نظر ہے اور جب ہر مومن صفت تقویٰ سے متصف ہوگا تو پورا اسلامی معاشرہ ایک "مقدس معاشرے" کی شکل اختیار کر لے گا جس میں نہ کوئی ظالم رہے گا اور نہ ظلم نہ کوئی فاسق رہے گا اور نہ فسق، نہ کوئی گناہگار رہے گا اور نہ گناہ، نہ کوئی جابر رہے گا اور نہ جبر، نہ کوئی غاصب رہے گا اور نہ غصب، نہ کوئی بدکار رہے گا اور نہ بدکاری، نہ کوئی فاجر رہے گا اور نہ فجور، نہ کوئی منکر رہے گا اور نہ نکیر، اور نہ کوئی شیطان کا پیروکار رہے گا اور نہ شیطانیت باقی رہے گی۔

افسوس صد افسوس! اس امر پر ہے کہ سیکولر ازم کے دلدادہ اور لادینیت کے علمبرداروں کے متبعین اور متاثرین ماہ مقدس کے فرض شدہ روزوں سے بے اعتنائی اور لاتعلقی کا اظہار اس انداز سے کرنے لگے ہیں کہ گویا یہ حکم صرف معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کے لیے ہی نازل ہوا ہے اور یہ نفلی استحبابی یا فرض کفایہ کے ضمن میں کوئی غیر واجبی حکم جیسا ہے اور یہ اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ آج معاشرے میں معروف و منکر حق و باطل اور حلال و حرام میں امتیاز کرنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں اور نوبت بایں جا رسید کہ اب تو بعض کاموں اور فعلوں میں "گناہ" کا تصور بھی ختم ہوتا جا رہا ہے اور جب معاشرہ اس رنگ میں ڈھل جائے تو انسان اور اس کی خواہشات نفسانی کی تکمیل ہر حد بندی سے بے پروا ہو جاتی ہیں اور اسی انجام

Marfat.com

سے امت سابقہ بھی دوچار ہو چکی ہیں اور چشم بد دور! ہم بھی اسی راستے پر گامزن ہو چکے ہیں۔

اسلام عالم انسانیت کے سامنے تمدن اور زندگی گزارنے کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش کرنا چاہتا ہے جو عالم الغیب اور ان دیکھی حقیقتوں کے خالق کے نازل شدہ احکامات پر مبنی ہے جس میں مادی اور روحانی خواہشات کی تکمیل ساتھ ساتھ ہوتی ہے جس میں دین و دنیا کی تقسیم اور تفریق نہیں بلکہ ہر دو کے احکامات میں ہم آہنگی کا حسین امتزاج ہے جس میں زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول اور خاتم النبین ﷺ کی سنت کی پیروی ہے روزے کے ذریعے اخلاقی اور روحانی اقدار کی تکمیل ہوتی ہے۔ ''نفس امارہ'' اور ''نفس لوامہ'' کی بیخ کنی اور ''نفس مطمئنہ'' کی تغذیہ جوئی ہوتی ہے اور یوں نفرت شدہ معاشرہ ایسے معاشرے میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خالق کائنات کے احکامات کا مطلوب معاشرہ ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 11 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

روزہ صفات الٰہی سے متصف ہونے کا ذریعہ

خالق کائنات ایک انسان میں عمومی طور پر اور مسلمان میں خصوصی طور پر بہت سی صفات حمیدہ کو یکجا دیکھنا چاہتا ہے۔ان میں سے کچھ صفات ایسی ہیں جو وہبی کہلاتی ہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو کسبی کہلاتی ہیں اور جن صفات کا تعلق کسب کے ساتھ ہے، وہ انسان اپنے آپ میں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی اگر کوئی صفت اس وقت موجود نہیں ہے تو وہ کوشش جدوجہد، سعی مسلسل اور عمل پیہم سے اپنے اندر وجود میں لانے کا ملکہ رکھتا ہے اور جن صفات کا تعلق ''وہبی'' کے ساتھ ہے انہیں صرف اور صرف خالق کائنات ہی عطا کرتا ہے ان صفات کو انسان اپنے آپ میں پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ صفت نبوت اور صفت ختم الرسالہ، صفت احمدیت، صفت محمدیہ اور اگر وہ اپنے اندر ان صفات میں سے کسی صفت کے پائے جانے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور کاذب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حضور اکرم ﷺ کے بعد اگر کوئی نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہوگا اور وہ جھوٹا اور کاذب نبی ہوگا جیسے اس دور میں مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ۔

حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ''اے مسلمانوں! تم اپنے اندر اللہ کی صفات متخلق کر کے اس کی صفات سے متصف ہو جاؤ۔'' یہ ان ہی صفات کے بارے میں ہے جو کسبی کہلاتی ہیں اور ان صفات سے متصف ہونے کے اندر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی حکم کی بجا آوری اور امر کی پیروی پیش نظر رہے اور وہ اطاعت الٰہی و اطاعت رسول کے تحت ہی اس صفت کو پیدا کر رہا ہو۔ مثلاً اگر ایک انسان صرف بھوک کی وجہ سے کوئی چیز کھائے یا طبعی محبت کی وجہ سے وہ اپنے بچوں سے محبت کا جذبہ رکھتا ہے تو وہ کسی بھی جانور کے مقام سے آگے نہ بڑھا کیونکہ ہر چرندہ، پرندہ، درندہ اپنے طبعی تقاضے ہی کی بنا پر اپنی غذا کھا کر اپنی بھوک کو دور کرتا ہے اور اسی طرح چاہے وہ کتنا ہی خون خوار درندہ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اپنے طبعی تقاضے ہی کی وجہ سے اپنے بچے سے اظہار محبت کرتا ہے لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کے فرمان ''حلال

98182

Marfat.com

اشیاء کھاؤ اور پیو" کے حکم کے تحت کھاتا اور پیتا ہے تو اب اس کا کھانا اور پینا حکم الٰہی کے تحت نیکی میں شمار ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ انسان جو کام بھی کرے اس کا محرک اور مقتضی نہ اس کی طبیعت ہو نہ اپنی خواہش ہو نہ کسی اور کی چاہت ہو اور نہ کوئی دنیاوی غرض بلکہ ہر کام کا باعث اور داعی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس کی صفات سے متصف ہونا ہو تو پھر بندہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر پیکر خلق الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ خالق کائنات اپنے بندوں میں بہت سی صفات مثلاً رحمت ایمان، بسط، رفعت، حکمت، عدالت، لطافت، عظمت، حفاظت، مودت، علی نفع، رشد، معافی، عطا جوئی، شکر گزاری وغیرہ دیکھنا چاہتا ہے لیکن جب روزے کی فرضیت کو بیان کیا تو صفت تقویٰ کو بیان یوں فرمایا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ "تا کہ تم متقی ہو جاؤ" تقویٰ کے معنی لغت میں "کسی سے ڈرنا، خوف کرنا، کسی سے بچنا" کے آتے ہیں اور اصطلاح میں "انسان کا ان کاموں سے بچنا جو اس کے لیے آخرت میں نقصان دہ ہوں۔

تقویٰ کے تین درجے ہیں۔

1- ایک دائمی عذاب سے بچنا تو اس لحاظ سے ہر مسلمان متقی ہے۔

2- دوسرے عام گناہوں سے بچنا اور عام طور پر تقویٰ کے یہی معنی مراد ہوتے ہیں تو اس لحاظ سے پرہیزگار متقی ہیں۔

3- تیسرے اس چیز سے بچنا جو حق تعالیٰ سے روکے، اس اعتبار سے اولیاء اللہ اور انبیاء کرام متقی ہیں۔

4- خدا کی لامحدود صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کھانے پینے، خورد و نوش اور عمل ترویج سے بے نیاز ہے۔ اس لیے اس کے قرب پانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کھانے پینے اور خواہشات نفسانی کو ترک کر کے بھوک اور پیاس کی مشکلات اور صعوبتوں کو قبول کر لے۔

انسان بھوکا ہے، غذا کا طالب ہے جس کا ہر ہر عضو بھوک کی بنا پر مضمحل ہو رہا ہے جس کا رواں رواں پانی کا متلاشی ہے اور دونوں چیزیں اس کے سامنے موجود بھی ہیں مگر پھر بھی قدرت کے باوجود وہ اپنا ہاتھ ان کی طرف نہیں بڑھا رہا۔ عقل تو کہتی ہے، یہ دیوانگی پن ہے، فکر کہتی ہے کہ یہ خودکشی ہے، ذہن کہتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کرنا ہے مگر

Marfat.com

اپنے خالق اور مالک کا قرب حاصل کرنے کا متلاشی انسان اپنے خالق اور مالک کی صفت سے ہم آہنگ ہونے کے شوق و ذوق اور جنوں میں اس دیوانہ پن کو بخوشی قبول کر رہا ہے اور اس عالم شوق و ذوق کے نام کو اسلام نے روزہ سے تعبیر کیا۔

کسی کی قربت حاصل کرنے کے طریقے، ذریعے اور اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی ظاہری اعتبار سے انسان اپنے آپ کو اس کے رنگ میں ڈھال کر قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی اپنے اندر اسی کے باطنی اور نظر نہ آنے والے اوصاف پیدا کر کے قربت حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے مقصد دونوں کا حصول قربت ہی ہے۔

مالک ارض و سماء "شہ رگ کے قریب ہونے" کے باوجود اپنے خاص الخاص بندوں کے علاوہ چشم و بصر میں سما جانے سے ماوریٰ ہے (دنیا میں) آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اس خالق میں صفت خفی اور پوشیدگی پائی جاتی ہے جب وہ فرماتا ہے "ہو جا" اور چیزیں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ افعال وقوع پذیر ہو رہے ہیں لیکن فاعل اور جاعل نظر نہیں آ رہا۔ اسی طرح انسان روزے کی حالت میں اپنے دیگر امور سرانجام دے رہا ہے لیکن روزہ نہ اسے نظر آ رہا ہے اور نہ کسی اور کو نظر آ رہا ہے۔ روزے کا فعل تو واقع ہو رہا ہے لیکن نظروں سے اوجھل ہے اس کے برعکس دیگر عبادات نماز، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی ادائیگی کو نماز پڑھنے والا بھی اپنے افعال کی وقوع پذیری اور اعضا کی حرکت کو دیکھ رہا ہے اور دوسرا بھی، حج کی ادائیگی کو وہ لاکھوں انسانوں میں ادا کرتے ہوئے خود بھی دیکھ رہا ہے اور دوسرے بھی ارکان حج کو ادا کرتے ہوئے حاجی کو دیکھ رہے ہیں۔ زکوٰۃ دینے والا کتنا ہی چھپ کر ادا کرے لیکن بہرحال زکوٰۃ دینے اور لینے والے تو دونوں ایک دوسرے کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں جہاد میں متحرک مجاہدین کو ہزاروں آنکھیں ہتھیاروں اور تلواروں کو چلتے ہوئے دیکھ رہی ہیں لیکن روزہ کی شان اور آن ان تمام مذکورہ عبادات سے مختلف ہے بس یا تو روزہ رکھنے والے کو معلوم ہے یا جس کی رضا کے حاصل کرنے کے لیے روزہ رکھا ہے اس کو معلوم ہے اور اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایک مخلص اور سچی محبت کا دعویدار اپنے محبوب پروردگار کے دربار عالیہ میں ریاء کے شائبے سے کوسوں دور خلوص بھرا ہدیہ گلدستہ گل پیش کر رہا ہے۔ جس کی مصفی و مطہر خوشبو کو یا تو محب محسوس کر رہا ہوتا ہے یا محبوب جانتا ہے۔

رحمت بھی اسی کا خاصہ ہے، رحمان و رحیم اسی کی صفات حمیدہ ہیں۔ اگرچہ رحمان و

Marfat.com

رحیم کی صفات سے متصف ہونا کسی اور کے لیے روا نہیں ہیں لیکن ان الفاظ کے معنی یعنی ترس کھانا، رحم دل ہونا، مہربانی اور شفقت کرنا معافی اور مغفرت کے اظہار کی جلوہ آرائی کا پرتو دکھانا تو کسی نہ کسی حد تک انسان کے بس میں ہے۔ روزے کے ذریعے وہ اپنے اندر بھی ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جہاں کہیں وہ کسی پیاسے اور پانی کے متلاشی کو تڑپتا ہوا دیکھتا ہے کسی بھوکے کو غذا اور کھانے سے خالی البطن پاتا ہے اور پیٹ کے جہنم کو بھرنے کے لیے اسے کوئی چیز نہیں مل رہی ہوتی ہے اور وہ بھوکا انسان یا حیوان اس کے سامنے قحط زدگی کے عالم میں اپنی جان عزیز کو ملک الموت کے حوالے کرتا ہوا دیکھتا ہے تو روزہ دار کو روزہ کی حالت میں اپنے آپ پر طاری بھوک کی کیفیت کے احساسات محسوس ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور وہ انھیں احساسات کے بل بوتے پر بھوکے اور پیاسے پر ترس کھا کر اسے ان تلخ ناک اور درد انگیز کیفیات سے نکالنے کا جذبہ اپنے اندر موجزن پاتا ہے۔

جب کوئی مہربانی اور شفقت کا طالب روزے دار کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار اور روزہ دار کو پہنچائی ہوئی تکلیف پر اظہار ندامت کرتا ہے تو روزہ دار کو غربت میں اپنے آپ طاری ہونے والی بے بسیاں یاد آتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو گناہوں کے بوجھ تلے دبتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اسے اپنے اردگرد گناہوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ان گناہوں کے تلاطم انگیز موجوں میں غرق ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے تو ان حالات میں وہ اپنے پروردگار کی مغفرت اور معافی کا خواستگار بن کر اس مہربانی اور شفقت کے طالب کو معاف کرنے اور بخشنے کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

خالق کائنات غنی بھی ہے، وہ چاہتا ہے کہ صفت غنی میرے بندوں میں بھی پیدا ہو اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک وہ خود کسی کیفیت خاصہ میں آزمایا مبتلا نہ کیا جائے اس وقت تک اسے اس کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ کسی کی جیب سے کوئی رقم اس وقت تک نہیں نکل سکتی جب تک وہ خود افلاس کی تلخیوں سے دوچار نہ ہوا ہو۔ وہ شخص جو ہمیشہ داد و عیش کی زندگی بسر کرتا رہا ہو اسے کیا احساس کہ تنگ دستی کیا ہوتی ہے؟ اور اگر ایک دن اسے بھوکا رہنا پڑ جائے تو اسے معلوم ہوگا کہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے شکم کو سیر نہیں کر پایا یہی ایک دن کا احساس اس کے اندر یہ جذبہ پیدا کرے گا کہ وہ افراد جو سال کے اکثر حصے میں فقر کی بنا پر مصائب سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، ان پر کیا گزرتی ہوگی اور بالآخر اس غنی روزے دار

Marfat.com

کے اندر بھی صفت غنی کا وجود آہستہ آہستہ مستحقق ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام "الرشید" بھی ہے جس کے معنی "سیدھی راہ پر چلنے والا ہدایت یافتہ، راستگی اور راہ حق پر برقرار رہنے کے ہیں۔ روزہ دار جب تک روزے کی حالت میں ہے تو وہ نہ صرف خود سیدھی راہ پر گامزن ہے بلکہ اس حالت میں وہ کوشش کرتا ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی شخص غلط کام کر رہا ہے تو اس کو بھی سیدھی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور یوں اپنے آپ کو مزید "الہادی" ہونے کی صفت سے متصف بھی کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی دلی تمنا یہی ہوتی ہے کہ جس طرح وہ خود راہ حق پر توفیق الٰہی سے چل پڑا ہے، دوسرے بھی اسی طرح راہ حق پر چلتے رہیں۔ یہ فطرت انسانی ہے کہ جب وہ کوئی راہ اختیار کرتا ہے چاہے غلط راہ ہو یا صحیح وہ اپنے ساتھ مزید افراد کو ساتھ ملانا چاہتا ہے تاکہ وہ اس راہ پر تنہا اور اکیلا ہی نہ چلے (یاد رہے کہ حکمران اس فطری اصول سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ حکمرانی میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتے) اسی فطری تقاضے کی بنا پر چور، لٹیرا، ڈاکو اور بدمعاش باوجود یہ جاننے کے وہ غلط راستے پر عمل پیرا ہے، پھر بھی اپنے گروہ میں دوسرے افراد کو بھی شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کرپشن کرنے والا یہی چاہتا ہے کہ وہ اکیلا کرپشن میں اپنے ہاتھ گندے نہ کرے بلکہ دوسرے بھی اسی برائی میں مبتلا ہوں تاکہ کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ کوئی اس پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔ کوئی اس کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے، جب حمام میں سارے ہی ننگے ہوں گے تو کون حجاب وحیا کی تلقین کرے گا۔ شرابی یہی چاہتا ہے کہ میں اکیلا ہی غل غپاڑہ کرنے کی بدمستی میں مدہوش نہ رہوں بلکہ میرے ہم نشیں اور بھی ہوں تاکہ خوب شور و غوغا کا بازار گرم ہو۔ اس کے برعکس روزہ دار کی خواہش یہ ہوگی کہ جس طرح میرے مالک نے مجھ پر کرم کیا تو اس کرم میں، میں دوسروں کو بھی شامل کرلوں۔ روزہ کی حالت میں جو اطمینان وسکون کی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے۔ دوسرے بھی اس پر مسرت کیفیت سے اپنے آپ کو شناسا کریں۔ رات کی تنہائی میں جن تجلیات ربانی سے میں مستفیض ہوتا ہوں، دوسرے بھی ان تجلیات سے مستفیض ہوسکیں۔

دو جہاں کے مالک کی ایک صفت "القوی" بھی ہے جس کے معنی طاقت ور ہونا، شدید و مضبوط ہونا، زور آور اور قوت والا ہونا ہے۔ ضروری ہے کہ ایک مسلمان اپنے اندر اس صفت کو خاص طور پر انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے پیدا کرے۔ ذرا تصور کیجئے اس کسمپرسی کے دور کا جب مسلمان دنیاوی جاہ و ثروت سے تہی دست تھا تو ان لمحات میں امت مسلمہ کی

Marfat.com

''قوت'' کا اظہار تاریخ اسلام کے اور حق و باطل کی معرکہ آرائی میں سب سے پہلے غزوہ بدر (17 رمضان) کے موقع پر ہوا اور یہی وہ پہلا رمضان تھا جس سے متصل ابھی ابھی روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں پر نازل ہوا تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا ایک اہم مقصد مسلمانوں میں اپنی ذات اور اپنے دین کے اعتبار سے اور دنیا میں مسلمانوں کا بحیثیت ایک قوم کے اعتبار سے، باطل کے خلاف، کفر و ضلالت کے خلاف ''قوت'' پیدا کرنا تھا۔ اس موقع پر جب مسلمانوں اور کافروں میں جنگ کا آغاز ہونے والا تھا تو دنیاوی تقاضوں کے برخلاف مسلمانوں میں صرف ایسی قوت پیدا کرنا مقصود تھا جس میں نبرد آزمائی کی قوت کا انحصار صرف اور صرف ذات خداوندی پر ہو اور یہی جذبہ قوت کسی قوم کی بقاء استحکام اور نشوونما کا ضامن ہوتا ہے۔

رمضان کے مقدس مہینے میں جب ایک روزہ دار اپنے لیل و نہار میں قرآن کی تلاوت، ذکر اذکار کی مشغولیت میں مصروف ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ شیطانی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کی اپنے اندر قوت پیدا کر رہا ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں صرف ایک مسلمان ہی کی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قوت کو حاصل کرے جس کی بدولت وہ دشمنان اسلام کو مرعوب کر سکے جس کے ذریعے وہ کفر کے خلاف سینہ سپر ہو کر مقابلہ کر سکے، جس کے ذریعے وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کا مداوا کر سکے، رمضان کے روزے ہمیں اسی مقصد، ''قوت'' کے حاصل کرنے کی طرف راہ دکھا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''الحفیظ'' بھی ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو ضائع اور تلف ہونے سے بچانا، مال کی نگہبانی کرنا کے ہیں۔ ایک روزہ دار جب روزہ رکھ رہا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے ایمان کو ضائع اور برباد ہونے سے بچا رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ان نعمتوں کی حفاظت کر رہا ہوتا ہے جو خالق کائنات نے اس پر مختلف جہات سے کی ہوتی ہیں۔ ویسے بھی ایمان سے بڑھ کر اور کوئی ایسی دولت نہیں ہے جس کی حفاظت کی جائے۔ روزہ کے ذریعہ انسان میں اپنے اور اپنے دیگر مسلمانوں بھائیوں کے درمیان ایسے معاہدے کی تشکیل کا جذبہ ترتیب دیا جا رہا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے مال و دولت، عزت، عصمت کا محافظ قرار پائے۔ (روزنامہ جنگ لاہور 13 تا 15 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

روزے کے جسمانی صحت پر مثبت اثرات

روزوں کے بارے میں عام تأثر یہ پھیلایا جاتا ہے کہ روزے سے انسانی اعضاء مضمحل ہو جاتے ہیں۔ بدن انسانی اعتدال پر قائم نہیں رہتا، غور و فکر کے سوتے بند ہو جاتے ہیں، جسمانی توانائی ختم ہو جاتی ہے، مختلف امراض آہستہ آہستہ اثر انداز ہونے لگتے ہیں جو بالآخر انسانی جسم پر مستقل طور پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ چہرے کی رنگت میں تغیر پذیری کا عمل واقع ہو جاتا ہے جس سے چہرہ مرجھا جاتا ہے اور چہرے کی چمک ماند پڑ جاتی ہے اور اسی طرح کے مختلف سوالات قائم کر کے روزے رکھنے سے دلوں کو بدظن کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے روزے کی جسمانی صحت پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کے بارے میں رائے قارئین کو پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں کسی عام شخص کی نہیں بلکہ فن حکمت و طب کی مایہ ناز شخصیت جن کی رائے اور تجزیہ کے بارے میں شک بھی نہیں کیا جا سکتا جو جدید اور قدیم رموز حکمت و طب سے کما حقہٗ واقف ہیں، میری مراد حکیم محمد سعید دہلوی (ہمدرد) ہیں۔ وہ اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"زندگی کے شب و روز موجب درس ہیں اور حیات مستعار کے لیل و نہار اس حقیقت کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس عالم فانی میں انسان کو زندہ رہنے کے لیے غذا نوش جان کرنی چاہیے، کھانے اور کھائے جانے کے لیے زندہ رہنے کا انداز فکر یقیناً روح پرور نہیں ہو سکتا، زندہ رہنے کے لیے تناول اشیاء غذائی عین ثواب ہے، عین اعتراف سائنس ہے اور عین اتباع رسول اکرم ﷺ۔

اب میں اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں۔ سال گزشتہ پورے ماہ رمضان المبارک میں بجز ایک یوم میں نے پورے مہینہ ترک غذائے متنوع کیا۔ پورے مہینہ میں، میں نے نہ گوشت کھایا، نہ چاول کھائے اور نہ گیہوں، کوئی سبزی ترکاری نہیں کھائی، نہ کوئی دہی پکوڑا کھایا۔ ایک دن بھی میں نے قورمہ نوش جان کیا، نہ تافتان اور شیر مال اور نہ روٹی، نہ پلاؤ، نہ بریانی، نہ چٹنی

Marfat.com

اور نہ اچار پھر کیا کھایا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے پورے ماہ رمضان میں ابلی ہوئی نمکین چنے کی دال، کھجوریں اور بہ قدر ضرورت دودھ استعمال کیا۔

ابلی ہوئی چنے کی دال میں چند کھجوریں توڑ کر ڈالیں، اوپر سے دودھ ڈالا۔ افطار و سحر میں یہ میری من بھاتی غذا تھی۔ پورے مہینے چنے کی دال۔

چنے کی دال پاکستان کے دوست کاشتکار نے پیدا کی، کھجوریں اندرون سندھ کی نہایت اچھی پیداوار ہے، دودھ درآمد کردہ نہ تھا کہ اس کے دودھ ہونے میں اور حلال ہونے میں شبہ ہو۔ دودھ پاکستان کی خوبصورت گائے نے دیا تھا۔ وہ گائے جس ہم روزانہ ذبح کر کے کھا جاتے ہیں اور دودھ باہر سے منگواتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورا مہینہ بہ عافیت گزرا۔ ایک دن تہجد ہاتھ سے نہ گئی، کوئی ایک نماز قضا نہ ہوئی، کوئی ایک تراویح ادا ہونے سے نہ رہی۔ پورے مہینے کی شام ورزش کے لیے ٹینس جاری رہی۔ کسی دن ہاضمہ خراب نہ ہوا، پورا مہینہ چاق و چوبند رہا، کاہلی اور سستی قریب نہ آئی۔

عید کی صبح آئی میں نے اپنی نواسی ماہم (ماہ نیم ماہ) سے کہا۔ ماہم! ذرا وزن کی مشین لاؤ۔ دیکھتا ہوں کہ وزن دس پاؤنڈ کم ہوا یا بارہ۔ مشین پر کھڑا ہوا حیرت انگیز طور پر معلوم ہوا کہ ساڑھے چھ پاؤنڈ وزن بڑھ گیا ہے۔

میرے ہم وطنو!

اب آپ غور فرمائیے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ میں آپ سے اپنا تجربہ دہرانے کے لیے نہیں کہتا مگر صرف اس قدر کہتا ہوں کہ روح روزہ و رمضان یہ ہے کہ انسان ثقیل غذا استعمال نہ کرے۔ اپنے اندر کو خالی رکھے تا کہ نور معرفت نظر آئے۔ لقمہ حلال کے وقت، یہ خیال ذہن سے ماورا نہ ہو کہ پاکستان میں لاکھوں غریب فاقے کرتے ہیں۔ کھاتے وقت یہ بات ذہن میں موجود ہو کہ ہم مقروض ہیں اور ہماری غذائی اشیاء مثلاً چائے، دودھ، گیہوں، گوشت، آلو، پیاز، ٹماٹر، دالیں درآمد کرنے پر ارب ہا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ ہم ایثار کر کے قرضوں سے نجات حاصل کریں اور ہم غلامیوں کا طوق اتار کر پھینک دیں آزادی کی روح پرور فضاؤں میں سانس لیں۔

Marfat.com

محترم حکیم محمد سعید دہلوی کا تجربہ اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ روزہ انسانی اعضاء پر کسی قسم کے منفی اثرات مرتب نہیں کرتا، البتہ اگر کوئی انسان کسی شدید مرض میں مبتلا ہے تو اس کی کمزوری کی وجوہات طبی ہو سکتی ہیں، طبعی نہیں۔

جدید و قدیم میڈیکل سائنس کے ماہرین اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ روزہ سے جسم انسانی پر کسی قسم کے منفی اثرات مُرتب نہیں ہوتے اگر واقعی منفی اثرات مرتب ہوتے تو پھر رمضان کے مہینہ کے اندر ہسپتالوں، کلینکوں اور مطبوں کے اندر لاغر اور بیمار افراد کا جم غفیر نظر آتا اور رمضان کے بعد یہ تمام ادارے مریضوں سے خالی ہو جاتے۔ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ ان اداروں میں بیمار افراد کی گہما گہمی پورا سال برقرار رہتی ہے بلکہ پرائیویٹ ہسپتالوں کی بھرمار تو کسی اور امر کی چغلی کھا رہی ہے۔ یا پورے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد روزے دار افراد اس قدر لاغر اور کمزور ہو جاتے کہ پھر آئندہ وہ کئی مہینوں تک کسی کام کے نہ رہتے۔ واقعات بھی اس دعویٰ کی تردید کرتے نظر آتے ہیں بلکہ حفاظ کرام تو روزے کی حالت میں سارا سارا دن منزل یاد کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف دن میں منزل دہرانے کی مشقت برداشت کرتے ہیں اور دوسری طرف رات کو کئی گھنٹے قیام کی حالت میں بآواز بلند قرآن کی تلاوت کر کے دہری مشقت کے برداشت کرنے کا مجاہدہ کرتے ہیں اور یہی حالت تراویح پڑھنے والے افراد کی ہوتی ہے کہ انھیں مزید روزے کے باوجود راتوں کو قیام بھی کرنا پڑتا ہے۔

غیر مسلم اطبا بعض بیماریوں کا علاج فاقہ کشی کے ذریعے کراتے ہیں کیونکہ انسانی جسم مسلسل حرکت اور عمل میں رہنے کی وجہ سے مضمحل اور کمزور ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے، وہ ناکارہ اعضاء کو آرام اور سکون پہنچانے کی خاطر فاقہ کی ترغیب دیتے ہیں اور یہی فلسفہ ہفتہ وار چھٹیوں میں کارفرما ہوتا ہے کہ انسان مسلسل کام کاج کر کے تھک جاتا ہے اور ہفتہ وار تعطیل کسی حد تک جسم کو راحت و سکون پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہے (اگرچہ اسلام کام، کام اور کام کی ترغیب دیتا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جسمانی اعضاء کو مسلسل 11 ماہ مصروف کار رہنے کی بنا پر ایک ماہ اس انداز سے آرام پہنچانے کا سبب مہیا کیا جو فطرت انسانی کے زیادہ مناسب ہے اور اگر کوئی شخص کسی مستقل شدید بیماری میں مبتلا ہے یا بیماری کے زیادہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے ہی رخصت دے دی ہے کہ بیماری کی بنا پر وہ ان ایام

Marfat.com

میں روزے نہ رکھے بلکہ بعد میں وہ نہ رکھے ہوئے روزوں کی تعداد کے برابر قضا کر لے۔ گویا روزہ رکھنے میں رخصت دی ہے روزہ چھوڑنے یا ترک کرنے کی رخصت نہیں دی۔

منشائے الٰہی کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہمارے ہاں رمضان المبارک کے روزوں کو کم خوری کی بجائے خوش خوری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور عام گھرانوں کا خوراک پر اٹھنے والا خرچ کم ہونے کی بجائے بڑھ جاتا ہے اور اس پر طرفہ تماشا وہ افطار پارٹیاں ہیں جن میں شرکت باعث افتخار خیال کی جاتی ہے۔ اس قسم کی دعوتوں میں کھانے کی انواع انواع کی اقسام کی بہتات ایک طرف خوش خوری کا ذریعہ بنتی ہیں اور دوسری طرف دن بھر روزے رکھنے کے دوران کی گئی کلوریز کی بچت کو ضائع کر دیتی ہے۔ اس غذائی بد احتیاطی کی وجہ سے بعض مریضوں کا وزن ماہ رمضان میں کم ہونے کی بجائے بڑھ جاتا ہے۔

ایسے افراد جو وزن میں زیادتی یا وزن کے بڑھنے کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں اور وزن کی کمی ایسے مریضوں کے علاج میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے تو رمضان کے روزے ان کے لیے کم خوری اور وزن کی کمی کا اچھا موقع فراہم کرتے ہیں۔ سال کے دوسرے ایام میں جب وزن کی کمی کے پروگرام پر عمل کیا جائے تو سارا دن بھوکا رہنے کی خواہش پر قابو پانے کی ضرورت ہے جو ایک مشکل امر ہے جبکہ ماہ رمضان میں اگر سحری اور افطاری کے موقع پر انسان اپنی خوراک کی خواہش کو قابو میں رکھے تو وزن میں بغیر کسی حیل و حجت اور تردد کے آسانی سے کمی ہو سکتی ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 20، 21 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

مغرب کے پجاری اور آزادی رائے

مغرب...... مغربی اقدار...... مغرب کی مذہب سے لاتعلقی...... اور...... سیکولر نظریات کی خوبیوں، عظمتوں اور رفعتوں کو خوش نما انداز، انتہائی خوبصورتی اور غیر محسوس طریقے سے ''چٹخارے'' لے لے کر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عام سا انسان ان ''طلسماتی کہانیوں'' کو سن سن کر یہ محسوس کرتا ہے کہ یورپ کی ترقی کا راز ہی مذہب سے دوری میں پوشیدہ ہے اور اس طرح کے ''خیالات فاسدہ'' کو اپنے پرنٹ میڈیا کے ذریعے خوب خوب اجاگر کرتا ہے جس کے نتیجے میں عوام تو ایک طرف رہے علم و آگہی سے وابستہ افراد اور حکمرانی کے ''بے وفا'' تخت پر ''فروکش'' ''شخصیات'' بھی اس ''فریبی سحر'' میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ہماری فلاح بھی ''سیکولرازم'' میں پنہاں ہے اس لیے حکمرانوں کا انداز حکمرانی بھی سیکولر روایات کا روپ دھار لیتا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کم و بیش آج بھی یورپ اپنے مذہبی عقائد، روایات اور افکار میں اسی قدر رجعت پسند ہے جس قدر آج سے دو ہزار سال پہلے روم کے کلیسا کی تعلیمات کی روشنی میں رجعت پسند تھا اور جس کا مشاہدہ ہم آئے دن یورپ سے آنے والے مذہبی افراد کے ارشادات، بیانات، پیغامات اور حکمرانوں کو دیے گئے ''احکامات'' سے کرتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ اپنے مشنری اداروں کی آڑ میں اور کبھی غیر ملکی امداد سے چلنے والی این جی اوز کے حوالے سے ایسی کاروائیوں کو پروان چڑھاتے رہتے ہیں۔ کبھی ''رشدی'' کے ذریعے اور ''نسرین'' کے روپ میں اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہیں۔ کبھی وہ مذہب کو انسان کا ذاتی مسئلہ قرار دے کر اس کی اہمیت ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مذہب کو انسان کا ذاتی مسئلہ قرار دینے میں بحق بجانب بھی ہیں کیونکہ عیسائیت، یہودیت اور دیگر تمام ادیان کی تعلیمات صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود ہیں اور زندگی کے دیگر شعبہ ہائے حیات کے بارے میں ان کی تعلیمات یا تو خاموش ہیں یا اگر ہیں تو اسلام کے مقابلے میں انتہائی محدود، غیر متوازن،

Marfat.com

ناپائیدار، غیر مستقل اور غیر ابدی ہیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے اور ان موضوعات پر علمی مواد سے معمور بہترین کتب اس پر شاہد ہیں۔ اسلام کے احکامات بھی اگر صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود ہوتے تو مغرب کو اس سے خوفزدہ ہونے کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ ہے۔ آخر یورپ میں دیگر ادیان والے بھی تو سرگرم عمل رہتے ہیں، ان کے بارے میں ان کا وہ ''ترش رویہ'' نہیں ہوتا جو اسلام کے بارے میں ہوتا ہے۔ آخر اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہے؟ اگر کہا جائے کہ اس کی وجہ مسلمانوں کے مابین مسالک کا اختلاف اور ان کے پیروکاروں کی باہمی چپقلش ہے تو جب ''صلیبی جنگیں'' ہوتی تھیں اس وقت تو کوئی فرقہ واریت اور مسلکی اختلاف کا وہ زور وشور نہ تھا جو آج نظر آتا ہے تو اس وقت یورپ اور روم کے کلیساؤں کے راہب اور شہنشاہ کس بناء پر اسلام سے برسر پیکار رہتے تھے؟ گویا اسلام دشمنی میں صرف طریق کار بدلا ہے، مذہبی عصبیت نہیں بدلی۔

مغرب اسلام سے خوفزدہ بھی صرف اس لیے ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔ اسلام کے نظام معاشیات واقتصادیات کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو چند سالوں کے اندر اندر یورپ کی نام نہاد ترقی زمین بوس ہو جائے گی۔ اسلام کے نظام ''حکومت وسیاست'' کا جامہ زیب تن کر لیا جائے تو جمہوریت کے بڑے بڑے بت پاش پاش ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اسلام کے نظام ''عدل وانصاف'' کو اپنا لیا جائے تو یورپ کی نام نہاد عدل و انصاف کی کہانیاں اور مسلمان اقوام اور ملکوں کے ساتھ ان کا مظاہرہ اور سلوک ان کی دوغلی پالیسیوں کو ننگا کر دے گا۔ اسلام کے نظام عبادات کو روح جان بنا لیا جائے تو یورپ کا بے کل ہنگامہ خیز معاشرہ سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا، اسلام کے نظام ''اخلاقیات'' کو حرز جان بنا لیا جائے تو یورپ کا مکروہ شیطانی معاشرہ اخلاق حمیدہ کا منبع ومرکز بن جائے گا۔ اسلام کے نظام ''معاشرت'' کو جاری وساری کر دیا جائے تو طبقاتی کشمکش اپنی موت آپ مر جائے گی۔ اسلام کی کتاب ہدایت ''قرآن'' کو تعلیم وتعلم اور تسخیر کائنات کا سرچشمہ بنا لیا جائے تو یورپ کی سائنسی ترقی روبہ زوال ہو کر قصہ ماضی کا ایک پارینہ جز بن جائے گی غرضیکہ اسلام کی تعلیمات میں ہی کسی ایک تعلیم کو بھی خلوص سے عملاً نافذ کر دیا جائے تو یورپ کے کلیساؤں کے راہب بخوبی جانتے ہیں کہ پھر وہ اسلام کے فروغ اور اس کی نشر واشاعت کا راستہ کسی بھی طرح نہیں روک سکیں گے۔ اس لیے ہر چھ ماہ کے بعد یورپ کے مذہبی، سیاسی

Marfat.com

اور عمرانی رہنماؤں کے پیٹ میں اسلام دشمنی کے پس منظر میں ''توہین رسالت'' کا مروڑ اٹھتا رہتا ہے۔

اہل حکمت جانتے ہیں کہ بعض اوقات مقاصد کو فوراً حاصل کرلیا جاتا ہے اور بعض اوقات سست روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وقفوں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اذہان وقلوب کو مقاصد کے حصول کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے گاہے گاہے کرنٹ کی خفیف شاٹس کی صورت میں ذہن کے گوشوں میں ناپسندیدبات ڈال کر ارتعاش پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ذہن اس ارتعاشی کیفیت کو برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ارتعاش کا زیروبم اور مدوجزر ذہن پر بارگراں ثابت نہ ہونے کی بناء پر ایک معمول کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد عامل جس طرح کے مقاصد اور مفادات حاصل کرنا چاہے بلاتردد حاصل کر لیتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال سے پاکستانی بھی دوچار ہیں۔ ''توہین رسالت'' کی دفعات پر انتہائی تعصب، عصبیت اور تنگ نظری کی ''خوردبین'' لگا کر اس کے منفی پہلو تلاش کیے جاتے ہیں اور اگر منفی پہلو تلاش کرنے میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے تو اپنی خفت مٹانے کے لیے لے دے کر یہ ''نعرہ'' لگایا جاتا ہے کہ یہ ''آزادی رائے'' کے خلاف ہے۔ ''آزادی رائے'' کی تعریف کیا ہے؟ اس کی حد بندیاں کیا کیا ہیں؟ آزادی رائے کا اطلاق کہاں کہاں ہوتا ہے؟ اس کی قیود کیا ہیں؟ ''آزادی رائے'' کا اونٹ بھی کیا شتر بے مہار کی مانند ہے؟ ''آزادی رائے'' کی لگامیں کسی ''فیل بان'' کے ہاتھ میں تھمائی جاسکتی ہیں تو اس کے حرکات وسکنات کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ''آزادی رائے'' بھی مغربی تہذیب وتمدن کی عریاں ''دوشیزہ'' کی مانند کسی ''قلوپطرہ'' کی تمثیلی آئینہ یک پرتو ہے جس پر ''آزادی رائے'' کے ''متوالے'' اور ''عشاق'' عالم وارفتگی اور بے خودی میں ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس آزادی کی ''دوشیزہ'' کے ''آئینہ'' کی کرچیوں سے اپنے آپ کو لہولہان کر کے شہیدوں میں نام لکھواتے جاتے ہیں۔ ''آزادی رائے'' بھی اخلاقی اور قانونی حد بندیوں کی محتاج ہے یا نہیں۔ خود مغرب والے کشمیر وفلسطین، عراق وایران کے ''آزادی رائے'' کے زخم خوردہ ''مجروحین'' سے سفاکانہ سلوک کا مظاہرہ کن اصولوں کے تحت کر رہے ہیں۔ شاید ان کے ہاں ''اپنے'' اور ''غیروں'' کے لیے آزادی کی رائے کے الگ الگ پیمانے ہیں۔

Marfat.com

ایک مسلمان تو اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ اس کے وہم و خیال میں یہ خیال آ سکتا ہے، نہ اس کے مذہب کی تعلیمات ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہیں اس لیے یہ سوال مسلمان سے متعلق نہیں بلکہ کوئی اور کافر شخص یا کسی اور دین باطلہ کا ماننے والا شخص ''آزادی رائے'' کے حوالے سے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں توہین کا ارتکاب کرتا ہے (نقل کفر کفر نباشد) تو برطانوی قانون ''آزادی رائے'' کے حق کو پامال کرتے ہوئے حرکت میں کیوں آتا ہے؟ کیا ''آزادی رائے'' کے ڈھنڈورچیوں اور نام نہاد متوالوں نے اپنی تنہائیوں میں اپنے جیتے جاگتے ضمیر سے پوچھا؟

''مغرب'' پروپیگنڈہ کے بل بوتے پر ''جھوٹ'' کو ''سچ'' اور ''سچ'' کو ''جھوٹ'' ثابت کرنے کا ''مشرق'' کی بہ نسبت زیادہ تجربہ رکھتا ہے۔ دوسرے معنی میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''کفر'' اس ''فن'' کی گہرائیوں سے زیادہ آشناء ہے جس کا مظاہرہ وہ اکثر اوقات کرتا رہتا ہے اور اسی پروپگنڈے کے ذریعے وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر جہاں کہیں اسلام کے فروغ کا معاملہ ہوتا ہے اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرنے کا مسئلہ ہو تو وہ اس پروپیگنڈے کے فن کے رموز کو جاننے کی بناء پر پورے ''لاؤ لشکر'' اور اپنے ''شیطانی اسباب و آلات'' کے ذریعے حملہ آور ہو جاتا ہے اور ظاہر بین افراد اس ''لشکر'' کی ظاہری شان و شوکت کے ساتھ جب لفظ ''مغرب'' کی پیوند کاری کو دیکھتے ہیں تو بلا چوں و چرا مرعوب ہوتے چلے جاتے ہیں، ان کے ذہنوں میں یہ بات بڑے دلنشیں انداز میں بٹھا دی گئی ہے کہ مغرب کی کوئی بات بھی ''غلط''، ''جھوٹ''، ''باطل'' اور حقیقت سے ماورٰی ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ان کا کوئی ''مذہبی راہب'' ہمارے کسی قانون کو ''غلط'' کہتا ہے تو وہ قانون یقیناً ''آزادی رائے'' اور ''حقوق انسانی'' کو پامال کر رہا ہوگا؟ وگرنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ''مغرب'' کا حقوق انسانی کا علمبردار ''دینی رہنماء'' اس کی مخالفت کرتا؟ اور جب ''مغربی کلیسا کا پادری'' اور ''سیکولر معاشرے'' کی ایک قابل احترام شخصیت ''آرچ بشپ'' ہمارے حکمرانوں کے سامنے بانگ دہل کسی قانون کی مخالفت کر رہی ہے تو بلا ریب اس سے ''آزادی رائے'' جیسی ''مقدس گائے'' کی توہین ہو رہی ہوگی؟ ورنہ یورپ جیسے ''سیکولر معاشرے'' کا مذہبی ''سیکولر'' رہنماء مخالفت میں ''آداب مہمانی'' کے خلاف مظاہرہ نہ کرتا تو کیا ''سیکولر معاشرے'' کے ''سیکولر'' رہنماء کے قول و فعل سے خود لفظ ''سیکولر'' کے معنی کی دھجیاں نہیں بکھر رہی ہیں؟ کیا اسی طرز عمل

Marfat.com

سے لفظ ''سیکولر'' کی لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے اب تک جو تعریفیں کی گئی ہیں وہ سب غلط قرار نہیں ہو جاتیں۔ اس لیے ''سیکولر'' کی نئی تعریف وجود میں لائی جا رہی ہے اور انگریزوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس لفظ کی تعریف اور معنی جب چاہیں بدل دیں کیونکہ وہ ''انگریزی'' کے ''مائی باپ'' جو ٹھہرے۔ ''بادشاہ'' کو حق حاصل ہے کہ وہ ''خنثیٰ'' کو مذکر کہے یا مونث، ہم ''محکوموں'' کو کیا حق حاصل ہے کہ ''سیکولر'' کی وہ تعریف کریں جو اب تک لغت کی کتابوں میں موجود ہے۔

''مغرب'' کا یہ نعرہ کہ وہ ایک ''سیکولر معاشرہ'' ہے اس کی حیثیت بعینہٖ وہی ہے جیسی ہندوؤں کے اس نعرے کی ہے کہ ''ہندوستانی معاشرہ'' ایک ''سیکولر معاشرہ'' ہے۔ ان نعروں کی حیثیت ''ڈھونگ'' اور ''دھوکہ'' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مغربی معاشرہ مکمل طور پر سیکولر معاشرہ نہیں ہے بلکہ وہ انتہائی ''متعصب معاشرہ'' ہے۔ یہ تعجب انگیز امر نہیں کہ جب بھی پاکستان یا کسی بھی اسلامی ملک میں کوئی قانون اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنتا ہے یا کوئی قدم اسلام کی تعلیمات کے مطابق اٹھایا جاتا ہے تو اس قانون کے خلاف پہلی آواز ''مغرب'' سے بلند ہوتی ہے اور اس کے بعد اپنے ملک میں موجود مغرب کے ''گماشتے'' بھی اپنی بے سری آوازوں کو ''کوے کی آواز'' میں شامل باجا بنا کر ''گانے'' لگتے ہیں؟

کیا وجہ ہے کہ ''امتناع قادیانیت کا قانون'' پاکستان کی مقننہ بناتی ہے اور اس کا ''مروڑ'' مغرب کے پیٹ میں اٹھتا ہے؟

''قوانین حدود'' کا اطلاق پاکستان میں ہوتا ہے اور اس کے خلاف ''صدائیں'' یورپ میں بلند ہوتی ہیں؟

''قانون شہادت'' کا اجراء پاکستان میں عمل میں آیا ہے اور اس کے خلاف ''نعرے'' یورپ میں لگائے جاتے ہیں؟

''عریانی اور فحاشی'' پر پابندیاں یہاں عائد ہوتی ہیں اور اس کے خلاف ''غم و غصہ'' کا اظہار یورپ میں ہوتا ہے؟

''توہین رسالت'' کا قانون پاکستان کی عدلیہ کی ہدایات کی روشنی میں بنایا جاتا ہے اور اس کے خلاف ''جلوس اور مظاہرے'' مغرب میں ہوتے ہیں؟

کیا یورپ اور مغرب کی یہ تمام کارروائیاں اس امر کی غمازی نہیں کر رہی ہیں کہ

Marfat.com

مذہبی اعتبار سے اصل ''متعصب معاشرہ''، ''مغرب اور یورپ'' ہی ہے کہ وہ اپنے مذہبی اعتقادات اور قوانین کو دوسرے ممالک میں نافذ کرانا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی قوانین میں سے کون سا قانون مغرب کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کے مذہبی اعتقادات اور قوانین میں دخل اندازی کریں؟

کیا ان ممالک میں بسنے والے افراد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کی آزادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی گزاریں؟ اور اپنے ملک میں اقلیتوں کو اپنے اعتقادات کے مطابق زندگی گزارنے نہ دیں؟

کیا کسی شخص کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ برطانیہ یا امریکہ جائے؟ یقیناً نہیں لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے یا کسی بھی طریقہ سے امریکہ یا برطانیہ پہنچ جاتا ہے یا پہنچا دیا جاتا ہے تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ اس ملک کی قوانین کی پابندی کرے جس مقام پر وہ موجود ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کہے کہ چونکہ میں پاکستانی ہوں اور میں پاکستان میں ''رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ'' کرتا رہا ہوں اس لیے میں امریکہ میں بھی ''رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ'' کروں گا، اگر وہ ایسا کرے گا تو قابل گرفت قرار پائے گا۔ اب اس پر لازم ہے کہ وہ وہاں کے قوانین کی پابندی کرے یا اس کے برعکس کوئی امریکی پاکستان میں ''ڈرائیونگ'' کرے تو اس پر لازم ہے کہ امریکی ہونے کے باوجود پاکستانی قوانین کی پابندی کرے۔

اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بنیادی حق ہے کہ میں اپنی مرضی سے چلوں، چاہے دائیں طرف چلوں یا بائیں طرف تم کون ہوتے ہو میرے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے؟ کوئی بھی ذی شعور شخص اس کے دعویٰ کی تائید نہیں کرے گا کیونکہ اس کا یہ دعویٰ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ بین الاقوامی قانون یہی کہتا ہے کہ جو شخص جس ملک میں ہو اس پر لازم ہے کہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین کے معاملات میں جبر نہیں۔ دین اسلام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی فرد کو زبردستی اور اس کی مرضی و منشاء کے خلاف اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور زبردستی اقرار رسالت کرایا جائے یہ ہر فرد کا حق ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ رسالت کا اقرار کرے یا نہ کرے لیکن دنیا کا کوئی قانون، کوئی آئین اور بنیادی حقوق کا کوئی چارٹر کسی شخص کو یہ حق بھی تو نہیں دیتا کہ وہ کسی بھی رسول کی توہین

Marfat.com

کرے اور مذہبی معاملات میں دوسروں کی دل آزادی کا سبب بنے۔ اگر وہ مسلمان ہو گیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، یہاں اب وہ اپنی آزادی اور حق انسانی کے اصول کا اطلاق نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اسلام میں داخل کر کے اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا پابند کر لیا ہے اور نہ ہی کسی شخص کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر "پاکستانی قوانین" کی خلاف ورزی کرے۔

قانون کی مخالفت کون کرتا ہے؟...... اور کیوں کرتا ہے؟ کیا قانون جرائم میں اضافہ کرنے کے لیے بنتے ہیں؟...... کیا قانون دوسرے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے؟...... اور کیا قانون مذہب کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے...... یقیناً تنازعات میں تصفیہ جوئی...... حق دار کو حق دلانے...... ظالموں اور جابروں سے نجات دلانے...... برائیوں کے انسداد...... اور جذبات کو مجروح کرنے سے روکنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔

قاتل کبھی نہیں چاہے گا کہ قاتل کے خلاف قانون بنے یا قتل کی مذمت کی جائے، چور کبھی نہیں چاہے گا کہ چوری کے خلاف قانون بنایا جائے یا چور کو سر عام رسوا کیا جائے۔ زانی اور شرابی کبھی نہیں چاہے گا کہ زنا اور شراب کے خلاف قانون بنایا جائے یا وہ شخص جس نے کسی بھی قسم کی برائی کا ارتکاب کرنا ہو اس کی اور کوشش ہوگی کہ اس کی خواہشوں کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہ بنے اور نہ کوئی آڑ بننے کی کوشش کرے۔ اس لیے وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے خلاف قانون نہ بننے میں ہزار جتن کرے گا کبھی اپنی عادات کا سہارا لے گا کبھی اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کا جواز گھڑے گا کبھی آزادروی کا بہانہ بنائے گا، کبھی اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے غیر مذاہب کی غیر مصدقہ روایات کا سہارا لے گا کبھی حقوق انسانی کے خلاف سازش قرار دے گا اور کبھی انسان کی آزادی کے خلاف جرم قرار دے گا۔

لیکن جس شخص نے قتل نہیں کرنا، چوری نہیں کرنی، زنا اور شراب کے قریب بھی نہیں جانا اور نہ کسی برائی کے ارتکاب کا خیال دل میں لانا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کتابوں کے اندر کوئی اس قسم کا قانون بھی موجود ہے یا نہیں جب اس نے ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا تو اسے کس بات کا ڈر یا خوف ہوگا۔ قانون کتابوں کے اندر ہوتا ہے تو ہوتا رہے اسے کیا فرق پڑے گا۔ ڈر اور خوف تو اس کو ہوتا ہے جو پہلے سے اپنے آپ کو ان گندے

Marfat.com

کاموں میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔

اسی طرح جب کسی شخص نے ''نعوذ باللہ'' کسی بھی ''نبی مکرم'' یا ''مقدس ہستی'' کے خلاف کچھ لکھنا یا کہنا ہی نہیں ہے تو اسے کیا فرق پڑتا ہے کہ ''توہین رسالت'' کے بارے میں دفعہ 295-C (مجموعہ تعزیرات پاکستان) ہے بھی یا نہیں قانون کی کتابوں میں دفعہ 302 آج سے نہیں بلکہ 1860ء سے موجود ہے کیا اس وقت سے تمام انسانوں کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جا چکا ہے؟ یا تمام انسانوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ خدشہ ہے کہ دفعہ 295-C کو غلط طریقوں سے استعمال کیا جائے گا اس دفعہ کی موجودگی میں جس پر جب چاہیں گے اطلاق کروا کر گرفتار کروا لیا جائے گا چونکہ مذہبی منافرت دن بدن پھیل رہی ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اس دفعہ 295-C ہی کو ختم کر دیا جائے تا کہ اس کا ناجائز اور غلط استعمال ہی نہ ہو پھر ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کوشش بھی کی جانی چاہیے کہ دفعہ 302 کو بھی ختم کرایا جائے کیونکہ دفعہ 302 کو ایک مرتبہ نہیں ہزاروں مرتبہ غلط استعمال کروا کر ہزاروں افراد کو پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا ہے اور ہر پھانسی پر لٹکنے والا تقریباً یہی کہتا رہا ہے کہ مجھے دفعہ 302 میں جان بوجھ کر ملوث کروا کر پھانسی دلائی جا رہی ہے جبکہ یہ قتل میں نے نہیں کیا البتہ دیگر گناہوں میں مبتلا رہا ہوں لیکن اس قتل کا ارتکاب میں نے نہیں کیا تو کیا عدالتوں نے اپنے فیصلے صادر کیے جانے کے بعد ایسے تمام قاتلوں کی سزا معاف کر دی؟ کیا عدالتوں نے بغیر ثبوت کے قاتل کے دعویٰ کو قبول کر لیا؟ کیا بھٹو کو عدالت کے ذریعے پھانسی کی سزا مل جانے کے بعد شدائیان بھٹو نے عدالت کے فیصلے کو دل سے قبول کیا ہوا ہے؟ وہاں تو بالفعل دفعہ 302 کا غلط استعمال ہوا لیکن یہاں تو بھی ایک شخص کو بھی 295-C کے تحت سزا نہیں دی گئی صرف مقدمات ہی درج ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس امر کی چغلی کھا رہا ہے کہ ان افراد کے مقاصد کچھ اور ہیں یا اور اس کے پیچھے کوئی سازش کارفرما ہے؟ اور کسی ذہن کے افراد ہیں جو دفعہ 295-C کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ اور غیر ملکی اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ اسے ختم کرانا کیوں چاہتے ہیں؟

اگرچہ قانون سے متعلق شخصیات کے لیے قانون کی دفعہ کا حوالہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن اہل نظر ذرا دفعات 295، 295-A، 295-B، 295-C کو نظر انداز کر کے مشاہدہ کریں کہ اس میں کونسی چیز اور الفاظ خلاف اسلام ہیں۔

Marfat.com

باب 15 ان جرموں کو بیان میں جو مذہب سے متعلق ہیں (Offeness Relating To-Religion)

عنوان: عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا یا نجس کرنا تا کہ کسی طبقہ کے مذہب کی توہین ہو،
دفعہ 295 جو شخص کسی عبادت گاہ یا کسی شے کو جو لوگوں کے کسی فرقہ کے نزدیک متبرک سمجھی جاتی ہو خراب کرے یا مضرت پہنچائے یا نجس کرے (Defile) لوگوں کے کسی فرقہ کے مذہب کی توہین کرنے کی نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ لوگوں کا کوئی فرقہ اسے خراب کرنے یا مضرت پہنچانے یا نجس کرنے کو اپنے مذہب کی ایک طرح توہین (Insult) سمجھے گا تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

ضابطہ قابل دست اندازی پولیس سمن، قابل ضمانت، نا قابل ضمانت راضی نامہ، مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم۔

گویا ''حقوق انسانیت'' اور ''آزادی رائے'' کے ''آقاؤں'' یعنی ''انگریزوں'' کے نزدیک یہ ''حقیر'' سے جرائم بھی ''نا قابل راضی نامہ'' ہیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 13 تا 15 دسمبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

مغرب کے پجاری اور آزادی رائے

"انسان" کی کسی شخصیت......فرد......قوم......ملک......ادارے......اور شعبے سے الفت اور وابستگی کے اطوار مختلف زمانوں اور حالات میں مختلف انداز سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔تغیرات زمانے کے ساتھ ساتھ ان کے انداز میں کمی بیشی اور افراط وتفریط کے مظاہرے بھی ہوئے۔کبھی کبھی ایسی وابستگیاں شکست وریخت کا شکار بھی ہوئیں اور تاریخ کی کہنگی کے ساتھ ساتھ ان میں کہنہ پن بھی پیدا ہوتا رہالیکن دین و مذہب سے باوجود تغیرات زمانہ کے وابستگی اور تعلق کا پہلو مکمل طور پر کبھی بھی ختم نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا۔معاشرہ اپنے آپ کو کتنا ہی جدت پسند قرار دینے کا دعوی ہی کیوں نہ کرے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی انداز میں اس سے وابستہ رہتا ہے۔یہ اسی رابطے ہی کا تو نتیجہ ہے کہ مغرب اپنے آپ کو کتنا ہی مذہب سے نفرت کرنے والا اور مذہب کو افیون کی گولی قرار دینے والا ہی کیوں نہ ہو جب بھی مواقع اور حالات میسر آئیں گے اپنے آپ میں مضمر اور پوشیدہ وابستگی کے پردے کو چاک کر کے عریاں ہونے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کرپاتا۔مذہب سے دوری کے دعویٰ کے باوجود جہاں کہیں اسلام اور مسلمانوں کے بطور مذہب اور قوم ترقی کا پہلو سامنے آتا ہے اسلام دشمنی کا آغاز بھی ساتھ ہی ہوجاتا ہے۔"توہین رسالت" کے قانون کی مخالفت بھی اسی پس منظر کی آئینہ دار ہے۔

قانون کی نگاہ میں بھی تمام وابستگیوں سے زیادہ مضبوط وابستگی "دین و مذہب" کی قرار پاتی ہے۔چنانچہ اس وابستگی کو حد اعتدال میں رکھنے کے لیے"انگریز" آقاؤں نے اپنے دور"بادشاہت"1927ء میں دفعہ295۔الف(ایکٹ ترمیمی فوجداری قانون1927) کا اضافہ اسی پس منظر میں کیا جس کی عبارت سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ"توہین مذہب" کی کتنی اہمیت ہے۔

295۔الف(مجموعہ تعزیرات پاکستان) کی مکمل عبارت یہ ہے عنوان:" بالارادہ اور عداوتی افعال کے ذریعے سے کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بذریعہ توہین مذہب

Marfat.com

یا مذہبی عقائد کے بھڑکانا"

دفعہ 295۔ الف ۔ جو کوئی شخص ارادتا اور عداوت کی نیت سے پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے (OUTRAGE) بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری یا نظر آنے والی علامات، اس جماعت کے اعتقادات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے، اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔"

ضابطہ۔ ناقابل دست اندازی، وارنٹ، ناقابل ضمانت، ناقابل راضی نامہ، مجسٹریٹ اول۔

یہ دفعہ 1927 میں زیادہ کی گئی تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والا سزا کا مستحق قرار پائے۔

"آزادی رائے" کے "متوالے" انگریزوں کے دور سے اس دفعہ کے اضافہ کرنے پر ابھی تک کیوں خاموش رہے؟ شاید اس لئے کہ چونکہ یہ "مغرب کے آقاؤں" نے بنایا تھا اور ان کا ہر بنایا ہوا قانون چاہے وہ آزادی رائے ہو پابندیاں ہی کیوں نہ عائد کرتا ہو قابل قبول ہے لیکن آزاد شدہ مملکت کے قانون ساز ادارے کا بنایا ہوا قانون "قابل مذمت قرار" پاتا ہے جس سے مغرب کی پجاریوں کی دورنگی اور منافقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور جب اس قانون کے باوجود "توہین رسالت" و "توہین قرآن" کی مسلسل توہین آمیز کارروائیوں پر قابو نہ پایا جاسکا تو اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسا قانون بنایا جائے جس کے ذریعے ایسی توہین آمیز کارروائیوں کا انسداد کیا جاسکے اور ایسا قانون قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق بھی ہو۔ مغرب کے پجاریوں کی اس سوچ پر تعجب ہے کہ وہ قانون سازی پر تو اعتراض کر رہے ہیں اور اسے آزادی رائے کے خلاف قرار دے رہے ہیں لیکن "کلام اللہ" کی توہین کرنے والوں کی مذمت کرنے کے لیے ان کی زبانوں پر تالے پڑ جاتے ہیں اور ان کی توہین آمیز کارروائیوں کے خلاف ایک جملہ بھی کہنا اپنی "توہین" تصور کرتے ہیں جبکہ وہ اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کہ جرائم کا تسلسل اور توہین آمیز کارروائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہی نئی قانون سازی کا ذریعہ بنا کرتا ہے اور نئے نئے قانونوں کو وجود میں لایا کرتا ہے۔ چنانچہ رہی پس منظر کے اندر 1982 میں دفعہ 295ب کا اضافہ مجموعہ تعزیرات

Marfat.com

پاکستان میں کرنا پڑا، جس کی عبارت سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے کلام کی بہ نسبت خالق کائنات کا کلام زیادہ قابل تعظیم و تکریم ہے۔

"مغرب کے پجاریوں" کی "آزادرائے" کے حوالے سے اس سوچ پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک انسان کے جملے اور الفاظ "خالق انسان" "اللہ تعالیٰ" کے کلمات سے زیادہ محترم قابل تکریم و تعظیم ہیں۔

نیز

دفعہ 295 ب کے الفاظ سے اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں مقصود صرف اور صرف قرآن پاک کی حفاظت ہے۔

عنوان۔قرآن پاک کے نسخے کی بے حرمتی وغیرہ کرنا۔

"جو کوئی قران پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے، اسے نقصان پہنچائے یا اس کی بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہوگا"

قانون کی عبارت میں کسی قسم کی مذہبی منافرت نہیں پائی جارہی ہے۔ کسی فرقہ، طبقہ اور مذہب کے خلاف نہیں بلکہ اس شخص کے خلاف ہے جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے حتیٰ کہ خدانخواستہ اگر ایک مسلمان ہونے کا دعویدار بھی کسی طرح کی ہتک آمیز حرکت کرے گا تو وہ بھی موجب سزا ہوگا۔ یہ قانون کسی بھی مذہب اور دین کے ماننے کے خلاف نہیں بلکہ صرف اور صرف "قرآن عظیم" کی عظمت کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اس قانون کو بھی غلط معنی پہنائیں جائیں تو "آزادی رائے" کے متوالوں کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

"مغربی افکار" پر آنکھیں بند کر کے "ایمان" لانے والوں نے "سیدھے سادھے" افراد اور عوام کے ذہنوں میں اس تصور کو پختہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ مغربی کے "مذہبی رہنماؤ" حقائق کے خلاف کبھی نہ کوئی بات کرتے ہیں اور نہ کہتے ہیں۔ ہمیشہ ان کے اقوال اور افعال "حقائق" کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اگر واقعات ایسا ہی ہوتا تو پھر ان کا دفعہ سی۔295 (ت پ) کی مخالفت کرنا حیران کن ہے کیونکہ اس دفعہ کی مخالفت کرنے میں وہ "حقائق" سے اعراض اور روگردانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔سی۔295 کا ایک ایک لفظ اور عبارت کا ایک ایک جملہ یہ واضح کر رہا ہے کہ اس کا استعمال کسی مذہبی فرقہ، گروہ، جماعت

Marfat.com

اور طبقہ کیخلاف اس لئے نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق عیسائی، یہودی اور غیر مسلم فرقہ سے ہے اور اس لئے اس دفعہ کے مطابق کارروائی کا عمل میں لائی جائے بلکہ اس کے برعکس ہر اس شخص کیخلاف کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو" توہین رسالت" کا ارتکاب کر رہا ہے چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلواتا ہو۔ "توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والے میں یہ تفریق نہیں کی جاسکتی ہے کہ چونکہ وہ غیر مسلم ہے اس لئے قانون عمل میں لایا جائے بلکہ اگر "توہین رسالت" کا ارتکاب کرنیوالا خدانخواستہ مسلمان بھی ہوگا تو اس کیخلاف یہ قانون اسی طرح حرکت کریگا جس طرح غیر مسلم کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قانون کا اطلاق جتنی قوت سے کافر پر ہوتا ہے اتنی ہی قوت سے "توہین" کرنیوالے" نام نہاد مسلمان" کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یہ قانون تو اندھا ہے جو صرف قانون کی خلاف ورزی کرنیوالے کو دیکھتا ہے اس کے مذہب، گروہ، جماعت کو نہیں دیکھتا۔

دوسری طرف حکومت کے وزراء اسلام کی تعلیمات کے بارے میں احساس کمتری کا اس حد تک شکار نظر آتے ہیں کہ اس پر کی جانیوالی نکتہ چینی اور دریدہ دہنی کا جواب دینے کی بجائے وہ اسلام دشمن افراد کی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں ان سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے ہیں چنانچہ گزشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ایک توجہ دلاؤ نوٹس کے جواب میں وفاقی وزیر مذہبی امور نے جواب دیتے ہوئے کہا" آرچ بشپ آف کنٹربری" کے حالیہ ریمارکس اسلام یا مسلمانوں کیخلاف نہیں تھے۔ اگر واقعی" آرچ بشپ" کے ریمارکس اسلام یا مسلمانوں کیخلاف نہیں تھے تو چند دن پہلے وزیر موصوف نے کس پس منظر میں موصوف پادری سے اپنی ملاقات میں سی۔295 کیخلاف ان کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی تھی؟ اگر وہ اسلام یا مسلمانوں کے حق میں تھے تو" خدشات" دور کرنے کا مقصد کیا تھا؟ یہ دو متضاد دعوے کس امر کی غمازی کر رہے ہیں؟

دفعہ سی-295 کیا ہے، غالباً اس کو مکمل طور پر پڑھنے کی نہ تو مغرب کے پجاریوں نے اور نہ ہی آزادی رائے کے متوالوں نے اور نہ ہی غیر ملکی مشنری اداروں کے کارپردازوں نے شعوری طور پر کوشش کی ہے۔ اس قانون کی پوری عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس میں" عیسائی" یا" یہودی" یا" غیر مسلم" یا" مسلم" کے لفظ سے توہین کرنے والے کی تعین کی گئی۔ دفعہ سی 295 (ت پ) کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

عنوان:......پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا۔

"جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہو یا تحریری، یا موٹی نقوش کے ذریعے، یا کسی تہمت، کنایہ یا در پردہ تعریض کے ذریعے، بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام کی توہین کریگا تو اسے موت، یا عمر قید کی سزا دی جائیگی اور وہ جرمانہ کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا"

آپ نے قانون کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمالی ہوگی کہ اس میں کسی لفظ میں بھی کسی مذہب یا فرقہ کی تعین نہیں کی گئی تو پھر قانون کے "پجاریوں اور پجارنیوں" "قانون دانوں" اور "قانون دانیوں" کا اس قدر واضح قانون کیخلاف آہ و بکا اور آہ وزاری کرنا، شور مچانا ہنگام آرائی کرنا کس امر کی چغلی کھا رہا ہے؟

افسوس صد افسوس ایسے مسلمانوں کا جن کے نزدیک ایک "گناہ گار" انسان کی عظمت ایک "معصوم عن انحطاء نبی مکرم سے کہیں زیادہ اور" فائق تر" ہے۔ جب ان دنوں میں وہ تقابل کرنے بیٹھتے ہیں تو انہیں ایک "انسان" اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرستادہ "نبی مکرم" سے زیادہ باعث عزت نظر آتا ہے۔" انسان" کی توہین تو ان کے "مزاج شاہانہ پر" بارگراں" قرار پاتی ہے اس لئے" ہتک عزت" کا دعویٰ کرنا قانونی تقاضا ٹھہرا لیکن خالق کائنات کے آخری فرستادہ "نبی مکرم" کی توہین کرنا نہ تو "قابل نفرت" نہ" باعث ننگ و عار" نہ "خلاف انسانیت" نہ" اخلاقی تعلیمات" کیخلاف،" عیسائیت اور یہودیت کی مذہبی تعلیمات" کیخلاف بلکہ مغربی تہذیب وتمدن کے" اخلاق عالیہ" کا" شاہکار" نمونہ قرار پاتا ہے۔

مغرب کے پجاریوں اور آزادی رائے کے علمبرداروں کی نگاہ میں" موت کی سزا" توہین انسانیت کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔ اس لئے صبح و شام" موت کی سزا" کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے رہتے ہیں اور اسے وحشیانہ، جابرانہ اور ظالمانہ سزا قرار دیتے ہیں۔" مغربی افکار" کے بوجھ تلے" مغربی فلسفہ تعزیر" کو" حقوق انسانی" کی قدروں کے حوالے سے دیکھنے میں اس قدر مستغرق رہتے ہیں کہ" حقوق اللہ" اور" حقوق العباد" میں امتیاز بھی نہیں کر پاتے اسی کش مکش میں نگاہوں سے یہ بات بھی اوجھل ہو جاتی ہے کہ خود یورپ اور مغرب

Marfat.com

میں (توہین انسانیت) تو بہت دور کی ہے ''توہین شہنشاہیت'' بھی ''قابل تعزیر'' جرم قرار پاتی ہے چنانچہ......

برطانوی رعایا میں سے جو شخص برطانوی حدود کے اندر یا باہر رہتے ہیں بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے یا بادشاہ ملکہ یا ولی عہد کے موت کے درپے ہو یا اس کا تصور کرے یا بادشاہ کی رفیقہ حیات یا اس کی بڑی بیٹی یا ولی عہد کی بیوی کی بے حرمتی کرے، بادشاہ کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے یا نشانہ تانے یا ہتھیار اس کے سامنے لائے جس سے مقصود اس کو نقصان پہنچانا، خوف زدہ کرنا ہو، اسٹیٹ کے مذہب کو تبدیل کرے۔ یا اسٹیٹ کے قوانین کو منسوخ کرنے کے لیے قوت استعمال کرے یہ سب افعال برطانوی قانون کی رو سے عذر کبیر (High Treason) ہے جس کی سزا ''موت'' ہے۔ خود جمہوریت کے دوسرے بڑے علم بردار امریکہ میں بادشاہت کے نہ ہونے کی بنا پر برطانیہ میں جو مقام بادشاہ کو دیا گیا ہے وہی مقام متحدہ امریکہ کی قومی حاکیت اور وفاقی دستور کو دے کر اسٹیٹ سے غداری کی سزا ''سزائے موت'' کی شکل میں روا رکھی گئی ہے۔

چونکہ یہ سب کچھ مغرب میں ہو رہا ہے اس لئے اس کے جرم کی ہر سزا کا حکم ''سر آنکھوں'' پر اب یہ سزائیں بھی ''قابل احترام'' شکل اختیار کر جائیں گی اور اسی پس منظر میں ''توہین انسانیت'' کا فلسفہ بھی بدل جائے گا اور ان سزاؤں کے دلائے جانے کی جواز کی ترجیحات میں مغربی اقدار کے پجاری ''اپنی مزعومہ'' حقوق انسانی'' کی قدروں کو یک لخت پس پشت ڈالتے نظر آئیں گے۔

اسی طرح کے مغربی افکار کی رنگینیوں کو ایک مشہور و معروف قانون دان نے اپنی تالیف لطیف '' ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالتؐ میں خوب خوب روشنی ڈالی ہے جس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ ''توہین رسالت'' کی سزا صرف مسلمانوں کے نزدیک قابل مستوجب نہیں ہے بلکہ خود عیسائیوں کے ہاں بھی قابل مستوجب ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

موسوی قانون کے تحت قبل مسیح کے انبیاء کی اہانت اور توراۃ کی بے حرمتی کی سزا ''سنگسار'' مقرر تھی۔ رومن ایمپائر کے شہنشاہ جس ٹینین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل 265 تا 525 صدی عیسوی پر محیط ہے رومن لاء کی تدوین کا سہرا بھی اسی

Marfat.com

سر ہے اوراس کو عدل و انصاف (Justand Justice) کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔اس نے جب دین مسیحی قبول کر کرلیا تو قانون موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کی بجائے صرف یسوع مسیح کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کو سزا "سزائے موت" مقرر کی۔ اس کے دوران قانون" توہین مسیح" سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اوراسکاٹ لینڈ میں اٹھارویں صدی تک اس جرم کی سزا "سزائے موت" ہی دی جاتی رہی ہے۔

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کیمونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتًا خارج کیا اس کے بعد یہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن "اہانت مسیح" کے جرم کی پاداش بھی نہیں بلکہ مسیح علیہ السلام کی جگہ اشتراکی امپریلزم کے سربراہ نے لے لی۔اسٹالن جو رشین ایمپائر کا سربراہ بیٹھا تھا اس کی اہانت تو بڑی بات تھی اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی ممالک عروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ایسے سر پھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیئے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھ ٹرانسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے۔ جو اپنی جاں بچانے کے لیے روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں ہوگیا تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کردیا جاتا تھا۔

برطانیہ میں "توہین مسیح" (Blasphamy) کامن لا کے تحت قابل تعزیر جرم ہے جبکہ بلاس فیمی ایکٹ Blasphamy Act میں مجرم کے لیے جسمانی موت کی بجائے شہری موت (Civil Death) کی سزا مقرر ہے۔

انگریزی زبان کی مستند قانون لغت بلیک لاء ڈکشنری (Black's Law Dictonary) کی رو سے بلاس فیمی ایسی تحریر یا تقریر ہے جو خدا، یسوع مسیح علیہ السلام یا انجیل یا دعائے عام کے خلاف ہو اور جس سے انسانی جذبات مجروح ہوں یا اس کے ذریعے قانون کے تحت قانون شدہ چرچ کے خلاف جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس سے بدکردار کو فروغ ملے۔"

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں بلاس فیمی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"مسیحی مذہب کی رو سے بلاس فیمی گناہ ہے اور علماء اخلاقیات بھی اس کی تاکید کرتے ہیں جبکہ اسلام میں نہ صرف خدا کی شان میں بلکہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی بھی بلاس فیمی کی تعریف میں آتی ہے۔(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا۔ج ۲۔ص ۴۷)

Marfat.com

اہل مغرب اوران کے حواری اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہے وہ عمل کے اعتبار سے کتنے کورے ہی کیوں نہ ہوں انہیں اپنے مذہب حقہ اور آقائے ختم الرسل، باعث کون و مکان فخر کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت اور عقیدت ہے کہ وہ ان کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اپنی حقیر سی جان نچھاور کرنا اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ خود خالق کائنات ارشاد فرما رہا ہے۔

''نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی جان سے بھی زیادہ مالک (اور مقدم) ہیں

اور سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء نے اس آیت مبارکہ کی توضیح وتشریح حدیث مبارکہ میں اس طرح فرمائی۔

''تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

یہ عقیدہ محبت و الفت ہر زمانہ میں ایک زندہ و جاوید حقیقت بن کر مسلمانوں کے اذہان وقلوب میں موجزن رہا ہے اور تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ عاشقان پاک طینت راہیں زخم ہائے خونچکاں سے معمور پیکر صدق و وفا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خیبر شکن قوت کے سر چشمہ کے منبع اور ابن ملجم کو واصل جہنم کرنے والے حیدر کرار اور حارث بن ابی ہالہ، حضرت خبیب، حضرت زید، حضرت سعد بن ربیع، معاذ اور معوذ، حضرت سمیہ، حضرت خنساء، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین اور برصغیر پاک و ہند میں غازی عبدالرشید شہید، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی معراج دین شہید، غازی امیر احمد شہید، غازی عبداللہ پشاوری شہید، غازی محمد صدیق شہید اور نامعلوم مجاہدین اور غازین کی ایک طویل فہرست ہے جو ان اشعار کی عملی صورت کے پیکر تھے اور جنہوں نے اپنی حقیر سی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ابدی زندگی حاصل کی۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

اور حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ پر ایمان تو نام ہی اس چیز کا ہے بقول شاعر

Marfat.com

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس خطہ ارضی کے اوپر جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت رہی وہاں وہاں گستاخان رسول کو سزائے موت بطور حد دینے کا قانون عام(Common Law) کے طور پر نافذ رہا۔ چنانچہ عراق، ایران، ترکی، شام، حجاز، سوڈان، مراکش، سپین، ایران، بخارا، سمرقند، افغانستان اور انگریزوں کی آمد سے قبل جب تک ہندوستان میں فقہ اسلامی نافذ العمل رہا گستاخان رسول کی موت کی سزا جاری کرنے کے قوانین .... شانِ مبارک میں گستاخی کرنے کی سزا ''سزائے موت'' ہے بلکہ انبیا کرام اور رسولوں کے نائبین کی گستاخی کرنے کی سزا بھی واجب القتل قرار پاتی ہے۔ چنانچہ بائبل مقدس کی کتاب استثناء کے باب 17 آیت نمبر 12 میں ترجموں کے بار بار بدلے جانے اور آیات کے کم وبیش کیے جانے کے باوجود آج بھی یہ واضح حکم موجود ہے۔ اب یہ اہل بصیرت پر موقوف ہے اور خاص طور پر اہل کتاب پر کہ اگر وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کہ کتاب مقدس انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہی ہے تو اس میں ذکر کردہ ''موت کی سزا'' کی حقانیت کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟ اور کیا اس آیت کا حکم ان کے آج کل کے طرز عمل کے اعلان پر نا قابل تردید ثبوت نہیں ہے؟ کیا چند دنوں کے بعد وہ نئے شائع ہونے والے اردو ایڈیشن میں اس آیت کے حکم کو حسب سابق پھر بدل تو نہیں دیں گے؟

ایک بات اور باعث تعجب ہے کہ ہر مرتبہ شائع ہونے والی کتاب مقدس ''انجیل'' میں یہ عبارت لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ The Holy BibleUrde Revised Version کیا نئے ایڈیشن میں اردو یا دیگر زبانیں اپنا اسلوب بدل لیتی ہیں کہ دوبارہ ترجمہ کو زبان کے جدید اسلوب میں ڈھالنا ضروری ہو جاتا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بائبل کا مستند ترجمہ 1611ء میں کیا جا چکا ہے۔

The English Translation of "The Bible Completed in 1611" پھر بار بار نظر ثانی کرنا، کرنا، دوبار غور کرنا اور ترمیم کرنے کا اختیار ''کتاب اللہ'' میں کس قانون کی حیثیت سے ''انسان'' کو حاصل ہو گیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واضح حکم

Marfat.com

کا انکار کیونکر کر سکتے ہیں؟ اگر انہیں اس کتاب مقدس کی حقانیت پر اعتقاد کامل ہے؟

"تو اس مرد یا اس عورت کو جس نے یہ برا کام کیا ہو باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال کر لے جانا اور ان کو ایسے سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں" کتاب استثناء باب ۱۷ آیت ۵

۔"شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اس کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں اس سے دہنے یا بائیں نہ مڑنا اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہنا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے" باب ۱۷ آیت ۱۱۔۱۲

(یہ ترجمہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور کے شائع کردہ کتاب مقدس کی .... کے مطابق ہے)

محترم جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب اپنی کتاب "ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت لکھتے ہیں۔

مسیحی برادری کو تو قانون توہین رسالت کا خوش دلی سے خیر مقدم کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس قانون کی رو سے جناب مسیح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام، جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر حق مانتے ہیں کی شان میں گستاخی اور امانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتمہ الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان ان تمام پیغمبران کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں اس لئے وہ اس کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے؟ کیا قانون بلا وجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو جو توہین رسالت کے مجرم نہیں، پھانسی کی سزا سنائے گی، یا کیا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے خلاف گستاخی اور توہین کرنے کا کھلا لائسنس طلب کر رہے ہیں؟ ان میں جب کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس منسوخی کے مطالبہ کا آخر ....؟

(روزنامہ جنگ لاہور 29 دسمبر 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت

یہ بدیہی اور واضح امر ہے کہ مسلمان جس نقطہ نظر وفکر سے روزے کی افادیت، اہمیت اور عظمت کو تسلیم اور محسوس کرتے ہیں غیر مسلم اس نقطہ نگاہ سے اس کو نہیں دیکھتے۔ مسلمانوں کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کرنے کے لیے صرف یہ امر ہی کافی ہے کہ اس کے مالک اور خالق کا حکم ہے اور اس نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ اور سنت کی پیروی کرنی ہے۔ اس میں کیا کیا فوائد اور نقصانات ہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور نقصانات ہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرستادہ رسول کریم کے احکامات کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس میں فوائد ونقصانات کو نہیں دیکھا جاتا اور اگر فوائد ونقصانات پیش نظر ہونے لگ جائیں تو یہ عمل پیرائی ''اتباع اور اطاعت'' نہیں کہلاتی بلکہ ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ قرار پاتی ہے۔ البتہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان مزید ہے کہ اس کا کوئی حکم بھی حکمت اور افادیت سے خالی نہیں ہے لیکن ان تمام دلائل کے باوجود انسان میں تجسس اور تلاش کا مادہ بھی ودیعت ہوا ہے جس کی بنا پر وہ ''اس کے'' کے احکامات اور اوامر میں حکمتوں، علتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا متلاشی رہتا ہے چنانچہ ایک غیر مسلم جب روزے کی افادیت کو پرکھتا ہے تو اس میں تسلیم سے زیادہ تنقید وتنقیص کا عنصر موجود ہوتا ہے نقد وجرح کے بعد بھی اگر غیر مسلم اس حکم کی افادیت کا اظہار کرنے لگے تو اس کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ یہ حکم دینی ودنیاوی اور جسمانی وروحانی اعتبار سے مکمل طور پر انسان کیلئے فوائد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

غیر مسلم روزے کی افادیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

پروفیسر مور پالڈ جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے عظیم فلاسفروں میں سے ایک ہیں، لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

''میں نے علوم اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور جب روزے کی باب پر پہنچا تو میں چونک پڑا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اتنا عظیم فارمولا دیا ہے اگر اسلام اپنے ماننے والوں کو اور کچھ نہ بھی دیتا صرف یہی روزے کا فارمولا ہی دیتا تو پھر بھی اس سے بڑھ کر ان کے پاس اور کوئی نعمت نہ ہوتی''

میں نے سوچا کہ اس کو آزمانا چاہئے پھر میں نے مسلمانوں کو طرز پر روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ میں عرصہ دراز سے معدے کے ورم کی بیماری میں مبتلا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ اس بیماری میں کمی واقع ہونی شروع ہو گئی ہے چنانچہ میں نے روزے کی مشق جاری رکھی پھر میں نے جسم میں کچھ اور تبدیلی بھی محسوس کی اور کچھ ہی عرصہ کے بعد میں نے اپنے جسم کو نارمل پایا۔

حتیٰ کہ میں نے ایک ماہ کے بعد اپنے اندر انقلابی تبدیلی محسوس کی آپ نے غور کیا ہوگا کہ اس تجزیہ میں جہاں ایک بیماری سے نجات پانے کے بارے میں وہ اپنا عمل تجربہ بیان کر رہے ہیں اس کیساتھ ساتھ وہ غیر شعوری طور پر موت اور بیماری سے نجات پانے کا وقت بھی بیان کر رہے ہیں۔

جب ہم کسی ماہر معالج کے پاس اپنی بیماری کے علاج کے سلسلے میں جاتے ہیں تو دوائی کے طلب کے ساتھ ساتھ غیر ارادی طور پر منہ سے یہ الفاظ بھی ادا کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ محترم ڈاکٹر صاحب

اس بیماری سے نجات پانے میں کتنا عرصہ لگے گا؟

تو پھر وہ اپنے تجربے اور علم کو بروئے کار لاتے ہوئے بیماری سے شفایابی کی مدت بھی بتا دیتے ہیں۔

تعجب ہے کہ ایک صاحب علم کو تو طریق علاج اور مدت کے بارے میں علم ہے لیکن ''خالق'' کو اپنی مخلوق کی بیماریوں کی شفایابی کے طریق شفا اور مدت شفا کے بارے میں علم نہ ہو؟

فرائیڈ کا دنیائے علم کے مشہور و معروف ماہرین نفسیات میں ان کا شمار ہوتا ہے اور ان کی قائم کردہ تھیوری ماہرین نفسیات کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے کہ روزے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

روزے سے دماغی اورنفسیاتی مرضوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسانی جسم میں مختلف ادوار آتے ہیں لیکن روزہ دار آدمی کا جسم مسلسل بیرونی دباؤ کو قبول کرنے کی صلاحیت کو حاصل کر لیتا ہے اوراس کے ساتھ ساتھ روزہ دار کو جسمانی کھچاؤ اور ذہنی دباؤ کا پھر سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ گویا روزہ نفسیاتی اعتبار سے بھی انسان کے ذہن وجسم پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔

ڈاکٹر لوتھر جیم کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور علم ادویہ کے ماہرین میں سے ہیں۔

''چنانچہ انہوں نے ایک فاقہ کش جو تمام دن بھوکا پیاسا رہا (دوسرے معنوں میں روزہ دار) کے معدے کی رطوبت کو حاصل کیا اور لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ اس کا تجربہ کیا انہوں نے اپنے تجزیہ میں محسوس کیا کہ وہ متعفن غذائی اجزاء جن سے معدہ امراض کو قبول کرتا ہے وہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں چنانچہ لوتھر اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

روزہ جسم اور خاص طور پر معدے کے امراض میں صحت کی ضمانت ہے۔ پوپ ایلف گال ہالینڈ کے مقتدر پادریوں میں گنے جاتے ہیں وہ اپنے روحانی پیروکاروں کو تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میں اپنے روحانی پیروکاروں کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں لیکن ان میں وہ مریض جو لا علاج ہیں ان کو تین یوم نہیں بلکہ ایک ماہ تک روزے رکھوائے جائیں۔

میں نے شوگر، دل کے امراض اور معدے کے امراض میں مبتلا مریضوں کو مستقل ایک ماہ تک روزے رکھوائے جس کے نتیجے میں شوگر کے مریضوں کی حالت بہتر ہوئی انکو شوگر کنٹرول ہوگئی۔ دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوا۔ معدے کے مریضوں کو سب سے زیادہ افاقہ ہوا۔

(روزنامہ جنگ لاہور 9 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

وزیر اعظم کا آبائی قبرستان

قبرستان میں جنازہ کو لے جانے کے لیے کتنا کھلا راستہ ہونا چاہیے؟ یہی کوئی چھ ساٹ فٹ کیونکہ جنازہ کی چارپائی جس پر مردہ کو رکھ کر قبرستان میں لے جایا جاتا ہے وہ عام طور پر 4 چوڑی ہوتی ہے۔ کیا جنازہ کی چارپائی میں گول گول پہیئے لگے ہوتے یں جن کو دھکیل کر جنازہ کو قبرستان میں لے جایا جاتا ہے؟ ایسا بھی نہیں ہے! تو پھر کیا چارپائی کے نیچے اندر کی جانب کھڑے ہو کر 4 افراد چاروں پایوں کو پکڑ کر جناڑے کو قبرستان میں لے جاتے ہیں؟ ایسا بھی نہیں ہے!

تو پھر کس طرح جنازہ کی چارپائی کو قبرستان میں لے جاتے ہیں؟

سنت طریقہ تو یہی ہے کہ کم از کم 4 افراد جنازے کے چارپائی کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہوئے قبرستان میں لے جاتے ہیں اور یہ افراد خود چارپائی کے باہر کی جانب کھڑے ہو کر اپنے ایک کندھے پر یا دونوں ہاتھوں سے چارپائی کے پایوں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا چارپائی کے اٹھانے والوں کا اپنا بھی کوئی جسم ہوتا ہے یا یہ "بانس" کی مانند سیدھے اور کمزور ہوتے ہیں؟ نہیں! نہیں! ان کا اپنا بھی دو یا تین فٹ کا شانہ اور چھاتی ہوتی ہے اور جب چارپائی اٹھاتے ہیں تو ایک کندھے اور بازو کے علاوہ باقی جسم کا حصہ چارپائی سے باہر ہی ہوتا ہے۔ فرض کرتے ہیں کہ چارپائی اٹھانے والے شخص کے جسم کی چھاتی وغیرہ تین فٹ کی ہے تو پھر دو فٹ کا حصہ چارپائی سے باہر رہے گا اگر ایک طرف دو فٹ جسم کا باہر ہوگا تو دوسری طرف بھی چارپائی اٹھانے والے شخص کے جسم کا حصہ بھی باہر ہوگا تو گویا اس طرح چارپائی کو قبرستان میں لے جانے کے لیے 7 یا 8 فٹ جگہ چاہیے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جس وقت قبرستان کے دروازے میں جنازے کو لے جایا جائے تو تمام افراد قطار میں لگ کر قبرستان میں داخل ہوں؟ چارپائی کے ارد گرد بھی افراد قبرستان میں جنازے کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں؟ اور اگر دیگر افراد بھی جنازے کے ارد گرد ہوں تو پھر تو قبرستان میں جنازے کو لے جانے کے لیے 8 فٹ کا راستہ بھی کم ہے

Marfat.com

اور اگر جنازہ کسی بڑی عظیم شخصیت کا ہو تو 20 فٹ کا راستہ بھی کم ہے۔

یہ آپ ''جاہلوں'' اور ''بیوقوفوں'' والی گفتگو کیوں کر رہے ہیں؟ اصل میں بات یہ ہے کہ پاکستان کی عظیم یونیورسٹی یعنی انجینئرنگ یونیورسٹی کے انتہائی تعلیم یافتہ وائس چانسلر (ر) میجر جنرل محمد اکرم صاحب نے وزیراعظم پاکستان کے آبائی قبرستان میں داخل ہونے کے لیے نہایت ''فراخدلی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکماً نہیں بلکہ عملاً دو فٹ اور تین انچ کا راستہ ''عطا'' فرمایا ہے اور 44 فٹ کے پہلے والے راستے کو بند کر کے اس کی جگہ نئی دیوار قائم فرماتے ہوئے قبرستان میں داخل ہونے کے لیے اب صرف 2 فٹ اور 3 انچ جگہ باقی رہنے دی ہے اگر اس ''عطا جوئی'' پر کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے جب کہ خود وائس چانسلر کے ''آقاؤں'' کے گورے قبرستانوں میں اتنی چوڑی سڑکیں بنی ہوتی ہیں کہ دفن کرنے والے افراد لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھ کر اور اپنے مردوں کو بھی ایمبولینس گاڑیوں میں ڈال کر ''قبر'' تک پہنچاتے ہیں اور پہنچتے ہیں۔

وزیراعظم پاکستان کے عظیم خاندان میں سے خدا نہ کرے بحکم ربی کسی کا انتقال ہو جائے (یہ دعا یا خواہش یا آرزو نہیں بلکہ درپیش مسئلہ کی تفہیم کے لیے ایک ممکنہ متصورہ صورت ہے) تو کیا جنازے میں شریک ہزاروں افراد کے لیے قبرستان میں داخلہ کے لیے یہ راستہ کافی ہوگا؟ اور قطاروں میں کھڑے ہو کر قبرستان میں داخل ہونے کے لیے ان ہزاروں افراد کو کتنے گھنٹے درکار ہوں گے؟ کیا وہ یونیورسٹی اور قبرستان کی دیواروں کو پھلانگ کر یا تو کر قبرستان میں داخل ہوں گے؟ آخر ہزاروں کا یہ اجتماع کس طرح جلد از جلد قبرستان میں داخل ہونے کا میاب ہوگا؟ کیونکہ راستہ صرف سوا دو فٹ کا ہے۔

انگریزوں نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اس طور پر برصغیر پاک و ہند میں ایسے مقامات پر جہاں بزرگانِ دین کے مزارات یا قبرستان تھے تو ان سے ملحقہ اور وابستہ وسیع و عریض قطعات اور مقامات پر بزور طاقت قبضہ کر کے اپنے لئے سکول کالج ادارے یا گرجے قائم کیے لاہو شہر میں اس کی واضح مثالیں ایمپریس روڈ، لارنس روڈ، میکلوڈ روڈ، ہال روڈ لاہور چھاؤنی اور جی ٹی روڈ پر آج بھی موجود ہیں مزارات اندر موجود ہیں اور ارد گرد سکولوں وغیرہ کی عمارات ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ انگریزوں نے یہ ادارے پہلے قائم کیے ہوں اور بعد میں ان میں کسی نے زبردستی اولیاء کرام کے مزارات اور ان کے عظیم عظیم عمارات راتوں

Marfat.com

رات بنا ڈالی ہوں؟ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور تاریخی حقیقت یہی ہے کہ انگریزوں نے ان مقدس جگہوں پر ناجائز قبضہ کیا اور بعد میں ان کی اردگرد کی زمینوں کو اپنے دنیاوی اور مشنری مقاصد میں استعمال کرنا شروع کر دیا کچھ اس قسم کی صورت انجینئرنگ یونیورسٹی کے اندر موجود ''قبرستان'' کی ہے اس قبرستان کے اندر آج بھی ''بدھو'' جس کا انتقال 1910 اور اس کے پاس ہی اس کی بیوی ''سلطانہ'' زوجہ بدھو جس کا انتقال 1915ء میں ہوا کی قبریں موجود ہیں ان کے علاوہ اس قبرستان میں دو ہزار سے زائد پختہ اور نیم پختہ قبریں موجود ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ قبرستان کا وجود یونیورسٹی کے وجود سے بہت پہلے کا ہے۔

اس قبرستان میں دیگر خاندانی احاطوں کے طرح ایک احاطہ وزیر اعظم محمد نواز شریف کی ''میاں فیملی'' کا بھی ہے ''میاں خاندان'' کے اس احاطہ میں اس وقت 22 قبریں موجود ہیں جن میں سے سب سے پہلی قبر وزیراعظم کے دادا ''میاں محمد رمضان ولد میاں بخش'' کی ہے ان کے علاوہ وزیر اعظم کے تایاؤں اور چاچاؤں کی بھی ہیں۔ جن میں چودھری سراج دین (1966ء) میاں محمد شفیع (1970ء) میاں عبد العزیز (1981ء) میاں برکت علی (1983ء) اور میاں محمد بشیر (1993) کی قبروں کے ساتھ ساتھ خاندان کے دیگر افراد کی بھی ہیں اور احاطہ کی چار دیواری کے اندر دیگر قبروں کی جگہ بھی موجود ہے۔

قبرستان میں جانے کے لیے یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے ''سوا دو فٹ'' کا جو نیا راستہ ''عطا'' کیا ہے وہ دربار مجددی کی سیڑھیوں کے ساتھ گزرتا ہے اور تین سیڑھیوں کے چڑھنے کے بعد دربار کی فرنٹ سائڈ کی اٹھارہ انچ کی دیوار ہے اور اس کے بعد دربار شروع ہو جاتا ہے۔ اس دربار کی تعمیر ثانی 1963ء میں مکمل ہوئی دربار کے اندر جو قبریں ہیں ان میں سے ایک محبوب الٰہی سید علی حسینی متوفی 1903ء، 1231ھ دوسری سید حاکم علی متوفی 1936 اور تیسری سید محمد شاہ ظہیر الدین متوفی 1941ء کی ہیں اور اس طرح تینوں قبریں بھی پاکستان سے بہت پہلے کی ہیں۔

جب قبرستان میں دفن شدہ افراد کے بعض اعزہ و اقربا نے میجر جنرل محمد اکرم سے راستہ نہ دیئے جانے پر احتجاج کیا تو ''آپ'' فرماتے ہیں کہ دربار کی سیڑھیوں اور دربار کی دیواروں کو توڑ کر اپنا راستہ کھلا کر لو ہم جتنا راستہ دے سکتے تھے وہ دے دیا ہے یہ ''مارشل لائی'' حکم سن کر سب کو یقین ہو گیا کہ قبرستان کے بند کرنے کا جواز مہیا کرنا مقصود ہے۔

Marfat.com

یاد رہے کہ اس سے قبل بھی موجودہ وائس چانسلر کی طرح ایک اور چانسلر نے قبرستان کا راستہ بند کرنے کی کوشش کی تھی جس پر دربار اور قبرستان کی متعلقین نے لاہور ہائیکورٹ کے ذریعے اپنے لئے راستہ کا حق حاصل کیا تھا اور پاکستان کے مایہ ناز چیف جسٹس جناب جسٹس ڈاکٹر نسیم حسین شاہ نے مارچ77-10-27 کو لاہور ہائیکورٹ کے جج کی حیثیت سے فیصلہ صادر کیا تھا جس میں یونیورسٹی کو حکم دیا تھا کہ وہ قبرستان، دربار اور مسجد میں جانے والوں کے لیے موجودہ راستہ بند نہیں کرسکتی چنانچہ اس حکم کے مطابق یہ راستہ ویسا ہی کھلا رہا جیسا تھا۔

موجودہ وائس چانسلر نے ''بیرونی مداخلت'' کو بند کرنے کا بہانہ بنا کر اس راستہ کو پھر بند کردیا جس پر قبرستان میں دفن شدہ افراد کے ورثاء اور دیگر متعلقہ افراد نے پھر ہائیکورٹ سے رجوع کیا تو جناب جسٹس امیر عالم خان جج لاہور ہائیکورٹ نے 98-3-27 کو دوبارہ حکم جاری کرتے ہوئے کہا:

"Till the date of aforenoted the passage leading to "Darbar" from Gate No. 2 of the University shall not be closed or blocked."

لیکن قبضہ گروپس کو کون پوچھ سکتا ہے کہ وہ عدالت کے حکم کو تسلیم نہ کرتے ہوئے توہین عدالت کا ارتکاب کیوں کررہے ہیں؟ جبکہ انہیں حکمرانوں کی مکمل پشت پناہی بھی حاصل ہو۔

جی ٹی روڈ ہی پر یونیورسٹی میں داخل ہونے کے آٹھ دروازے موجود ہیں تو کیا دروازہ نمبر 2 ہی سے یونیورسٹی میں داخل ہونا ضروری ہے؟ اگر دروازہ نمبر 2 اتنا ہی ضروری اور اہم ہے تو پھر اس کو کھلا رکھ کر باقی 7 دروازے زائد قرار دیتے ہوئے بند کردیئے جائیں؟ کیا سارے شرپسند، ناپسندیدہ افراد اور بیرونی مداخلت کرنے والے افراد صرف گیٹ نمبر 2 ہی سے گزرتے اور داخل ہوتے ہیں؟ کسی کے پاس کیا ثبوت موجود ہے کہ باقی دروازوں سے کبھی کوئی شرپسند داخل نہیں ہوا؟ کیا شرپسند اور ناپسندیدہ افراد کے لیے سوا دو فٹ کے دروازے سے گزرنا ممکن نہیں ہے؟ اگر ممکن ہے تو اس کو بھی کیوں کھلا رکھا ہوا ہے؟ اس کو بھی بند کردیا جائے۔ اگر آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ صرف اور صرف وائس چانسلر اور اس کے سیکرٹریٹ کے لیے مختص کیا جاسکتا ہے تو پھر ایک دروازہ گیٹ نمبر 2 قبرستان کے لیے مختص کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

اگر نئی دیوار کا قائم کرنا اتنا ہی ضروری تھا تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ یہ دیوار موجود جگہ کی

Marfat.com

بجائے گیٹ نمبر 2 کے ساتھ جو حبیب بنک کی جانب جگہ ہے وہاں اس دیوار کو تعمیر کرتے ہوئے قبرستان کے آخر تک لے جا کر ختم کر دیا جائے اور حبیب بینک اور اس قائم ہونے والی دیوار کے درمیان ایک نئی سڑک بچھا کر اس کو قبرستان کے ساتھ آخری کونے کی سڑک سے ملا دیا جاتا اس طرح پرانی سڑک اور راستہ قبرستان ہی کے لیے حسب معمول استعمال ہوتا رہتا اور نئی سڑک اور نیا راستہ صرف یونیورسٹی ہی کے استعمال میں آتا تو اس طرح ہر دو کو الگ الگ پختہ راستہ بھی مل جاتا اور کسی کو بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہوتی۔

کیا نئی سڑک کا ٹکڑا بچھانا یونیورسٹی کے قوانین کے خلاف ہے؟ اگر خلاف ورزی ہے تو اب تک یونیورسٹی کے اندر بہت سی سڑکیں کیوں بچھائی گئی ہیں؟ یہ چیزیں اور سہولیات کی فراہمی تو تدبر، حکمت اور معاملہ فہمی کی بناء پر عمل میں آتی ہے۔

وزیر اعظم صاحب سے ایک گزارش یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آبائی قبرستان اور وہاں موجود دو ہزار قبروں کے وارثین کی آہوں کی اشک شوئی اور دربار کو راستہ کی فراہمی کے بارے میں صرف اس کیس کی فائل نہ منگوائیں کیونکہ فائلوں میں انچوں کو فٹوں میں اور فٹوں کو گزوں میں اور گزوں کو فرلانگوں میں اور فرلانگوں کو میلوں میں تبدیل کرنے میں کچھ دیر نہیں لگتی یہ "نوکر شاہی" کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ فائلوں میں "ہیلی کاپٹر" خرید لئے جاتے ہیں اور "زمین" فروخت بھی ہو جاتی ہے لیکن دور دور تک نہ خریدار نظر آتے ہیں اور نہ فروخت کنندہ بلکہ یا تو وہ خود یا وزیر اعلیٰ پنجاب جناب محمد شہباز صاحب بذاتہ موقع پر جا کر دیکھیں کہ اب وہ کس طرح اپنے دادا جان کی قبر پر دعا کیلئے پہنچ سکتے ہیں اور قبر کی زیارت کے لیے تو حضور اکرم سرور کائنات ﷺ کا واضح ارشاد اور حکم موجود ہے:

"قبروں کی زیارت کر لیا کرو کیونکہ ان سے موت یاد آجاتی ہے۔" (ابوداؤد شریف)

اور جب تک موت یاد رہتی ہے اس وقت کوئی ایسی گری حرکت نہیں کرتا ہم سب نے جلد یا بدیر انجام کار "قبر" ہی کی طرف جانا ہے کم از کم ہم اپنے لئے اتنا راستہ تو چھوڑ جائیں کہ لوگ ہمیں آسانی سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر ہماری آخری آرام گاہ "قبر" تک لے جائیں قبر کے پختہ یا نا پختہ ہونے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن قبرستان میں آنے اور جانے میں تو کوئی اختلاف نہیں آخر ہماری آخری منزل بھی تو "قبر" ہی ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 28 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

حکومت کے لیے رسوائی کا سامان

شاید حکومتوں کا مزاج ہی کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی حکومتوں کی غلطیوں سے عبرت حاصل کرنا اپنی توہین تصور کرتی ہیں، نہ کبھی وہ گزشتہ حکومتوں کی ناکامیوں پر غور وفکر کرنے کے لیے تیار ہوتی ہیں اور نہ ہی آنے والی حکومتوں کی قسمت میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات اور غلط پالیسیوں سے سبق حاصل کرنے کی جستجو کریں۔ البتہ اگر جماعتی مفادات ٹکراتے ہوں تو پالیسیوں میں تبدیلیوں کے امکانات پیدا ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں لیکن اگر دینی و مذہبی معاملات ہوں تو تقریباً تقریباً سب کی پالیسیاں ایک جیسی ہی رہتی ہیں۔ یہی کچھ صورتحال دفعہ 295 سی سے درپیش ہے۔ ماضی اور حال کی حکومتوں میں اتنی ایمانی جرات نہیں کہ وہ بہانگ دہل اعلان کریں کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کہ ہماری حکومت باقی رہتی ہے یا نہیں ہم کسی حال میں بھی دفعہ 295 سی کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہر مملکت کے باشندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مذہبی، دینی، ملی، تاریخی اور معاشرتی روایات کی روشنی میں قانون سازی کر سکیں۔ بین الاقوامی قوانین میں سے کون سا قانون کسی بڑی طاقت کو یہ حق دلاتا ہے کہ وہ کسی ملک کے اندر اپنی مرضی کا قانون بنوانے کی چالبازیوں کا جال پھیلائے؟ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون نہ کبھی ماضی میں مانا گیا ہے اور نہ مستقبل میں مانا جا سکتا ہے۔

ہم اپنے دنیاوی آقاؤں سے اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں کہ ہمیں ''حقیقی آقا'' کا حکم بھی یاد نہیں رہتا۔ دفعہ 295 سی انتظامی معاملات کو سرانجام دینے کے لیے اور ان میں نظم و ضبط کو پیدا کرنے کا صرف ایک لائحہ عمل ہی نہیں ہے بلکہ یہ وہ قانون ہے کہ جس پر ایمان و اعتقادات کی بنیاد قائم ہے۔ حقوق انسانی کی دعویدار تنظیموں اور واعین کو برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ اور دیگر ممالک کے موضوعہ قوانین میں سے وہ قوانین کن کن مفادات کے حصول کی بناء

Marfat.com

پر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جن میں ان ممالک میں رہنے والے افراد کے مذہبی عقائد اوران کی جلیل القدر شخصیات کی توہین کیے جانے کو قابل جرم قرار دیا گیا ہے۔کیا کبھی پاکستان کے علماء اور عوام نے حکومت برطانیہ سے احتجاج کیا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی عصمت کے بارے میں جو قانون بنایا ہوا ہے وہ برطانیہ میں رہنے والے ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں، مجوسیوں، آتش پرستوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لیے اس کو بدل دیا جائے اور اس قانون سے مذکورہ مذاہب کے پیروکاروں کی مذہبی تعلقات کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے جس سے ان کے آزادی کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ کیا کبھی برطانیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت کے قانون کے بارے میں کسی حقوق انسانی کی دعویدار جماعت گروہ انجمن اور این جی اوز نے کوئی جلوس نکالا؟ آخر وہاں حقوق انسانی کی پامالی انہیں برانگیختہ کیوں نہیں کرتی؟

کیا امریکہ بہادر اپنی قانون سازی میں دنیا کے دوسرے چھوٹے اور بڑے ملکوں سے مشورے طلب کرتا ہے؟ کیا امریکہ کسی ملک کو یہ حق دینے کے لیے تیار ہے کہ وہ اس ملک کے مشورہ کے مطابق امریکہ میں قانون سازی کرے؟ کیا پاکستانیوں کے مطالبہ پر امریکہ اپنے ہاں یہ قانون بنانے کے لیے تیار ہے کہ آئندہ اس کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا؟ اور اس کی تمام قانون سازی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہوگی؟ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں یا اس کے رزق پر پلنے والی این جی اوز، یا پاکستان میں حقوق انسانی کے نام نہاد علمبرداروں کے پیٹوں ہی میں 295 سی کا مروڑ کیوں اٹھتا ہے؟ آخر پاکستان میں ہندو سکھ پارسی مجوسی بہائی اور دیگر مذہب کے پیروکار بھی بستے ہیں، وہ اس قدر جوش سے 295 سی کے خلاف جلوس کیوں نہیں نکالتے؟ ان کے مذہبی رہنماؤں میں سے اب تک کتنے افراد نے خودکشی کا ارتکاب کیا ہے؟ جس شخص نے کبھی چوری نہیں کی یا کبھی چوری نہیں کرنی اسے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ قانون کی چور کی سزا کیا ہے؟ جب اس نے اس جرم کا ارتکاب ہی نہیں کرنا تو وہ کیوں چوروں کی حمایت میں جلوس نکالے گا؟ بیانات دے گا؟ جس شخص نے کبھی زیادتی کا ارتکاب ہی نہیں کرنا اسے اس سے کیا غرض کہ زانی کو رجم کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ یا قانون زانی کی کیا سزا مقرر کرتا ہے؟ یا اس کے دل کا چور اسے مجبور کرے گا کہ خدانخواستہ اس سے کہیں یہ فعل صادر نہ ہو جائے

Marfat.com

اس لئے پیش بندی کے طور پر وہ زانی کی سزا کے خلاف جدوجہد کرے تا کہ برے وقتوں میں قانون کا نہ ہونا اسے جرم کی سزا سے بچا لے؟ بین الاقوامی طاقتوں اور خاص طور پر امریکہ سپر پاور کی یہ "پھرتیاں" کس امر کی غمازی کر رہی ہیں؟

جب خودکشی ہر مذہب میں حرام ہے تو پھر آخر ایک مذہب کے علمبردار داعی اور مبلغ کا یہ قدم اٹھانا کس امر کی چغلی کھا رہا ہے؟ کہ کہیں اسے اگلے منصوبوں کی تکمیل کے لئے بنیادی مواد فراہم کرنے کی ذمہ داری تو نہیں سونپی گئی کہ وہ ایک دفعہ اپنی جان کی قربانی پیش کر کے مستقبل میں اٹھانے والے اقدامات کے لئے بنیادی وجوہات مہیا کر جائے؟ بڑی بڑی طاقتیں اپنے عظیم مستقبل کے منصوبوں کے لیے اپنے سفیروں اور وزیروں تک قربانیاں پیش کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کرتیں وہ ظاہر بین افراد کی آنکھوں میں اس طرح کے "کارنامے" سرانجام دے کر باآسانی خاک ڈال دیا کرتی ہیں۔ قانون کی حفاظت کی ذمہ داری جس طرح انتظامیہ اور عدلیہ کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے اسی طرح حکمرانوں اور خاص طور پر وزارت قانون کے عہدیداروں پر بھی لازم ہوتی ہے کہ وہ اپنی مقننہ اور عدلیہ کے احکامات کی روشنی میں بنائے جانے والے قوانین کی حفاظت کرے آج تک وزارت قانون اور نوکر شاہی کے افراد نے کبھی بھی خلوص نیت کے ساتھ دفعہ 295 سی کی افادیت کو نہ سمجھا ہے اور نہ سمجھنے اور نہ ہی سمجھانے کی کوششیں کی ہیں بلکہ ہمیشہ غیروں کی آنکھوں سے اس دفعہ 295 سی کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔

اگر حکومت واقعی 295 سی کی بقا چاہتی ہے تو اسے فوری طور پر فیصل آباد کے واقعہ کی عدالتی انکوائری اس انداز سے کروانی چاہئے جس میں صرف چند محدود سوالات کے جوابات کے حصول کی پابندی عائد نہ کی جائے بلکہ اس عدالتی انکوائری کے ذمہ دار افراد کو معاملہ کی چھان بین کے لئے مکمل خودمختاری بھی دی جائے کہ وہ جن جن رموز کے بارے میں تحقیقات کرنا اپنے لئے مناسب سمجھیں، اسے اپنے دائرہ اختیار میں لے آئیں۔ انہیں اندرونی اور بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز کو طلب کرنے کا بھی اختیار حاصل ہو۔ اسے دنیا بھر میں دفعہ 295 سی کے خلاف کام کرنے والے اداروں کی کارگزاریوں میں تسلسل قائم کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو اور ان کی تہہ میں چھپے ہوئے منصوبوں سے آگاہی کا حق بھی حاصل ہو۔

Marfat.com

دوسری طرف حکمت پاکستان میں موجود عیسائی مشنریوں کے ذمہ دار پادریوں اور مسلم مفکرین وعلماء کی ایک گول میز کانفرنس بلائے جس میں دونوں مکتبہ ہائے فکر کے جید علماء آمنے سامنے بیٹھ کر اس دفعہ کے فوائد اور نقصانات پر سیر حاصل گفتگو کریں کیونکہ یہ ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اس لئے اسے مذہبی رہنماؤں ہی کی طرف سونپا جائے تو بہت مثبت نتائج حاصل ہوں گے وگرنہ این جی اوز تو اپنے مالی مفادات کے تابع ہر معاملہ کو اچھالتی یا بٹھاتی ہیں نیز حکومت اپنی رسوائی کا وہی سامان مہیا نہ کروائے جو ماضی کی حکومت کروا چکی ہے کہ نہ حکومت رہی اور نہ فیصلہ کرنے والے جج اپنے عہدوں پر رہے۔ عبرت مگر کس کے لئے؟؟؟

حکومتیں ''ہم چو دیگرے نیست'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ خیال کرتی ہیں کہ پچھلی حکومتوں نے جو غلطیاں کیں اور اس کے جو نتائج نکلے تھے ممکن ہے کہ اسی غلطی کا نتیجہ اب وہ نہیں نکلے گا جو پہلے نکلا تھا۔ ان کے خیال میں حکومتی منصوبے، پالیسیاں اور تدبیریں سائنسی اصولوں کے مانند نہیں ہوتیں کہ تمام غلطیوں کا نتیجہ ایک ہی نکلے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو سائنسی دنیا سے نکل کر حکومتی خوابوں کی دنیا میں بسیرا کرتے ہوئے بار بار انہی غلطیوں کو دہراتے رہتے ہیں۔ پس پردہ یہ سب کچھ وہ قوتیں بھی کرا رہی ہوتی ہیں جنہیں عوام ''نوکر شاہی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نوکر شاہی کا مزاج اور عادات اب بھی وہی ہیں جو انگریزوں کے دور حکومت میں ہوا کرتی تھیں۔ تبدیلی صرف چہروں کی ہوتی رہتی ہے اندر سے ذہنی کیفیت وہی ہے جو قبل از آزادی تھی اور موروثی عادتیں اتنی جلدی تھوڑا ہی بدلا کرتی ہیں انہیں بدلتے بدلتے صدیاں گزر جاتی ہیں اور ابھی تو صرف نصف صدی گزری ہے آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ چنانچہ اب بھی نوکر شاہی اور انگریز قانون کے پروردہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ جب انگریز ''آقا'' نے پینل کوڈ میں دفعہ 295 شامل کر رکھی تھی تو خواہ مخواہ 295 میں 295a, 295b,اور 295c کا اضافہ کیا اور اب جو کچھ صورتحال پیش آ رہی ہے اور حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے اور خاص طور پر بین الاقوامی سطح پر حکومتوں کی جو سبکی اور رسوائیاں اور حکمرانوں کو جو ''جھاڑیں'' پڑتی رہتی ہیں وہ سب کچھ ان اضافوں کا نتیجہ ہیں نہ یہ اضافے کیے جاتے اور نہ ان حالات سے دوچار ہوا جاتا۔ اس لئے ''نوکر شاہی'' کے خیال میں اب بھی اس کا یہی حل ہے کہ کیوں نہ ان اضافوں کو ختم کر دیا جائے؟ یا اگر ختم نہ کیا جا سکے تو ایسی ترامیم کر دی جائیں جن سے ان اضافہ شدہ قوانین کی روح ختم ہو جائے جس کا ناقابل

Marfat.com

تردید ثبوت پاکستان لاء کمیشن کا وہ مراسلہ ہے جو اس نے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجا چنانچہ پاکستان لاء کمیشن نے اپنا پہلا مراسلہ نمبر ایف PLS-LEG/1/87/1 مورخہ 20 دسمبر 1993ء کو بھیجا اور جب اس پر "نوکر شاہی" کی خواہش پر کارروائی نہ ہوئی تو دوبارہ مراسلہ نمبر ایف 1/87/PLS-LE-6 مورخہ 16 فروری 1998ء کو آخری یاددہانی کے طور پر بھیجا گیا گویا اس کے درمیان بھی وہ مراسلے بھیجتی رہی جن میں اس امر کا مشورہ طلب کیا گیا کہ "کیوں نہ قانون توہین رسالت میں اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا جائے۔"

بیوروکریٹس کے "گڑھ" پاکستان لاء کمیشن نے اپنی شاطرانہ چالبازیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کس قدر "معصومانہ" سوال کیا ہے کہ آپ صرف اتنی اجازت دے دیں کہ اس مجرم جس نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہو اس سے "مادرانہ شفقت" کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور پولیس کے ظالمانہ رویہ سے اس "معصوم" کو بچانے کے لیے "پولیس کے قابل دست اندازی" سے نکال کر "ناقابل دست اندازی" قرار دلایا جائے اور لاء کمیشن نے کیا خوب دلیل پیش کی۔ ملاحظہ ہو:

"گوجرانوالہ کے توہین رسالت کیس (زیر دفعہ 295c)(P.P.C) کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر عیسائی اداروں کی شکایات کے پیش نظر ضابطہ فوجداری کی اس دفعہ میں ترمیم کر کے اسے ناقابل دست اندازی پولیس بنا دیا جائے تو اس ترمیم کے نتیجے میں یہ جرم استغاثہ کا کیس بن جائے گا جس کی سیشن کورٹس سماعت کریں گی اور ملزم کے خلاف قانونی اتھارٹی کے غلط استعمال کا موقع نہیں رہے گا (سبحان اللہ! کس خوبصورتی سے 295c کی ساری عمارت کو ڈھایا جا رہا ہے)

چنانچہ لاء کمیشن کی طرف سے ریفرنس موصول ہونے کے بعد پہلی مرتبہ 16 فروری 1994ء کو اس وقت کے چیف جسٹس اور چیئرمین کمیشن جسٹس سید نسیم حسن شاہ کی زیر صدارت میٹنگ ہوئی جن میں من جملہ دیگر اراکین کے مولانا کوثر نیازی بطور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل بھی شریک ہوئے۔

اس میٹنگ میں میں چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

Marfat.com

-1 اسلام تمام انبیاء کرام کی توہین کے لیے وہی سزا تجویز کرتا ہے اس لئے دوسرے انبیاء کا نام بھی اس دفعہ میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

-2 اس دفعہ میں ارادہ (نیت) کا کوئی ذکر نہیں جو ہر جرم کا لازمی عنصر ہے۔

-3 قانون شہادت ناقص ہے کیونکہ اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کا جو معیار درکار ہے اس کا قانون میں کوئی ذکر نہیں۔

-4 ہمارے ملک میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں اس دفعہ کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بادی النظر میں توہین رسالت مآب ﷺ کی تعریف یا اس جرم کے ارتکاب سزا میں کوئی تبدیلی مطلوب نہیں بلکہ پولیس کی زیادتی سے ملزم کو تحفظ دینے کے لیے اس جرم کو نا قابل دست اندازی پولیس بنانے کی سفارش کی گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفتیش کے ضابطہ اور طریق کار میں ایسی تبدیلی صرف توہین رسالت مآب ﷺ کے ملزم کے تحفظ کے لیے کیوں ضروری ہے؟

قتل کے ملزم کے لیے بھی سزائے موت مقرر ہے کیا اسے بھی ایسا ہی تحفظ دے کر اس جرم کو نا قابل دست اندازی پولیس نہ بنا دیا جائے؟

کیا ایسا کرنے سے قانون کی منشاء یعنی مجوزہ سزا کو سبق آموز بنانے اور ایسے جرم کا ارادہ رکھنے والے کو اس ارادے سے روکنے کا مقصد فوت نہیں ہو جائے گا؟

بیوروکریٹس کے نمائندوں یعنی لاء کمیشن نے تو باقاعدہ مجوزہ قانون میں تبدیلی کا ڈرافٹ بھی بنا دیا تھا اور اسے 1993ء ہی سے قابل نفاذ قرار دے دیا تھا چنانچہ لاء کمیشن کی مجوزہ قانون سازی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

مختصر عنوان اور نفاذ

-1 ایکٹ ہذا کو مجوزہ ضابطہ فوجداری کا قانون 1993 کہا جائے گا۔

-2 یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

-3 1898ء کے قانون 5 کی دفعہ 295 سی کے خلاف جدول 2 کے کالم 2 میں اندراج تبدیلی۔

Marfat.com

مجوزہ ضابطہ فوجداری 1898ء میں 295c میں اس طرح تبدیلی کی جائے۔
''وارنٹ گرفتاری کے بعد گرفتار نہیں کیا جائے'' سے بدل جائے گا۔

مقاصد اور وجوہات

مجوزہ ترمیم کا مقصد پولیس کے بغیر وارنٹ گرفتاری کے گرفتار کرنے کے اختیارات کم کرنا ہے ماسوائے اس کے کہ سیشن عدالت کی طرف سے تحقیقات کے بعد کوئی کارروائی ہو۔

اگر لاء کمیشن کے اختیار میں قانون سازی یا آئین میں تبدیلی کا اختیار ہوتا تو یہ تبدیلی 1993 ہی میں عمل میں آ چکی ہوتی لیکن افسوس اس معاملہ میں بیوروکریٹس کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں تھا اور حقیقت میں یہی وہ طبقہ ہے جو ''مدعی سست اور گواہ چست'' کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت کے لیے اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی بارگاہ میں رسوائیوں کا سامان مہیا کرنے کے درپے ہے۔

پاکستان کے بیوروکریٹس اور دیگر ممالک کے بیوروکریٹس اپنے اپنے وطن، اپنے اپنے مذہب اور اپنے اپنے ملک اور عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر پالیسیاں بناتے ہیں جبکہ بدقسمتی سے ہمارا بیوروکریٹ طبقہ اپنے ذاتی مفاد اور اپنے ''آقا'' کے مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے پالیسیاں مرتب کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں حکمرانوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے لیکن اہم کردار درپردہ بیوروکریٹس ہی کا ہوتا ہے چنانچہ اس وقت 295c کے بارے میں جو دھمکیاں اور ہدایات دی جارہی ہیں وہ غیر ملکی وزارتوں اور ان کے مختلف ذریعے ادوار کے سربراہ اور عہدوں پر متعین بیوروکریٹس ہی کے ذریعے دی جارہی ہیں اور اس کے جواب میں چاہیے تو یہی تھا کہ ہمارا بیوروکریٹ طبقہ ہی سرکاری طور پر اسی انداز، لہجہ اور زبان میں انہیں جواب دیتا اور انہیں دفعہ 295c کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کرتا لیکن اس کے برعکس آپ پاکستان کے بیوروکریٹس کے ''کارنامے'' جو پاکستان لاء کمیشن کے ذریعے سرانجام دلانے کی کوشش کی گئی گزشتہ قسط میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

بیوروکریسی کی درپردہ سازشوں کے طفیل دفعہ 295c کے بارے میں دینی اور لادینی قوتوں میں کشمکش جاری ہے جو اب فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوا چاہتی ہے۔ بیوروکریسی کی پوری کوشش ہے کہ وہ 295c کو غیر موثر کردے اس لئے وہ اس ادارے، فورم، انجمن، این

Marfat.com

جی اوز اور افراد کی مرئی اور غیر مرئی انداز میں متروک رہی ہے جو اس دفعہ کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور صرف 295c کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف وہ اپنی خفیہ رپورٹوں اور مشوروں میں حکمرانوں کو اس انداز سے خوفزدہ کر کے بتاتی ہے کہ ان کی حکمرانی کی بقا کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ مغربی آقاؤں کے نقطہ نظر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلیں مغرب اپنے لئے جس قدر بھی سیکولر اقدار کی علم برداری کا دعویٰ کرتا رہے لیکن بباطن حکمرانوں سے لے کر بیوروکریٹس تک اور سیاست دانوں سے لے کر ایک عام آدمی تک اسلامی دشمنی میں سب ایک ہی نقطہ پر متفق ہیں اور دوسری طرف پاکستانی بیوروکریٹس اور اس کے نمائندے پاکستانی سیاستدانوں، سیکولر افراد، حقوق انسانی کے دعویداروں اور قانون دانوں کو یہ پٹی پڑھاتی ہے کہ کس کے حکم اور فیصلہ سے پی پی سی میں دفعہ 295c کو داخل کیا گیا ہے؟ کیونکہ یہ شریعت کورٹس کے حکم اور فیصلہ کی بناء پر داخل کی گئی ہے اور شریعت کورٹس کو آٹھویں ترمیم کی رو سے تحفظ حاصل ہے، اور اس کا وجود آٹھویں ترمیم کا مرہونِ منت ہے اور آٹھویں ترمیم کو ایک جابر، ظالم اور مارشل لا کے حکمران نے اپنے ناجائز اور بزور طاقت حاصل کردہ اختیارات کے زور پر آئین کا حصہ بنایا ہے اس لئے آٹھویں ترمیم غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر آئینی ترمیم ہے جو ناقابل قبول ہے۔

تعجب ہے کہ جب وہی "آمر" آٹھویں ترمیم کے بل بوتے پر جونیجو حکومت کو ختم کر دے اور اس آٹھویں ترمیم کا سہارا لیتے ہوئے الیکشن کا اعلان کرے اور اس آٹھویں ترمیم کی روشنی میں اور اختیارات کے دائرے میں پھر الیکشن ہوں اور الیکشن میں کامیاب ہونے والے حکمرانوں کو اقتدار کی جنگ میں استعفیٰ دے کر یاد لا کر پھر الیکشن کرائے جائیں اور اس الیکشن میں اسلام دشمن طاقتیں برسر اقتدار آجائیں تو یہ سب پراسز، طریق کار اور الیکشنوں کا چکر و کریک دم آئینی اور قانونی صورت میں تبدیل ہو کر ہر عمل درست قرار پا جائے۔ ایک عام فہم آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب بنیاد ہی غیر آئینی اور غیر قانونی ہے تو اس پر تعمیر ہونے والی عمارت کس طرح اچانک آئینی اور قانونی ہوگئی؟ اور عوام کے ووٹوں کے نام پر ہر غیر آئینی برائی کو آئین کا تحفظ حاصل ہو جائے گا؟ لاکھ قانونی نکات ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس الیکشن کو آئینی روپ میں ڈھالیں، لاکھ آئینی نکتہ سنجیاں پیش کی جائیں، لاکھ تاویلات کا سہارا لے کر غیر آئینی کو آئینی قرار دیں، لاکھ حیلہ جوئیاں کی جائیں کہ "اس میں" یہ "فرق" ہے

Marfat.com

اوراس ''فرق'' کی ''گردانیں'' کی جائیں لیکن یہ اپنی جگہ ٹھوس اور ناقابل دید حقیقت ہے کہ وہ الیکشن آٹھویں ترمیم ہی کی بدولت ہوئے تھے۔

ایک عام فہم آدمی کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آسکی کہ ''آٹھویں ترمیم'' کی روشنی میں ''شریعت کورٹس'' تو غیر آئینی اور غیر قانونی ہو جائیں اور اس آٹھویں ترمیم کی روشنی میں ہونے والے الیکشن آئینی اور قانونی ہو جائیں اور جب قانون باریکیاں اور نکتہ آفرنیاں اس ''جاہل'' شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو خوش کر لیتا ہے کہ ''میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو!'' حقوق انسانیت کی آزادی کے پرستاروں سے کوئی یہ پوچھے کہ ایک ایسا انسان جسے نہ شعور انسانیت حاصل ہے، نہ انسانیت کی قدر و منزلت سے آگاہی ہے، نہ انسان انسان میں امتیازات میں تفریق کا علم ہے۔ نہ حق و باطل میں معرکہ آرائی کی خبر ہے نہ عصمت انبیاء کی تعلیم سے آگاہی ہے، اسے تو حقوق انسانی کے نام پر تمام تحفظات حاصل ہو جائیں کہ وہ جو چاہے لکھتا رہے لیکن محسن انسانیت، باعث تخلیق کائنات، افضل ارسل اور جان جاناں انسانیت ﷺ کی عزت و عصمت مقام و مرتبہ عظمت ور جلالت کی توہین کرنے والے کے لئے ہر قسم کا تحفظ حاصل ہو اور اگر اس تحفظ کے لیے قانون بنایا جائے تو وہ یکسر حقوق انسانی کے خلاف ہو جائے۔

اقلیتوں کی جس قدر پاکستان میں قدر و منزلت ہے اور تحفظ حاصل ہے اس قدر دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے جمہوری ملک میں حاصل نہیں یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے برطانیہ جو اپنے آپ کو جمہوریت کی ''ماں'' کہتا ہے کیا کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے کہ اس نے اپنی دو سو سالہ جمہوریت کی تاریخ میں اقلیت کے نام پر اپنے کسی بھی قانون ساز ادارے میں چاہے وہ دارالعوام ہو یا دارالامراء ہو، اقلیت کے کوٹے سے کسی ایک مسلمان کو بھی وزارت عظمیٰ پر فائز کیا ہو؟

امریکہ جو اپنے آپ کو جمہوریت کا ''باپ'' کہلاتا ہے اپنے صدارتی جمہوریت دور سے کس یا یک دور میں بھی اقلیت کے کوٹے سے کسی مسلمان کو صدر بنانا تو دور کی بات ہے صدارتی امیدوار ہی بنایا ہو؟ دنیا کے کسی بھی براعظم کے کسی بھی غیر مسلم مملکت کو آپ لے لیں آپ کو وہاں اقلیتی کوٹے کے نام پر کسی ایک مسلمان کو بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی مثال نہیں ملے گی اور اگر کہیں کوئی مسلم نام کا شخص نظر آئے گا تو وہ اقلیتی کوٹے سے نہیں بلکہ وہ

Marfat.com

عوامی انتخاب میں حصہ لینے کی بناء پر ہوگا چاہے کوئی پارٹی اسے اپنا نمائندہ بنائے یا وہ اپنی ذاتی قابلیت جدوجہد محنت شخصیت اور شہرت کی بناء پر منتخب ہوا ہو۔ اس کی کامیابی کی وجوہات اور اسباب میں اقلیتی عنصر شامل نہیں ہوگا بلکہ کچھ اور اسباب اور وجوہات ہوں گی۔

جبکہ پاکستان میں اقلیتوں کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ آج سے نہیں بلکہ مکمل پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے پہلے دن ہی سے حاصل ہے۔ بانی پاکستان قائداعظمؒ کی کابینہ میں انتہائی اہم وزارت سے لے کر دفاع عدلیہ انتظامیہ میں کمانڈر انچیف چیف جسٹس چیف سکرٹریوں تک اقلیتی کوٹے سے مقننہ یا قانون سازی کے ادارے میں چاہے وہ قومی اسمبلی ہو یا صوبائی اسمبلیاں ہر مقام پر آپ کو اقلیتی نمائندے اور وزراء اسمبلی سپیکر اور خصوصی کمیٹیوں کے چیئرمینوں کی ایک لمبی فہرست نظر آئے گی حتیٰ کہ آج کے نصف پاکستان کے اندر بھی باقاعدہ اقلیتی وزارت کا وجود اس کا واضح ثبوت ہے کہ اقلیتی اعتبار سے بھی پاکستان میں دوسرے درجے کے شہری نہیں رہے ہیں۔

295c کی آڑ میں یہ ساری ہنگامہ آرائی پاکستان کے مذہبی طبقہ میں اشتعال انگیزی کر کے ان کی توجہات کسی اور طرف مبذول کر کے ہمسایہ ملک میں دھماکہ خیزیاں کرانا یہ سب کچھ "الکفر ملۃ واحدۃ" کی شاہکاریاں ہیں جس کی کڑیاں تلاش کرنا پاکستانی بیوروکریٹس طبقہ کی دسترس سے باہر ہے اور جس کے نتیجہ میں حکومت کو رسوائیوں کے علاقہ کچھ حاصل نہیں ہوگا اور "آقا" تو یہی چاہتے ہیں کہ بھاری مینڈیٹ کے ہاتھوں معرض وجود میں آنے والی حکومت دن بدن عوام میں اپنے لئے رسوائیاں سمیٹتی چلی جائے اور آہستہ آہستہ رہے سہے مذہبی طبقے کی ہمدردیاں بھی ختم ہوتی چلی جائیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 17 مئی 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

حضرت آمنہ ام رسول ﷺ کی قبر مبارک کا انہدام

مسلمانانِ عالم آثار رسول اللہ اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کیئے جانے والی کمینہ حرکتوں کو جس طرح برداشت کر رہے ہیں، انہیں الفاظ کے اندر تو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ اہل دل اس کی کسک ایک عرصے سے محسوس کرتے ہیں چلے آرہے ہیں۔

جس طرح مسلمانِ حکمران اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے نظر آتے ہیں اس سے کہیں زیادہ سعودی حکمران بخدیوں کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے ہیں۔ کبھی بھی سعودی عرب کے حکمرانوں کو ان کی ناپاک کاروائیوں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی یا عالم اسلام میں ان کے خلاف بھڑکنے والے جذبات سے آشنا کرنے کی سعی کی گئی تو اولاً اس طرح کے احتجاج کی کارروائیوں کو ان تک پہنچنے ہی نہیں دیا جاتا ہے اور اگر کبھی کسی طرح پہنچا دیا جائے تو انہیں اس انداز سے ورغلایا جاتا ہے گویا یہ کسی کافر، یا مشرک یا کسی اسلام دشمن افراد کے کافرانہ مطالبات ہیں۔

دنیا میں کوئی بھی حکمران نہ ہمیشہ کے لیے آیا ہے اور نہ آئے گا۔ یہ سعودی حکمران بھی دوسرے حکمرانوں کی طرح صفحہ ہستی سے اُسی طرح مٹ جائیں گے جس طرح دوسرے بڑے بڑے جاہ وجلال کے مالک حکمران مٹتے رہے۔ البتہ ان سعودی عرب کے حکمرانوں کے طرز عمل سے مسلمانوں کے دل چھلنی ضرور ہوتے رہیں گے۔

بخدیوں کی آثار رسول اللہ اور مقامات متبرکہ کی بے حرمتی کی کارروائیاں ایک عرصہ سے چلی آرہی ہیں اور ان میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسی سلسلے کی ایک نئی حرکت نے یعنی حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کو بلڈوز کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مضطرب کر کے رکھ دیا جس کے نتیجے میں پاکستان اور مغربی ممالک میں احتجاجی جلوسوں کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا۔ پاکستان میں بخدیوں کے گماشتوں اور ان کی عطا کردہ بھیک پر پلنے والے بھکاریوں

Marfat.com

نے اس حادثہ فاجعہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ام رسول حضرت آمنہ رضی اللہ کے ایمان کے بارے میں بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ناپاک حرکتیں کیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے حکمرانوں کو بھی غلط اطلاعیں مہیا کیں اور پاکستانی حکمرانوں اور ان کے اہلکاروں نے حسب دستور واقعات کی تحقیق کئے بغیر اس حادثہ فاجعہ کے وقوع ہی کا انکار کردیا لیکن اہل ایمان کے قلوب نے ان جھوٹی اطلاعات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور وہ اپنے تئیں اصل حقائق سے آگاہ ہونے کی سعی میں مگن رہے۔

چنانچہ گزشتہ ماہ حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ کی زیارات کا شرف حاصل ہوا جس میں ابواء شریف کی زیارت بھی شامل رہی۔ اس حاضری میں حقیر کے ساتھ حضرت علامہ محمد اشرف آصف جلالی صاحب ناظم جامعہ جلالیہ مظہر اسلام داروغہ والا لاہور اور مولینا محمد رمضان اویسی مدرس جامعہ ریاض المدینہ گوجرانوالہ بھی شامل تھے۔

اس سفر کے واقعات، حالت و کیفیات کو الفاظ کا جامعہ پہنایا جائے تو وہ کچھ اس طرح ہے۔ 6 جولائی 1999ء بروز منگل مسجد نبوی میں ظہر کی ادائیگی کے بعد سفر کی طرف گامزن ہوئے۔ سعودی عرب جانے والے افراد بخوبی جانتے ہیں کہ وہاں ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لیے کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جگہ جگہ چیک پوسٹ (نقطہ التفتیش) قائم ہیں جن سے گزرنا پڑتا ہے مقامی افراد یا سعودی عرب میں کام کرنے والے افراد تو کسی نہ کسی صورت، چیک پوسٹوں کے عملہ کی ہتک آمیز رویوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر اپنے اپنے کاموں کے سہارے آ اور جا سکتے ہیں لیکن عمرے پر جانے والے حضرات کو تو جدہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف جانے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔ چنانچہ ایک ایسی سواری اور شخص کی تلاش تھی جو نہ صرف ابواء جانے والے راستوں سے واقف ہو بلکہ راستہ میں آنے والی چیک پوسٹوں سے بھی بحفاظت گذار دے چنانچہ بسیار تلاش کے بعد ایک ایسے ڈرائیور سے ملاقات ہوئی جو تقریباً 15-16 مرتبہ ابواء شریف جا چکا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی اور واپسی کا کرایہ اس سے 425 ریال طے پایا (علاوہ دیگر اخراجات کے) وہ ڈرائیور ہمیں مدینہ منورہ کے قدیم ریلوے اسٹیشن پر لے آیا تاکہ جہاں سے کسی بدو ڈرائیور کی معیت میں مدینہ منورہ کے باہر مستورہ جانے والی چیک پوسٹ کو عبور کروائے۔ چیک پوسٹ کو عبور کروانے کے لیے ایک بدو ڈرائیور سے 60 ریال کا

Marfat.com

معاملہ طے پایا کہ وہ ہمیں مدینہ منورہ کی چیک پوسٹ کو عبور کروا کر طے کردہ مقررہ مقام پر اتار دے گا۔ یہ ڈرائیور مدینہ منورہ سے مستورہ جانے والے راستوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس نے چیک پوسٹ والے راستے کے علاوہ ایک دوسرے راستہ سے جانے کی کوشش کی لیکن اس راستہ کو رکاوٹیں کھڑی کر کے بند کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا چارو ناچار چیک پوسٹ والے راستہ ہی سے گذرنے کی ٹھانی۔ جب مستورہ جانے والے چیک پوسٹ پر پہنچے تو حسب دستور نقطہ التفتیش کے عملہ نے آگے جانے سے روک دیا اور واپس مدینہ منورہ جانے کو کہا لیکن بدو ڈرائیور نے کسی نہ کسی طرح ان سے چیک پوسٹ عبور کرنے کی اجازت حاصل کر لی اور اس طرح بدو ڈرائیور کے ذریعہ ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہوگئی۔ چنانچہ مقررہ مقام پر اس بدو ڈرائیور نے ہمیں اتار دیا جہاں سے مدینہ والے ڈرائیور نے ہمیں دوبارہ پک اپ کیا اور اس طرح مستورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں بیئر روحا کا مقام بھی آتا تھا جو سڑک سے ذرا ہٹ کر مستورہ جاتے ہوئے دائیں طرف ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر قیام فرمایا تھا اور بیئر روحا سے صحابہ اکرم۔ حضرات اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اور اپنی سواریوں کی ظاہری پیاس کو بجھایا اور یہ کنواں آج بھی اہل علاقہ کو سیراب کر رہا ہے۔ البتہ کنوویں پر موٹر پمپ لگا دیا گیا ہے جس سے اس کنوئیں سے استفادہ کرنے والے دور دراز علاقوں سے آتے ہیں اور گاڑیوں میں اپنے ٹینک بھر کر لے جاتے ہیں۔ کنوئیں کے ساتھ ہی وہ مسجد بھی ہے جس میں آقا علیہ العلوما والسلام نے نمازوں کو ادا فرمایا تھا۔ مسجد میں نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اگلی منزل کے لیے روانہ ہوئے۔ چونکہ یہ جگہ بڑی سڑک سے ہٹ کر ہے اسلئے ڈرائیور نے واپس آنے کی بجائے اسی کچے راستے پر آگے چلتے ہوئے بڑی سڑک پر دوبارہ چڑھنے کا ارادہ کرتے ہوئے گاڑی کو کچے راستے پر چڑھا دیا لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد گاڑی ریت میں پھنس گئی۔ جس قدر گاڑی کو آگے یا پیچھے لے جانے کی کوشش کی جاتی اسی قدر گاڑی ریت اور دھنس جاتی۔ عام راستہ نہ ہونے کی بنا پر چاروں اطراف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ عجب مشکل میں پھنس گئے۔ چنانچہ ڈرائیور نے ہمت کی اور پیدل بڑی سڑک پر آکر کسی مددگار کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد وہاں سے ایک پولیس والے (شرطہ) کا گذر ہوا۔ اس کو روک کر اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا تو وہ بھلا مانس شرطہ اپنی گاڑی کو لے کر وہاں آیا۔ اس نے بھی گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے پیچھے دھکیلنے کی

Marfat.com

کوشش کی لیکن بے سود اسی دوران دو تین بدو اپنی گاڑیوں میں سے وہاں سے گذرے تو انہوں نے ہمیں جو مشکل میں دیکھا تو قریب آئے اور اس طرح ان حضرات کی کوششوں سے گاڑی ریت کے دلدل سے نکلی اور تقریبا ایک گھنٹہ کے جان کن لمحات سے گذرنے کے بعد دوبارہ اس بڑی سڑک پر واپس آ کر اگلی منزل کے لیے روانہ ہوئے۔ مستورہ جاتے ہوئے راستہ میں مستیصف، رحقان، الطلعہ، الحمراء، الواسطہ سے ہوتے ہوئے شہر بدر (مدینہ منورہ سے 140 کلو میٹر) آ پہنچے۔ چنانچہ ڈرائیور نے کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہدائے بدر کے مزارات، غزوہ بدر کے مقام۔ شہدائے بدر کے اسمائے گرامی کی لوح اور مسجد بدر (جہاں حضور اکرم ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں) کی زیارات بھی کرائی۔ مسجد بدر میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ پھر مستورہ جانب روانہ ہوئے مغرب سے کچھ دیر قبل مستورہ شہر پہنچ گئے جو مدینہ منورہ سے 225 کلو میٹر ہے۔

مستورہ پہنچ کر اب ایسے ڈرائیور کی تلاش تھی جو ابواء پہاڑی پر لے جائے۔ چنانچہ ہمارا ڈرائیور مستورہ شہر میں اپنے ایک دوست ڈرائیور کے گھر لے گیا جس نے ابواء شریف جانے کی حامی بھری اور وہاں جانے کے لیے -/200 ریال طلب کئے اگر چہ مستورہ سے ابواء زیادہ دور نہیں ہے لیکن وہاں کے حالات کے پیش نظر اور جس راستہ سے اس نے لے جانا تھا اسکو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کچھ زیادہ بھی نہیں تھا۔ یاد رہے کہ یہ ڈرائیور مستورہ ہی میں پیدا ہوا تھا اور اس نے اپنی زندگی کی 52 بہاریں مستورہ ہی میں گذاری تھیں اسلئے اس کے لیے ابواء جانے والے راستے اس کے لیے اجنبی نہیں تھے اور یہ ان تمام راستوں سے بخوبی واقف تھا جو منزل مقصود تک پہنچا سکتے تھے نیز ابواء پہاڑی پر جانے والے عام راستہ پر سعودی مطلوع ہر وقت پہرا دیتے ہیں اور جو بھی اس پہاڑی پر جانے کی کوشش کرتا تھا نہ صرف اسکو ضرب و شتم کرتے بلکہ اگر غیر ملکی ہو تو اسکے پاسپورٹ کو چھین کر طرح طرح سے پریشان بھی کرتے ہیں۔ اس لیے طے پایا کہ ابھی ذرا تھوڑی دیر اور تاریکی ہو جائے تو ابواء شریف جایا جائے۔ چنانچہ مغرب کی نماز مستورہ میں ہی ادا کرنے کے بعد ابواء شریف کے لیے اس کی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ ابواء شریف، مستورہ سے واپسی پر مدینہ منورہ کی جانب تقریبا 15,10 منٹ پر مدینہ آتے ہوئے دائیں طرف پختہ سڑک پر واقع ہے۔ مدینہ آنے والی سڑک کو چھوڑ کر ڈرائیور نے اپنی گاڑی کو دائیں طرف موڑا اور پختہ سڑک پر تقریبا 10 منٹ کے بعد اچانک گاڑی کو

Marfat.com

پھر دائیں طرف کچے راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک ویرانے میں ڈرائیور نے گاڑی کو کھڑا کر دیا اور ہمیں خاموشی سے اپنے پیچھے پیچھے چلے آنے کا کہا چنانچہ ہم ایک پہاڑی کے پیچھے جھاڑیوں اور پتھروں کو عبور کرتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ راستے میں پہاڑ کی دوسری جانب مطلوع موجود تھے جو تاریکی میں لائٹیں مار کر اس بات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ کوئی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اوپر نہ چڑھ رہا ہو۔ چنانچہ اس دوران روشنی کی ایک کرن کا گذر ہمارے اوپر سے ہوا تو ہمارے ڈرائیور نے کہا کہ فوراً جھک جاؤ چنانچہ ہم اپنے اپنے مقام پر پتھروں سے جھک گئے اور اس طرح روشنی ہمارے اوپر سے ہوتے ہوئے گذر گئی خطرہ ٹلنے کے بعد ڈرائیور پھر روانہ ہوا تو ہم بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے تقریباً 2 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتے ہوئے چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن وہاں پہنچ کر نگاہوں نے جس منظر کا مشاہدہ کیا وہ ناقابل بیاں ہے۔ قبر مبارک کو بلڈوز کر دیا گیا تھا۔

ہمارا وہ ڈرائیور جو مدینہ سے آیا تھا وہ بھی قبر مبارک کی اس ہیئت کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا۔ ٹارچ کے ذریعے جب دیکھا گیا تو وہاں چار اطراف بلڈوز کئے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے جو اس امر کی چغلی کھا رہے تھے کہ انسان کے ہاتھوں اس بے دردی کے ساتھ پتھروں کو نہیں توڑا جاتا جس بے دردی سے قبر ام رسول حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ جن حکمرانوں کے حکم سے مسجد نبوی، مسجد حرام اور جنت البقیع میں جلیل القدر شخصیات اور صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے زندہ جاوید جسمائے مبارک توہین آمیز ہاتھوں کی دسترس سے محفوظ نہ رہے ہوں ان سے یہ توقع رکھنا کہ انہوں نے ام رسول ﷺ کے جسم مبارک کو اذیت نہ پہنچائی ہو، کیسے ممکن ہے! اس چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر دیو ہیکل بلڈوزر مشین آخر کس قلعہ کو بلڈوز کرنے کے لیے چڑھائی گئیں تھیں؟

ظاہری طور پر قبر ام رسول ﷺ کو مٹا کر عظمت رسول ﷺ کے عاشقوں کے قلوب کو بھی کیا مسخر کر لیا گیا ہے؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ پتھر دلوں کو تو شدید ریزہ ریزہ کیا جا سکتا ہے لیکن ایمان سے معمور نرم و نازک لطیف دلوں کو پہاڑ نما مشینوں سے ریزہ ریزہ نہیں کیا جا سکتا۔

اگر پہاڑی پر کچھ بھی نہیں ہوا تو سعودی حکمران دن کی روشنی میں زائرین کو جانے سے کیوں روکتے ہیں؟

ایک سوچے ہوئے منصوبے کے تحت وہاں ایک افواہ یہ بھی اڑائی گئی کہ یہاں سے

Marfat.com

حضرت آمنہ کی قبر کو منتقل کر دیا گیا ہے تا کہ زائرین زیارت کے لیے آئندہ نہ آئیں۔

تو کیا ان بخدیوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جسم مبارک کو منتقل کیا یا ہڈیوں اور راکھ کو۔ اگر پندرہ سو سال کے بعد جسم راکھ ہو چکا تھا تو پھر اس راکھ کو خوب خوب دکھایا جانا چاہیے تھا تا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے کافرہ اور مشرکہ ہونے کا ثبوت ان کے ہاتھ آ جاتا اور اگر آپ کے جسم مبارک کو منتقل کیا گیا ہے تو یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مسلمہ، مؤمنہ اور متقیہ کا جسم ہی محفوظ و مامون ہو سکتا ہے اور یہ بلاشک وشبہ آپ کے مؤمنہ، مسلمہ ہونے واضح اور اظہر من الشمس دلیل ہے۔

♥......♥......♥

Marfat.com

آئین کی ''مقدس'' آرٹیکلز

آئین کی روح اور منشاء کے مطابق عمل کرنا اور کروانا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ جمہوریت کا دعویٰ کرنے والے ممالک میں حکمران سختی سے خود بھی آئین پر عمل کرتے ہیں اور کرواتے ہیں۔ آئین خواہ تحریری ہو یا غیر تحریری، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں صرف مقصد آئین کی تقدیس کو ہر حال میں قائم رکھنا ہوتا ہے اگر کبھی حکمرانوں کے ہاتھوں آئین کی حکمرانی مجروح اور پامال ہونے لگے تو وہ ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر ایسے حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کر دیتے ہیں اقتدار کے بھوکے اور متوالے بھیس بدل بدل کر، نئے نئے روپ دھار کر عوام اور بھولے بھالے محکوموں کو دھوکہ دینا بھی چاہیں تو نہیں دے پاتے کیونکہ عوام کے اندر بھی آئین کی پاسداری کا احساس موجود ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے نام نہاد حکمران جب آئین کی پاسداری میں اقتدار کو سرکتا ہوا محسوس کرتے ہیں تو پہلی کوشش آئین کی بساط لپیٹنے کی ہوتی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عارضی طور پر ہی سہی بذریعہ آرڈیننس یا صدارتی حکم کے ذریعے بدلنے کی ہوتی ہے گویا۔

خود بدلتے نہیں ''آئین'' کو بدل دیتے ہیں اقبال بہ تفسیر ادنیٰ

اور اگر آئین کے بدلنے میں بھی ناکامی نظر آئے تو آئین پر عمل کرنے کی ذمہ داری عوام کے سر پر کر کے خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ نگران حکمران ہوں یا غیر نگران دونوں کا طرز ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

آئین پاکستان کی آرٹیکل 63 پر عملدر آمد کرانے کی ذمہ داری اگر چہ حکمرانوں اور الیکشن کمیشن کے عہدیداران کی ہے تا کہ وہ ایسے افراد کو الیکشن میں حصہ لینے سے روک دیں جو آرٹیکل 63 پر پورے نہیں اترتے لیکن حکومت اور الیکشن کمیشن نے نادیدہ اور فہمیدہ منصوبوں کی آڑ میں نہایت صفائی اور چالاکی سے اس ذمہ داری کو ووٹرز حضرات کے سپرد کر دیا ہے تو اب بغیر کسی تردد اور عذر کے ووٹرز حضرات کو اپنے پیارے وطن کی سلامتی، اور بقاء کی خاطر اس

Marfat.com

چیلنج کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیئے اور ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ آرٹیکل 63 کے مطابق ان افراد کو ووٹ جیسی امانت سپرد کرنی چاہیے۔

☆ ذہنی طور پر مفلوج نہ ہو۔
☆ دیوالیہ قرار نہ دیا گیا ہو۔
☆ پاکستان کا شہری ہو اور کسی اور ریاست کا شہری نہ ہو۔
☆ حکومت پاکستان کا ملازم نہ ہو۔
☆ فی الوقت آزاد جموں وکشمیر قانون ساز اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا نااہل نہ ہو (ایکٹ 1951ء2 دفعہ 14ب)
☆ وہ کسی ایسی رائے کی تشہیر کر رہا ہوں جو نظریہ پاکستان کے قیام یا پاکستان کے اقتدار اعلیٰ، سالمیت یا سلامتی یا اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری یا آزادی کے لیے مضر ہو یا پاکستان کے لیے مضر ہو یا پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ کو بدنام کرے یا اس کی تضحیک کا باعث ہو (اس شق کے مطابق جس امیدوار میں یہ برائیاں پائی جائیں اس کو کسی صورت بھی ووٹ نہیں دینا چاہئے)
☆ اخلاقی پستی کی وجہ سے وہ دو سال کا سزا یافتہ نہ ہو۔
☆ غلط روی کی وجہ سے ملازمت سے نکالا نہ گیا ہو۔
☆ پاکستان کی ملازمت ختم ہوئے دو سال گزر چکے ہوں۔
☆ قانون کے تحت کسی بدعنوانی یا غیر قانونی حرکت کا مجرم قرار نہ دیا گیا ہو۔
☆ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ 1962ء نمبر 3 دفعہ 7 کا سزا یافتہ نہ ہو۔

پیارا وطن پاکستان جن حالات سے دو چار ہے وہ وطن کی محبت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

پیارا وطن جن "عالمی سازشوں" کا گہوارہ بنایا جا چکا ہے اور مزید بنایا جا رہا ہے وہ بھی وطن کی چاہت رکھنے والے "متوالوں" کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔

کیا ہم جماعتی مفادات کی خاطر وطن کو "دوبارہ لٹیروں" کے حوالے کر دیں؟ چاہے چند دن ہی کے لیے سہی، وطن کی محبت میں ڈوب کر سوچئے اور فیصلہ کیجئے۔

Marfat.com

کیا ہم اپنی ناکامی کے خوف سے انکی ناکامی کی خواہش کریں جو غیر ملکی ایجنٹوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو یہودی سرمایہ کے بل بوتے پر لڑنے والوں سے پاکستان کی بقا کی خاطر لڑ رہے ہیں۔

یہ وطن پرستی نہیں یہ حب الوطنی بھی نہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر پاکستان رہے گا تو اسلام بھی نافذ ہوگا اور نظام مصطفیٰ بھی آئیگا۔ اسلام ہواؤں اور فضاؤں میں نافذ نہیں ہوتا۔

وہ خطہ اراضی کا طالب ہے۔ اس لیے خطہ اراضی (پاکستان) کی بقا کی خواہش دراصل اسلام کے نفاذ ہی کی خواہش ہے۔ آیئے! اپنے ووٹ کا استعمال آرٹیکل 62 اور 63 کی روشنی میں کریں تاکہ وطن کی حفاظت کرنے کے فرض سے ہم محروم نہ رہیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 28 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

معاشرے کے بگاڑنے میں ''میرا'' کردار؟

معاشرے کی اصلاح کے لیے ملک کے اندر ایک طرف انگنت چھوٹی بڑی جماعتیں...... انجمنیں...... ادارے...... جمعیتیں...... حلقے...... سوسائٹیں...... تحریکیں...... پارٹیاں...... گروپ...... اور کئی بھاری بھر کم شخصیتیں جو کئی کئی جماعتوں پر بھاری ہیں، مصروف عمل ہیں۔

دوسری طرف اخبارات، جرائد، رسائل کا لامتناہی سلسلہ جن میں یومیہ...... ہفت روزہ...... ماہنامے...... سہ ماہی...... شش ماہی...... نوماہی...... سالانہ مجلات شامل ہیں۔ جو عمدہ اور اچھوتے مضامین کے ذریعے اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

تیسری طرف خطیبانہ...... واعظانہ...... اور تربیتی...... انداز میں مذاکرات...... درس قرآن...... درس حدیث...... مسائل فقہ...... جلسے اور جلوسوں...... کانفرنسیں...... اور...... علمی لیکچرز کے ذریعے ذہنی تربیت کے گروپرام جاری ہیں۔

چوتھی طرف تحریری طور پر پمفلٹ...... کتابچوں...... ہینڈ بلز...... اور...... طباعت کے دیگر ذرائع سے اصلاح کے پیغامات دیئے جارہے ہیں۔

پانچویں طرف وڈیوز...... ٹیپوں...... اور...... ڈاکومنٹری فلموں کے ذریعے اہل علم کے نگارشات دکھا اور سنا کر اصلاحی سلسلہ جاری وساری ہے۔

چھوٹے طور پر ریڈیو...... اور...... ٹی وی پر بھی کبھی کبھار کوئی اصلاح پروگرام دکھا دیا جاتا ہے جو آٹے میں نمک کے برابر اپنا اثر دکھا دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس معاشرے کو اس کی اپنی اقدار سے دور رکھنے کے لیے...... اسے بگاڑنے کے لیے...... اسے غلط راہوں پر ڈالنے کے لیے...... اسے بگاڑنے کے لیے...... اسے غلط راہوں پر ڈالنے کے لیے...... اسے اپنی منزل مقصود سے روگردانی کرنے میں پوری ہمہ گیریت سے وسیع جہات کے ساتھ...... اثر انگیز مناظر کے ساتھ...... ظاہری نگاہوں میں

Marfat.com

خوبصورت پروگراموں کے ساتھ...... انسانی طبیعت، مزاج اورنفسیات کی روشنی میں ترتیب دیئے ہوئے لوازمات کے ساتھ ساتھ دنیا میں موجود تمام ممکنہ ذرائع کونہایت منصوبہ بندی اور ہنری مندی کے ساتھ بروئے کار لایا جارہا ہے۔ چونکہ دنیا مصائب اور آلام کی آماجگاہ ہے اس لئے انسان نتائج کی پرواہ کئے بغیر وقتی، مصنوعی اور عارضی اور چند لمحوں کی خوشی کے حصول کے لیے اور شروع شروع میں صرف ایک قدم بڑھاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس برائی کے اندر اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ اگر نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا۔

معاشرے کے بگاڑ میں ملکی جماعتوں اور انجمنوں کے علاوہ غیر ملکی امداد سے چلنے والے این جی اوز ہی نہیں بلکہ کئی خوبصورت اصلاحی، فلاحی و بہبود کے ناموں پر بنی ہوئی سوسائٹیاں طبقہ اشرافیہ اور حکمرانوں کے اعلیٰ طبقہ سے منسلک افراد کو سرپرست، نگران اور جانب نظر نام کے عہدوں پر متمکن کر کے اپنے پروگراموں کو بروئے کار لاتی ہیں۔

اخبارات اور جرائد کے جاذب نظر رنگین صفحات واوراق میں موجود مفسد خیالات و تصورات پر مبنی تصویریات انسان کے ذہن پر جو اثر مرتب کرتی ہیں۔ وہ بھی معاشرے کی بگاڑ میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ زید برآمد بک اسٹالوں اور بک شاپس پر موجود ڈائجسٹ مکمل طور پر اسی قسم کے مضامین اور کہانیوں سے بھرے ہوتے ہیں (گنتی کے چند مستثنیات کے ساتھ)

مختلف عنوانات کے تحت "واک" کے ملک اور شہروں کے اہم مقامات پر ترتیب دیئے ہوئے پروگرام بھی غیر شعوری طور پر ذہن کو سوچ کے نئے زاویوں سے روشناس کرانے کے پس منظر میں نظر و بصر کو دنیا کے آفرینیوں سے بہلانے کے پروگرام ہوتے ہیں۔

جدید علمی اور فکری عنوانات کے اچھوتے لیکچرز جو اعلیٰ اور اونچے درجوں کے فائیو اسٹارز ہوٹلوں سے استقبالئے، مذاکرات اور کانفرنسوں کے ناموں سے منعقد کئے جاتے ہیں ان کے در پردہ حرکت کرتے ہوئے ہاتھ کس امر کی غمازی کرتے ہیں؟ ۔لیکن ان کے توڑ کے لیے اصلاحی جماعتوں اور انجمنوں کی بے اعتنائی بھی قابل غور ہے۔

ملک بھر کے ہر ہر محلہ اور گلی میں موجود ملکی اور غیر ملکی فلموں سے معمور...... وڈیوز...... بیلیو پرنٹ فلمیں اور فحاشی و عریانی پر مبنی غیر مذہب گانوں کی کیسٹیں بھی معاشرے کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

اب بھی ریڈیو اور خاص طور پر ٹی وی کے تمام چینلز ڈراموں اور مخلوط گانوں کے

Marfat.com

ذریعے معاشرے کی اصلاع کی بجائے بگاڑ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

یہ تمام اسباب اور وجوہات اپنی اپنی جگہ بجا اور مناسب سہی لیکن......

من حیث المجموع معاشرے کی اصلاح اور بگاڑ کے بارے میں ہمارا رویہ، یہ بن چکا ہے کہ اصلاح کرنے اور بگاڑ پیدا کرنے میں ہم نے کبھی بھی اپنے آپ پر نگاہ ڈال کر نہیں دیکھا کہ ہر دو میں ہمارا اپنا کردار کیا رہا ہے۔

ہم یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ فلاں یہ کہہ رہا ہے اور فلاں کو یہ نہیں کرنا چاہئے۔ فلاں فلاں کردار کو بگاڑ رہے ہیں۔ فلاں فلاں ادارے معاشرے کی روایات کو تلپٹ کر رہے ہیں لیکن ہم نے کبھی سوچا کہ ''میں نے'' معاشرے کی اصلاح میں اپنا فرض ادا کیا ہے؟

''میں نے'' معاشرے میں موجود عمدہ روایت کو کیوں توڑا؟

ان حالات کے خراب کرنے میں ''میرا'' کردار کیا رہا ہے؟

''میں'' خود کتنا بگڑا اور خراب ہو گیا ہوں؟

''میرا'' طرز عمل اس بارے میں کیا رہا ہے؟

''میں نے'' تنقید کے علاوہ کیا کیا ہے؟

''میں نے'' اپنی عیب جوئی کا کیا علاج کیا ہے؟

خود ''میری'' طرز فکر اس بارے میں کیا رہی؟

چنانچہ خالق کائنات اس بارے میں ہمارے ''ضمیر کو جھنجھوڑ'' کر فرما رہا ہے......

''اے ایمان والو؟ تم اپنی فکر رکھو! جب تم سیدھے راستے پر آگئے (اور ہدایت حاصل کر کے سیدھا راستہ اختیار کر لیا) تو جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو ان کی گمراہی تمہارا کچھ نہ بگاڑے گی۔ بالآخر تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے، تو پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو''

حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ہماری اصلاح کے لیے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے......

''وہ شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ اور برباد ہو گئی ہے تو حقیقت میں سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے''

دوسروں کے بارے میں معترض ہے کہ وہ بگڑ گئے وہ برباد ہو گئے، ان میں بے دینی سمائی گئی ہے۔ بدعنوانیاں ان میں در آگئی ہیں لیکن اگر ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اپنے ''من

Marfat.com

اور تن'' میں جھانک کر دیکھتا ہے تو اسے اپن سے زیادہ عیب جو کوئی اور نظر نہ آتا ہے۔ اگر وہ اپنی بربادی میں فکر کرتا تو اسے اپنے سے زیادہ برباد ہوتے ہوئے کوئی اور نظر نہ آتا۔

معاشرے کے بگاڑ میں ''میرا'' کردار بھی تو ناقابل معافی جرم ہے اور اس جرم کی سزا برداشت کرنے کا ''سزاوار'' بھی میں خود ہوں۔

کاش یہ احساس ہم پیدا ہو جائے............

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو میرا نہیں بنتا تو نہ بن، اپنا تو بن

(روزنامہ جنگ لاہور 7 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

غصہ اور طلاق

ایک اچھے خاندان کی عمدہ خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ خیال کی جاتی ہے کہ اس خاندان کے ممبران اور افراد کس قدر قوت و برداشت اور صبر کی صفات کے حامل ہیں جس قدر زیادہ تحمل، برداشت، درگزر، عفو اور چشم پوشی کے مظاہرے گھر کے افراد آپس میں کریں گے، اسی قدر وہ گھر اور خاندان امن وسلامتی کا گہوارہ کہلائے گا۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان خوبیوں کا تعلق انسان کی ذاتی افعال کے ساتھ ہے لیکن دین، مذہب، معاشرہ اور وطن کے معاملات میں ایسی چشم پوشی نا قابل معافی اور انتہائی نقصان دہ شمار کی جاتی ہے اس طرح کے درگزر کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کے اندر یا معاشرے اور وطن میں کوئی برائی، بداخلاقی اور بری روایت جنم لے رہی ہے تو چشم پوشی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا جائے بلکہ اس وقت اسکا یہ دینی اور ملی فرض بنتا ہے کہ وہ حکیمانہ اسلوب، معقول دلائل اور عمدہ تدبیر کے ساتھ اس برائی اور بداخلاقی کے نتائج سے ملوث شدہ افراد کو روکے اور انہیں ایسا کہنے اور کرنے سے باز رکھے۔

''حمیت'' اور ''غصہ'' اگر چہ مترادف معنی لفظ شمار ہوتے ہیں لیکن ''حمیت'' کا اظہار اچھے معنی میں ہوتا ہے چنانچہ اسی حمیت دینی، ملی کے جذبات کو اجاگر کرتے ہوئے مومنین کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی ملامت سے بچائیں۔ ارشاد خداوندی ہے ''اے ایمان والو؟ تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم میں لے جانے والے کاموں سے بچاؤ۔''

''غصہ'' کا اظہار جس موقع اور جس مقصد کے پیش نظر ہو رہا ہے اس کے مطابق وہ قابل مذمت کہلائے گا اگر والدین اپنے بچوں کو کسی برائی سے روکنے کے لیے اپنی خشم ناکی، ناراضگی اور غصہ کا اظہار کر رہے ہیں یا انسانیت سے ہمدردی رکھنے والے افراد معاشرے کی اصلاح کے پیش نظر غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہیں...... یا مصلحین قوم اور ان کے پیروکار برے

Marfat.com

لوگوں سے بے زاری کا اظہار کر رہے ہیں تو یہ اظہارات قابل تعریف کہلاتے ہیں اور انہیں ''حمیت دینی'' ''حمیت اخلاقی'' اور ''حمیت ملی اور حمیت وطنی'' قرار دیا جاتا ہے۔

اگر اس کے برعکس غصہ کی کیفیت ایسی ہو جس میں دو خاندانوں میں تفریق اور جدائی پیدا ہو رہی ہو یا غصہ میں کسی فرد کو نقصان پہنچانا مقصود ہو یا دو افراد اور طبقات میں غصہ میں کسی فرد کو نقصان پہنچانا مقصود ہو یا دو افراد اور طبقات میں غصہ پیدا کر کے آپس میں لڑائی اور فساد کرانا مطلوب ہو تو یہ قابل مذمت قرار پائے گا اس سلسلے میں ''محبت ہو تو اللہ کے لیے اور بغض ہو تو بھی اللہ کے لیے'' کا اصول پیش نظر رکھنا چاہئے۔ غصہ کی ایسی قابل مذمت کیفیت میں سے ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ (جیسا کہ گزشتہ کالم میں اس موضوع پر عرض کیا تھا) ایک انسانی غصہ کی بناء پر اپنا ہنستا بستا گھر اور گھر کی چار دیواری میں پھول جیسے بچوں سے مہکتا چہکتا گھر آنا فانا لفظ ''طلاق'' استعمال کر کے گھر کے سکون و اطمینان کو ویران و برباد کر دیتا ہے اور جسکی تلافی نہ ہونے پر وہ باقی زندگی پچھتا تا رہتا ہے۔

معاشرے میں یہ رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے کہ جہاں گھر میں میاں بیوی کے درمیان ان بن ہوئی یا دونوں کے درمیان اختلاف رائے نے طول پکڑا یا دوں کے مزاج میں ہم آہنگیہ ہونے پائی تو بذریعہ ''طلاق'' اس سے نجات پانے کی قابل مذمت کوشش کی جاتی ہے۔ اس قسم کی کوشش کو ختم کرنے اور ناکام بنانے کی بجائے گھر کے غیر ذمہ دار افراد اور خاص طور پر بعض وکلاء اسٹامپ فروش اور وثیقہ نویس نہایت غیر ذمہ دارانہ اور مکروہ کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ ایسے افراد کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ ان کی راہ راست پر لانے کی سعی کریں اور اس وقت اپنے اسٹامپ نہ لکھوانے کا مشورہ دیں تا کہ اسے مزید سوچنے کا موقع مل جائے اس امر کا غالب امکان ہے کہ اس دوران اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ بعد میں پیش آنے والے اندوہناک واقعات کے نتائج کے بارے میں غور کر کے ''طلاق'' دینے کا ارادہ ترک کردے اور خاندان تباہ ہونے سے بچ جائے لیکن افسوس صد افسوس وہ صرف اپنی فیس اور گاہک کے ہاتھ سے نکل جانے کے پس منظر میں اس غصہ میں آئے ہوئے شخص کے ارادے کو اس بے دردی سے کاغذ کے ورقوں پر منتقل کرتے ہیں کہ جس میں آئندہ تصفیہ اور صلح کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی بعض اوقات ''طلاق ناموں'' کی عبارات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طلاق دینے والا اتنے غصہ میں نہیں جتنا طلاق لکھنے والا ہے۔

Marfat.com

''طلاق'' انتہائی نازک چیز ہے جو ہنسی مذاق، ٹھٹھہ بازی، الفاظ صریح کے ساتھ نیت اور بغیر نیت رضامندی ہو یا غصہ میں ہو ہر حال میں واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ طلاق کے الفاظ ادا کرنے کی کیفیات کے مطابق طلاق کے حکم بھی بدل جاتے ہیں کہ یہی الفاظ اگر عام (نارمل) حالت میں کہے جاتے تو طلاق واقعہ نہ ہوتی لیکن جب ان الفاظ کو غصہ کے اندر ادا کیا اگرچہ وہ نامکمل کے اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہو تو ان کیفیات کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق کا حکم جاری ہو جاتا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کے انداز کے مطابق اس کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ جملہ اگرچہ ایک ہی ہو لیکن اگر اسے مختلف انداز سے جسم کے اعضاء کے مختلف اشاروں سے چہرے اور ہاتھوں کے مختلف تاثرات کے ساتھ ادا کیا جائے تو ہر ایک کیفیت کے مطابق اس کا معنی مختلف سمجھا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ ''تم وزیر بنو گے'' تو اس کو بیانیہ انداز میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ استہزاء کے طور پر بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور استفہام کے طریقے سے بھی بولا جاسکتا ہے صرف لہجہ اور ادائیگی کے بدلنے کے انداز سے اسکا مفہوم اس کا معنی اور اس کی مراد بدل جاتی ہے۔

چنانچہ فقہاء عظام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص غصہ اور غضب کی حالت میں لفظ ''طلاق'' کو ''تلاق'' ''طلاغ'' ''تلاک'' ''تلاغ'' کہتا ہے تو صراحتاً طلاق واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح وہ کلمات جو صراحتاً طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اگر ان کو غصہ کے اندر پوری طرح ادا نہ بھی کر پائے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ رضامندی، حالت رضا اور عام معمول کی حالت میں ان مکمل جملوں کے کہنے سے ''طلاق'' واقع نہیں ہوتی مثلاً ''انت طال'' کے الفاظ ادا کرنے سے حالت رضا میں طلاق نہیں لیکن غصہ اور غضب کی حالت میں طلاق ہے۔

حتیٰ کہ اگر کسی نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ سے طلاق لینے اور دینے کے جھگڑے کے دوران زمین پر تین لکیریں کھینچیں اور ہر ایک لکیر کے کھینچتے وقت یہ الفاظ کہے کہ یہ ایک یہ دو یہ تین یا تین کنکریاں یا تین ٹھیکریاں پھینکیں اور ہر کنکری پھینکتے وقت کہا کہ یہ ایک دو یہ تین...... اگرچہ لفظوں میں صراحتاً مذکور نہیں مگر غصہ کی حالت میں اور مذاکرہ طلاق میں اس کا یہ عمل بطریق خطاب ہو کر جتنی لکیریں کھینچے گا یا جتنی کنکریاں پھینکے گا اتنی ہی طلاقیں واقع ہو

Marfat.com

جائیں گی۔

کاش! گھر کے سکون کو برقرار رکھنے کے لیے اگر ہر وہ فریق چند لمحات کے لیے اپنے جوش مارتے ہوئے غصہ پر قابو پانے کا سلیقہ سیکھ لیں تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ماؤں کے بہتے ہوئے آنسو تھم جائیں اور پنگھوڑوں میں جھولتے ہوئے لاکھوں معصوم بچوں کی ہلکتی اور قلب و جگر کو پھاڑتی ہوئی صدائیں خوش کن مسکراہٹوں کی شیریں آوازوں میں بدل جائیں............!

(روزنامہ جنگ لاہور 9 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

حقیقتِ احتساب

اسلام کے بہترین اصولوں میں سے ایک اصول احتساب کا بھی ہے۔ یوم حساب کا تصور اسی پس منظر کا آئینہ دار ہے۔ جس کی رو سے ہر شخص کو اپنی نیکیوں اور برائیوں، اعمال حسنہ اور سیئہ کا حساب دینا ہوگا۔ اس کا اطلاق صرف عبادات پر ہی نہیں بلکہ معاملات میں بھی ہوتا ہے۔

فقہی اصطلاح میں احتساب کا مطلب کسی اچھائی اور نیکی کا حکم ہے جسے لوگوں نے ترک کر دیا ہو اور ایسی برائی سے روکنا جس کے لوگ مرتکب ہو رہے ہوں اور اسلامی قانون کی نگاہ میں ''یہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جس کو حکومت قائم کرتی ہے اور خاص کارندے اس کو چلاتے ہیں جو اخلاق، مذہب، معاشیات کے دائرے میں افراد کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔'' اور اس کا ماخذ قرآن حکیم کا یہ فرمان ہے ''اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ (آل عمران)

حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں احتساب کا آغاز ہو گیا تھا، ایک موقع پر جب آپ مدینہ منورہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک تاجر کو دیکھا جس نے غلہ کے تر حصے کو اندر چھپایا ہوا تھا اور خشک حصہ کو اوپر رکھا ہوا تھا تو آپ نے اس کے عمل پر انتہائی ناپسندیدگی اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ''تم نے تر حصہ اوپر کیوں نہ کر دیا تا کہ لوگ دیکھ سکتے۔ یاد رکھو! جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

عہد فاروقی میں باقاعدہ طور پر ''احتساب'' کا آغاز ہوا اور آپ نے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں محتسب مقرر فرمایا اور مدینہ منورہ میں خود ہی محتسب کے فرائض بھی سرانجام دیتے اور ساتھ ہی شفاء بنت عبداللہ کو بھی بازار کے بھاؤ تاؤ کی نگرانی کے لیے محتسبہ مقرر کیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے نہایت سختی کے ساتھ نظام احتساب پر عمل درآمد

Marfat.com

کروایا چنانچہ سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے خوب مالدار ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ کو جب اطلاع ملی تو تحقیق کے بعد آپ نے حکم جاری فرمایا کہ اس کی ہر شے کو توڑ ڈالو اور اس کے تمام مویشی لے لو (اور بیت المال میں جمع کرا دو) اور کوئی اس کو پناہ نہ دے، اور جب معن بن زائدہ نے بیت المال کی مہر کے نقش پر مہر بنوالی اور جعلی دستاویز تیار کر کے بیت المال سے کچھ رقم حاصل کر لی تو حضرت عمر فاروق ؓ نے اسے ایک سو دُرے مروائے اور قید بھی کیا، اور جب اس کے بارے میں کسی نے سفارش کی تو آپ نے اسے پھر سو کوڑے لگوائے اور جب اس نے کسی اور سے پھر سفارش کروائی تو آپ نے اسے پھر سو کوڑے لگوائے اور اسے شہر بدر کر کے اہل بصرہ کو لکھا کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھیں یعنی عوامی بائیکاٹ کریں اور ایسی صفاتِ مذمومہ کے حاملین کا یہی علاج ہے۔

احتساب اپنی اصلی روح اور اساسی فرائض کے اعتبار سے خلافت راشدہ کے عہد زریں اور اس کے مابعد دور عباسی، اموی، فاطمی اور عثمانی میں بھی موجود رہا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حقیقی مسلمان حکمرانوں کا کوئی دور کم و بیش احتساب سے خالی نظر نہیں آتا۔

محتسب اور ارکان احتساب کے لیے جن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے ان میں سے قابل ذکر صفات یہ ہیں۔ مکلف ہو، مومن ہو، صاحب عدالت ہو، صاحب الرائے، ذوالعزم، اوامر و منکرات سے مکمل واقف، علم و عمل کا پیکر، تقویٰ اور حسن اخلاق کی صفات سے متصف ہو۔

اسلام میں احتساب سے کوئی شخص بھی ماوراء اور مستثنیٰ نہیں ہے نہ سربراہ مملکت نہ وزیر اعظم نہ گورنر اور نہ ہی اداروں کے سربراہ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد کہ "خبردار تم میں سے ہر ایک راعی (نگہبان) ہے اور ہر ایک اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے چنانچہ اسلامی نظام احتساب میں حاکم اعلیٰ امت (قوم) کے سامنے مسئول اور جواب دہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کسی کو عامل یا گورنر مقرر کرنے سے قبل اس کے پاس موجود مال کی تفصیل تحریر کر لیا کرتے اور اکثر و بیشتر اس سے پوچھتے یہ کہاں سے آیا ہے۔ (گویا یہ ذمہ داری مسئول کی ہے کہ وہ ثابت کرے کہ اس کے پاس جو اثاثے منقولہ اور غیر منقولہ صورت میں موجود ہے اس کے ذرائع آمد کیا ہیں اور یہی اصول موجودہ احتساب کرنے والے

Marfat.com

حضرات اختیار کریں تو بہت جلد اور حقیقی احتساب اور بغیر قانونی موشگافیوں کے کیا جا سکتا ہے) اور اسی اصول کی روشنی میں جب عامر بن الصعق نے حضرت عمر فاروق ؓ سے شکایت کی کہ عاملوں (گورنروں) کے پاس مال بکثرت ہو گیا ہے تو آپ نے ان کے حسابات لینے کے بعد دوران گورنری حاصل شدہ تحائف کے مال ضبط کر لیا اور ایک قول کے مطابق ان کا نصف مال ضبط کر لیا اور حج کے مواقع پر اور پھر حسب ضرورت اپنے گورنروں کے خلاف برملا شکایت کرنے کا موقع دیتے اور پھر حسب ضرورت گورنروں کے خلاف احکامات جاری فرماتے۔

احتساب آرڈیننس میں موجودہ حکمرانوں نے (چاہے نگران ہوں یا معینہ مدت کے پابند) آئین کی آڑ میں اپنے احتساب سے راہ فرار اختیار کر کے احتساب کی روح اہمیت اور افادیت کو ختم کر دیا ہے۔ کیا اس طرح کے احتسابی آرڈیننس سے ان فوائد و مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے جو محب وطن افراد چاہتے ہیں؟ اس پس منظر میں حکمرانوں سے احتساب، احتساب کی تکرار، کہی ان کہی کہانیوں کی چغلی کھا رہی ہے۔ بیورو کریسی (انتظامیہ) اور مقننہ نہ کبھی احتساب کے حق میں رہی ہے اور نہ ہوگی۔ ان اداروں پر قابض افراد کے وسیع و عریض محلات، جاگیریں اندرون و بیرون ملک بنک بیلنس، قیمتی اثاثوں کا وجود ہی "احتساب" کو دعوت دے رہا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی آرٹیکلز 63,62 خود احتساب ہی کی ایک شکل، صورت اور طریق کار ہے۔ آئین کے تقاضوں کو ترک کر کے اور اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے "عوامی احتساب" کا نعرہ خود حکمرانوں کی نیت کو واضح کر رہا ہے۔ اگر واقعی عوام اتنے ہی بہترین محتسب ہیں تو وہ گزشتہ انتخابوں میں دیانتدار، صادق و امین، قابل اور ذو صلاحیت افراد کی اکثریت کو اپنی آزادانہ رائے سے منتخب کیوں نہ کر پائے اور وہ دینی اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کی چالوں کا ادراک کیوں نہ کر سکے۔ آئین کی آرٹیکلز 62، 63 کی بھٹی سے نکلے ہوئے 10 امیدواروں میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی بہتر امیدوار کا انتخاب ہوگا جبکہ اس کے برعکس 15 امیدواروں میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی بد سے بدترین کا ہی انتخاب ہوگا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 8 جنوری 1997ء)

Marfat.com

عبادات کے آداب کا اصل مفہوم

آداب کے کئی مفہوم ہیں اور ادب کا لفظ اگر ایک طرف "لٹریچر" کے معنی میں مستعمل ہے تو دوسری طرف سنت، طریقہ، عادت، طرزعمل اور دستور العمل کے لیے بھی مستعمل ہے۔ نیز روحانی پس منظر میں یہ صفات حسنہ، حسن ترتیب، شائستگی، خوش خلقی اور نفاست پسندی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ادب کی تین قسمیں ہیں جس میں سب سے اہم اور پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق خالق کائنات کے ساتھ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جلوت وخلوت میں اس کے حقوق کی نگہداشت کرے، خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح رہے جس طرح وہ جلوت میں کسی بادشاہ کے دربار میں رہتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو اتنا مرتبہ کیسے ملا؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "بحسن الصحبتہ مع اللہ تعالیٰ" یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور باادب رہنے سے، اہل دین کے نزدیک ادب نفس کی ریاضت، اعضاء کی تادیب، اللہ کے حقوق کی حفاظت اور ترک شہوات کا نام ہے۔

ادب کی دوسری قسم کا تعلق اپنے معاملات سے ہے کہ بندہ ہر حال میں مروت و شرافت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے، ہمیشہ سچ پر قائم رہے، قلیل الطعام والکلام رہے۔ ادب کی تیسری قسم کا تعلق مخلوق خدا کے ساتھ ہے جس میں ہمیشہ حسن وسلوک کا مظاہرہ کرے، سفر و حضر میں ان کے حقوق کی رعایت کرے اور مخلوق کے ساتھ اسی طریق پر عمل پیرا رہے جو سنت طریقہ ہے۔

"انما الاعمال بالنیات" کی رو سے ہر عمل کو عبادت میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن عمومی طور پر عبادات مخصوصہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے گویا ان عبادات کو بجا لانے میں مومن ہمہ پہلو اُن آداب کو ملحوظ رکھے جس کی بناء پر اس کی عبادت

Marfat.com

بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل کر لے، عبادات میں سب سے اہم مرتبہ نماز کو حاصل ہے چنانچہ

نماز کے آداب میں یہ امور شامل ہیں:

طہارت کا حصول، جس کے بارے میں خالق کائنات کا فرمان ہے۔ "فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللّٰه یحب المتطهرین" (توبہ:109) یعنی (اہل قباء) میں وہ افراد ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حبیبِ کبریا ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں فرماتا اور طہارت نماز کی کنجی ہے۔ طہارت کے آداب میں یہ امر پیش نظر رہے کہ وضو، تیمم، غسل کو مسنون طریقے سے بجالانا ہے جگہ، بدن، لباس کا پاک ہونا، قبلہ رو ہونا، نماز کے اوقات کا ہونا، اطمینان سے ارکانِ نماز کو ادا کرنا، اپنے آپ کو دوران نماز "کانک تراہ" گویا تُو خود خدا کو دیکھ رہا ہے، کے منصب پر فائز ہونا ہے۔ ذہن و قلب پر سکون کی کیفیت کو طاری کرنا، خشوع و خضوع کا حامل ہونا، دوران نماز اپنے آپ پر مسکینیت، عاجزی اور ندامت کی کیفیات کا طاری کرنا، قرآن عظیم کو ترتیل سے تلاوت کرنا، معانی میں غور وفکر کرنا، رحمت و اجر کی آیات پر اپنے اوپر ان کیفیات کے نازل ہونے کا تصور کرنا، قرآن کو اس احساس وشعور سے پڑھنا کہ یہ زمین و آسمان کے خالق، مالک اور رب کی نازل کردہ کتاب ہے۔ یہ ایک ہستی برتر کا کلام عظیم، ہمارے مالک کا نوشتہ، ہمارے فرمانروا کا فرمان نامہ اور ہمارے محبوب کا مکتوب مقدس ہے، یہ وہ ضابطہ حیات ہے جس پر ہماری دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح کا انحصار ہے، سجدہ میں اہل مشاہدہ کے مقامات مشاہدات یعنی اہل قرب محبوبین، اہل خوف عابدین اور اہل صدق سالکین کی کیفیات سے محظوظ ہونا شامل ہے، زکوٰۃ بھی عبادت ہے اور اس کے آداب میں یہ پیش نظر رکھے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اتمامِ نعمت پر واجب ہوتی ہے غرضیکہ زکوٰۃ نام ہے ادائے شکر کا جو اس نعمت کی جنس سے ہو اس حساب سے دیکھیں تو تندرستی بھی ایک نعمت ہے اور انسان پر اس کا شکریہ بھی واجب ہے اور وہی شکریہ ادا کرنا اس کی زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر عضو پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رکھا جائے، اس طرح باطنی نعمت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے اس کا شکریہ بھی ادا کرنا واجب ہے اور اس کا

Marfat.com

شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو پہچانے اور اسے نعمت جانے۔

روزہ ایک باطنی عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا، چونکہ اس عبادت کا تعلق ظاہر سے زیادہ باطن سے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء بھی بے حد و حساب رکھی۔ روزے کے آداب میں یہ امر پیش نظر رکھے کہ غذاؤں سے انسان کے نفس کی پرورش ہوتی ہے اور حرص و ہوس میں اضافہ ہوتا ہے، سیر ہو کر کھانے سے خواہشات انسان کے پورے وجود پر غلبہ حاصل کر کے ایک حجاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، بھوک سے نفس کا تصرف باطل ہو جاتا ہے اور انسان کی عقل و روحانی قوت بڑھ جاتی ہے اس وقت اسرار و دلائل ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں اور پھر روزہ دار اپنی مراد کو پہنچ جاتا ہے، اور حج بھی ایک عبادت ہے اور حج کے آداب میں یہ شامل ہے کہ احرام باندھتے وقت لذت وخواہشات سے منہ موڑ لے اور اپنے حواس کو قابو میں رکھے پھر وہ معرفت کے عرفات میں کھڑا ہو اور مزدلفہ میں الفت کا قصد کرے، پھر جب طواف وزیارت کرنے جائے تو اپنے آپ کو تنزیہ کے مقام پر لے جائے اور منیٰ میں جانور کی قربانی کے ساتھ ساتھ قربان گاہ میں نفس کی تمام غلط خواہشات کو بھی قربان کر دے۔ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کرے قلبی مشغولیت اور فکری پریشانی پیدا کرنے والی تجارت سے علیحدہ رہے، دل مطمئن اور ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ افضل ترین حاجی وہ ہے جس کی نیت سب سے زیادہ خالص ہو، اس کا سفر خرچ سب سے زیادہ پاکیزہ ہو اور اس کا یقین سب سے بہتر ہو اور جب حج کی عبادت کو اس کے آداب کی روشنی میں ادا کرتا ہے تو اس کے اثرات کو حاجی اپنے آپ پر محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ جن گناہوں کا عادی تھا وہ ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ برے رفقاء کی بجائے نیک رفقاء کو اختیار کر لیتا ہے لہو ولعب کی مجلسوں کو ترک کر کے ذکر و بیداری کی محفلوں کو اختیار کر لیتا ہے اور جب یہ خصوصیات وہ اپنے اندر پاتا ہے تو گویا اسے دنیا ہی میں حج کی قبولیت کی خوشخبری مل رہی ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 9 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

داخلی استحکام کی ذمہ داری

اسلام سے پہلے دنیا میں چار بڑے مذاہب رائج تھے یعنی ہندو دھرم، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت، ان میں سے ہندو مذہب اپنی مذہبی کتب کے حوالے سے دشمن سے ہمیشہ برسرپیکار رہنے کی تعلیمات پر مبنی مذہب ہے جس کے جنگی مقاصد میں لوٹ مار، غارت گری، شہرت و ناموس کی خواہش، قوت و اقتدار کی ہوس، ملک گیری کا جنون، انتقام، وحشت و بربریت اور قتلِ انسانی ہر شکل میں جائز ہے، اسی طرح یہودی مذہب بھی حصول مالِ غنیمت اور ملک گیری کو جنگ کا مقصد قرار دیتا ہے۔ بدھ مذہب اور عیسائیت بظاہر خون بہنے کی ممانعت کے دعویدار تھے لیکن عملاً وہ مذکورہ بالا صفاتِ مذمومہ پر ہی عمل پیرا تھے اور یہی حال ایرانیوں، رومیوں اور عربوں کا تھا۔

لیکن اس کے برعکس اسلام کا پیام زمین کو فتنہ و فساد سے پاک رکھنا اور نوع انسانی کو امن و سلامتی سے معمور کرنا تھا اور ہے اور رہے گا...... اولاً احکاماتِ جنگ و قتال مدافعانہ پس منظر میں نازل ہوئے جو مشیت ایزدی سے بعد میں آہستہ آہستہ اشاعت اسلام کا ذریعہ بنتے چلے گئے۔ پاکستان کے قیام کا ایک مقصد جہاں اسلام کو عملاً نافذ کرنا تھا وہاں مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظالمانہ کردار سے محفوظ و مامون کرنا بھی تھا اور ہر دو مقاصد آج بھی اہلِ پاکستان کے پیش نظر ہیں اور پاکستان کے استحکام کی ہر پالیسی انہی مقاصد کے آئینہ میں بننی چاہیے۔

قومی سلامتی کونسل کے قیام کے مقصد کو ہمیں صرف اور صرف جذبہ حب الوطنی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے پرکھنا چاہیے۔ جمہوری اور صدارتی نظام کوئی خدائی نظام نہیں ہیں جن پر تنقید کرنا حرام ہو، دنیا کے مختلف ممالک نے اپنے اپنے احوال اور گرد و پیش کے ممالک کے مابین تعلقات کے تحت نظام ہائے حیات اپنائے ہوئے ہیں اور اہل پاکستان کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی نظام میں اپنے حالات کے مطابق جائزہ لے کر ترمیم و تنسیخ کر سکیں۔ قومی سلامتی کونسل کے قیام میں اختلاف دستوری اور غیر دستوری روشنی میں تو کیا جا سکتا ہے

Marfat.com

لیکن اس کے قیام کو اسلامی اور غیر اسلامی اختلاف کے رنگ میں پیش نہیں کیا جا سکتا، قومی سلامتی کی ذمہ داری صرف حکمرانوں پر ہی عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی صرف ایک خاص طبقہ فوج ہی کی ذمہ داری ہے بلکہ یہ ذمہ داری ہر پاکستانی کی ہے کہ وہ قومی سلامتی میں اپنا اپنا کردار ادا کرے، اہلِ اقتدار اسے اپنے اقتدار میں کمی یا بیشی کے دائرے میں نہ پرکھیں تو یہ اہلِ پاکستان پر احسان ہوگا۔ مدینہ منورہ میں اولین اسلامی مملکت کے قیام کے وقت حضور اکرم ﷺ بیک وقت تمام امور کی خود بنفسہ نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ چاہے ان کا تعلق نظم و نسق کے ساتھ ہو یا فوجی معاملات سے یا عدل وانصاف سے یا جنگ و جہاد سے یا مملکت کی سلامتی سے۔ بعد میں نظام خلافت میں بھی خلیفہ وقت جو سربراہ مملکت کی حیثیت رکھتے تھے، ان تمام امور کی نگرانی خود فرماتے البتہ اسلامی مملکت کے وسیع ہونے کے اعتبار سے باہمی مشاورت کے دائرے میں رہتے ہوئے مختلف افراد کو مختلف عہدوں پر فائز کر کے ان کے مابین تقسیم اختیارات کر کے مملکت کے نظم ونسق کو بحسن وخوبی چلایا جانے لگا لیکن حقیقی ذمہ داری صرف خلیفہ وقت کی ہوتی تھی اور وہی جواب دہ بھی ہوتا تھا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 10 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

کرپشن کو ختم کرنے کا زریں موقع

قرآنی احکامات کی نمایاں خصوصیت حقوق العباد کا ایک مکمل اور متوازن نظام ہے۔ انسانوں کے باہمی تعلقات کو حقوق العباد کی لڑی میں اس طرح پرو دیا گیا ہے کہ ان پر کاربند ہونے سے ایک صحت مند اور امن و آشتی کا علمبردار معاشرہ معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

خاص طور پر ایسے معاشرے میں بسنے والے افراد اپنے آپ کو قناعت و امانت، دیانت و حسن معالمت کے اوصاف سے متصف ہوتے ہوئے رزق حلال کے حصول میں مصروف عمل رہتے ہیں، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

اے ایمان والو! اللہ نے جو پاک چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں انھیں حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں جو کچھ حلال اور طیب رزق تمھیں دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (المائدہ)

چنانچہ کسب حلال کی اہمیت کو حضور اکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ معیشت کو حلال طریقے سے حاصل کرنا یہ انسان کے فرائض کی ادائیگی کے بعد دوسرے درجہ کا اہم فریضہ ہے لیکن بدقسمتی سے آج معاشرے میں ایسے افراد دن بدن زور پکڑتے جا رہے ہیں جنھوں نے حلال ذرائع آمدن کو ترک کرتے ہوئے حرام ذرائع کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے یہاں تک کہ اب تو حکمران طبقہ یا غیر حکمران طبقہ میں تمیز کرنا اور عوام و خواص میں تفریق کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے اور اس حرام ذریعہ آمدن کو کرپشن (Corruption) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کرپشن بیک وقت بہت سے برے معانی پر استعمال ہوتا ہے جن میں خاص طور پر بدنوانی، بداطواری، بدچلنی، رشوت ستانی اور رشوت خوری شامل ہیں۔ ان میں کوئی ایک ایسا معنی بھی نہیں ہے جسے اچھے مفہوم میں استعمال کیا جا سکتا ہو گویا یہ لفظ منبع و مجموعۂ فساد ہے۔ یہ اپنی وسعت کے اعتبار سے قومی ڈاکوؤں، لٹیروں، مکاروں، بہروپیوں، رشوت خوروں، ہوسِ

Marfat.com

زر کے پجاریوں، قرض خوروں، غداروں، ٹیکس چوروں، رشوت خوروں، حرام خوروں، مکار و چالباز سیاستدانوں، صنعتکاروں، جاگیرداروں، سمگلروں، رسہ گیروں، دین فروشوں، عوامی اور قومی خدمت کے جھوٹے دعویداروں سب کو شامل ہے۔ ان میں کوئی بدعنوانی کا مرتکب ہے تو کوئی بداطواری اور بدچلنی کا حامل، کوئی رشوت ستانی میں ملوث تو کوئی رشوت خوری میں مبتلا (الا ماشاء اللہ) عام تاثر یہی ہے کہ پاکستان میں کوئی فرد جتنا بڑا غنڈہ، بدمعاش، ڈاکو، چور، لٹیرا اور کرپٹ ہوگا، اتنا ہی بڑا سیاستدان ہوگا یا پھر بیوروکریسی کے اتنے ہی بڑے عہدے پر فائز ہوگا، اور یہ تاثر کوئی اتنا غلط بھی نہیں ہے کیونکہ کسی شعبہ کو بھی لے لیں خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری بدعنوانیوں سے بھرا پڑا ہے۔

ان گھمبیر حالات میں مبتلا ہونے کے باوجود اگر آج بھی ہم چاہیں تو تبدیلی لائی جا سکتی ہے لیکن شرط یہی ہے کہ ہم اجتماعی حیثیت سے اسلامی احکامات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں۔ مسلمان کی ذمہ داری صرف اسی قدر نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر بھلائی پر عمل پیرا ہو اور برائی سے باز رہے بلکہ یہ اس کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دے اور انھیں برائی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے ایک اور ارشاد میں فرمایا:

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں اور فرمایا:

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بندہ ایک حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے تو اس کا چالیس دنوں کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

جب لوگ ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں گے تو اس کے بعد بہت جلد ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔

خدا نے آج ہمیں کرپشن کو جڑ سے اکھاڑنے کا بہترین موقع عنایت کیا ہے کہ ہم انتخاب کے موقع پر غلط امیدواروں کو ووٹ نہ دیں بلکہ اچھی قیادت کے پیروکاروں کو ووٹ دے کر اچھی قیادت کو برسراقتدار لائیں۔ موجودہ حالات میں بالآخر عوام کو اخلاقی، اصلاحی اور

Marfat.com

ذمہ دارانہ کردار ادا کرنا پڑے گا۔

اگرچہ کرپشن کے انسداد کے لیے قوانین موجود ہیں لیکن اس کا کیا علاج کہ کرپشن کا انسداد کرنے والے نہ صرف خود کرپشن میں حصہ دار ہوتے ہیں بلکہ کرپشن کے فروغ میں اپنا پورا پورا کردار ادا کرتے ہیں، اور کرپشن نہ کرنے والوں کو اتنا تنگ کیا جائے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی صورتحال سے دوچار ہو کر کرپشن میں حصہ دار بن جائیں۔

ایسی صورتحال میں ہمارا قومی فرض یہی ہے کہ ہم اپنے مفادات سے بالاتر ہو کر کرپشن کے انسداد کے لیے کام کریں اور جب آئینی طریقے سے کرپٹ اور ظالم حکمرانوں سے خلاصی پانے کا موقع مل رہا ہے تو اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے تو ہمارے مسائل کا حل نکلنا شروع ہو جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

(روزنامہ جنگ، لاہور 12 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ناموں کو بگاڑنا، اللہ کا ناپسندیدہ عمل

''فاروق الحق''، ''مولانا ڈیزل''، ''مولانا دھرنا''، ''مولانا وہسکی''، ''ڈبل بیرل خان''، ''شہری بابو''، ''امریکن سنڈی''، ''یہودی ایجنٹ'' وغیرہ وغیرہ، یہ اور اس طرح کے دیگر نام نہاد صفاتی اسماء سے پکارا جانا معاشرے میں رہنے والے افراد کی ذہنیت کی زبوں حالی پر نوحہ فغاں نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا اس طرز عمل کو اس لیے قبول کر لیا جائے کہ یہ حکمرانوں کا فیشن ہے؟

کیا اس طرز عمل کو اس لیے برداشت کیا جائے کہ یہ ناکام حکمرانوں کا حکمرانی کی دولت سے محرومی کا ردعمل ہے؟

کیا اس قبیح حرکت کو اس لیے معمولی سمجھا جائے کہ یہ صاحب اقتدار حضرات کے روزمرہ کے مزاح کے ہلکے پھلکے شگوفے ہیں؟

کیا اس قابلِ نفریں عمل سے اس لیے درگزر کیا جائے کہ یہ وقتی جذبات کا ابال ہے جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سرد ہو جائے گا؟

کیا اس طرح کے ناموں کا استعمال ماضی اور حال کے کرسی نشین حضرات کی سوچ، فکر اور ان کے زاویۂ نگاہ کا آئینہ دار نہ ہوگا؟ جو مستقبل میں آنے والے افرادِ ذی اقتدار کے لیے ایک مثال کا کام دے گا اور اگر وہ بھی انہی کی طرح کے ہوئے تو وہ بھی اسی روش پر تکبر و غرور سے عمل پیرا ہو کر آئندہ معاشرے کو بھی پراگندہ خیال نہ کریں گے؟

کیا موجودہ معاشرے میں بھی یہ طرز عمل ''بڑوں کی پیروی کرنے والے'' چھوٹے طبقہ کے افراد کے لیے قابلِ عمل طریقہ ثابت نہ ہوگا؟

اور اسی طرح کے دیگر سوالات سنجیدہ فکر حضرات کے تفکرات میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں کہ ہم معاشرے کو کن اخلاقی اساس پر استوار کر رہے ہیں اور معاشرے کی تباہی اور بربادی پر آنسو بھی بہاتے ہیں۔

Marfat.com

اگر ناموں کی تبدیلی مزاح کی حد تک ہو یا زبان کا ذائقہ تبدیل کرنے کی خاطر ہو یا اظہارِ حقیقت کے لیے ہو تو یقیناً برداشت کی جانی چاہیے لیکن اگر اس طرح کی تبدیلی سے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام میں توہین کا پہلو نکلتا ہو تو یہ ایک عام مسلمان کے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہے چہ جائیکہ کسی صاحبِ شعور اور فکر کی بات کریں۔

یقیناً محترمہ کو سابق صدر ضیاء الحق شہید سے کئی مواقع پر ذاتی اور سیاسی طور پر نقصانات پہنچیں ہوں گے جن پر اظہار خیال کرنا ان کا قانونی اور اخلاقی حق ہے لیکن ضیاء الحق کے نام کی آڑ میں کسی بھی شخص کے نام کو اس طرح بگاڑنا جس میں لفظ ''الحق'' کا استعمال بار بار بگاڑ کر لیا جائے، یہ عمل قابل نفرت ہے۔

لفظ ''الحق'' اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک اہم اسم ہے تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ فن تصوف کی ایک عظیم شخصیت نے عالم وارفتگی میں ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا تھا تو انھیں تختہ دار پر لٹکنا پڑا کیونکہ اس نعرے میں ذات باری سے ظاہری طور پر التباس پیدا ہو رہا ہے۔ جب عالم وارفتگی پر گرفت کا یہ انداز ہے تو جہاں بالارادہ اور قصداً ''الحق'' کو بگاڑ کر استعمال کیا جائے تو یہ عمل ناقابل معافی ہے۔

مزید برآں جس شخص کے نام کو بگاڑا جا رہا ہے اس شخص کے نام میں کہیں بھی لفظ ''الحق'' نہ استعمال ہوتا ہے اور نہ اس کے نام کا جز ہے تو گویا محترمہ بار بار اس بات کا بانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ انھیں فاروق کے نام کے ساتھ ساتھ ''الحق' کے نام کے ساتھ بھی نفرت ہے اور وہ لفظ ''ضیاء'' کو بگاڑ کر پکارتیں تو شاید اس میں کوئی تاویل کی جا سکتی لیکن ''الحق'' میں کوئی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی۔

علم نفسیات کے نزدیک ناموں کے بگاڑنے میں کوئی نہ کوئی نفسیاتی الجھن یا نفسیاتی پس منظر ضرور کارفرما ہوتا ہے جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن میں سے اہم اسباب علم کی کمی، تربیت میں خامی، ذہنی حالت میں عدم اعتدال، کم عقلی، خاندانی مسائل کی کثرت، جاگیردارانہ ذہنیت، احساسِ برتری، تحکمانہ انداز فکر، خاندانی وجاہت پر تکبر و غرور کا عنصر، پسندیدہ چیز کی عدم دستیابی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ فیصلہ قارئین کر سکتے ہیں کہ محترمہ کے ناموں کے بگاڑنے کی وجوہات میں مذکورہ اسباب میں سے کون کون سے اسباب ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح آج کل معاشرے میں جو دیگر افراد کے ناموں کو بگاڑ کر استعمال کیا جاتا

Marfat.com

ہے وہ بھی کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہیں۔ جس طرح محترمہ کا عمل قابلِ گرفت ہے اسی طرح ان ناموں کے استعمال کرنے والے افراد کا عمل بھی قابل گرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ ''کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔'' (القرآن)

حضور اکرم ﷺ کا عمل تو یہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ برے ناموں کو بدل کر ان کے عوض اچھے نام رکھ دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

اور یہی سنت ہمارے لیے رہنمائی کا سامان مہیا کر رہی ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 16 جنوری 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

روزے کے آداب

گفتگو میں حسن لہجے کے زیر و بم سے، ادائیگی الفاظ میں ٹھہراؤ سے، آواز میں بلندگی و پستی کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ تحریر میں خوبی الفاظ کے انتخاب اور معانی کے ارتباط سے پیدا ہوتی ہے۔ مکتوب میں کمال الفاظ کی جامعیت اور پیغام کی افادیت و اہمیت سے پیدا ہوتا ہے تو گویا تصورات و خیالات کو جب الفاظ کا جامہ پہنایا جائے تو ان مذکورہ آداب کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جب بھی کوئی عمل باحسن طریقہ سے عمل میں لانا مقصود ہوتا ہے تو اس کے مالہ وماعلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے مناسبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس امر پر عمل پیرا ہو۔

روزہ میں بھی کچھ آداب کا خیال رکھنا پڑتا ہے تاکہ روزہ رکھنے کی چاشنی دوبالا ہو جائے۔ صرف بھوکے پیاسے رہنے سے روزے میں وہ لطافت و نظافت پیدا نہ ہوگی جس کا روزہ مقتضی ہے۔ جب روزے کے ساتھ ساتھ اس میں حسن وخوبی پیدا کرنے والے دیگر اعمال کو بھی بجا لایا جاتا رہے تو بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی مشقت راحت میں بدل جاتی ہے۔ روزے کے آداب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

رمضان کے ماہِ مقدس میں عبادات سے خواہ وہ فرضی ہوں یا نفلی خصوصی شغف پیدا کیا جائے، خاص طور پر فرض نمازوں کی ماقبل اور مابعد کی سنتوں کا خصوصی اہتمام پیش نظر رہے۔

قرآن عظیم کی تلاوت میں باقاعدگی پیدا کی جائے کیونکہ قرآن حکیم کا اس ماہ مقدس سے خصوصی تعلق ہے۔ نہ صرف قرآن مجید بلکہ دیگر آسمانی کتب اور صحیفے بھی اسی متبرک مہینے میں اترے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر اسی ماہ میں صحیفے اترے۔ حضرت داؤدؑ، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ پر توراۃ اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ پر انجیل بھی اسی معظم مہینے میں نازل ہوئیں۔ جس قدر قرآن کی تلاوت زیادہ ہوگی قرآن کو سمجھنے اور تفہیم کا موقع بھی زیادہ دستیاب ہوگا۔

Marfat.com

تراویح میں قرآنِ عظیم کو سننے کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ پورے ماہ میں ایک مرتبہ قرآن پاک کا پڑھنا اور سننا سنت ہے۔ تراویح کی نماز میں خشوع وخضوع اور شوق و ذوق ہمرکاب رہے تو قرآن سننے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

سحری میں تھوڑا سا جلدی اٹھ کر نماز تہجد کا انتظام کرلیا جائے تو پروردگار سے تعلق کا انداز ہی مختلف ہو جاتا ہے اور "کانک تراہ" (گویا تُو اس کو دیکھ رہا ہے) کا تصور ہی عجب بہار دکھاتا ہے۔

حضور اکرم نور مجسم علیہ السلام کا ارشاد ہے "رمضان غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا مہینہ ہے۔"

اس حکم کے بموجب اس مہینے میں جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کا سامان مہیا کیا جائے۔ افطاری اور سحری کے اوقات میں بے سہاروں اور ناداروں کو رزق وافر مقدار میں فراہم کیا جائے۔ حتیٰ الوسع غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کو صدقہ و خیرات دیا جائے اور حدیث کریمہ سے ہمیں یہی رہنمائی حاصل ہو رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضور اکرم ﷺ سخی اور فیاض تو تھے ہی لیکن رمضان المبارک کے اندر آپ کی سخاوت اور فیاضی بہت بڑھ جایا کرتی تھی۔

ایک اور حدیث میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ رمضان مواسات کا مہینہ ہے یعنی حاجت مندوں، غریبوں اور فقراء کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا مہینہ۔

اگرچہ رمضان کی تمام راتیں ہی برکتوں والی راتیں ہیں لیکن رمضان کا آخری عشرہ پہلے دو عشروں سے زیادہ بابرکت ہے اور اس آخری عشرہ کی طاق راتیں یعنی 21، 23، 25، 27 اور 29 کی راتیں، کیونکہ ان طاق راتوں ہی میں سے کسی ایک رات میں شب قدر آتی ہے اور اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور طاق راتوں میں یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہیے اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یا غفور یا غفور یا غفور. اے میرے پروردگار تُو بہت ہی زیادہ معاف فرمانے والا ہے، تُو معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے اس لیے تُو مجھے معاف فرما دے، اے بہت مغفرت فرمانے والے، اے بہت مغفرت فرمانے والے، اے بہت مغفرت فرمانے والا۔

روزے کے آداب میں یہ امور بھی شامل ہے کہ روزہ رکھ کر نہ تو جھوٹ بولا

Marfat.com

جائے، روزے کی حالت میں ہر برائی اور بدی سے دور رہنے کی کوشش کی جائے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''جس شخص نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹے عمل کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ انسان بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔''

روزے کی حالت میں نہ زبان سے بدکلامی کرنی ہے، نہ بے شرمی کی بات کرنی ہے، نہ گالی گلوچ کرنی ہے، نہ فتنہ و فساد بپا کرنا ہے، نہ ہنگامہ آرائی کرنی ہے کیونکہ روزہ ان تمام برائیوں سے ڈھال کا کام کر رہا ہے۔

دنیا کا پہلا مذہب

مکرمی میں آپ کی توجہ روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 10 جنوری 1997ء میں شائع ہونے والا کالم ''نشان راہ'' کا مضمون ''داخلی استحکام کی ذمہ داری'' کی جانب مبذول کرنا چاہوں گی۔ اس مضمون کا آغاز صاحب مضمون نے اس فقرے سے کیا ہے:

''اسلام سے پہلے دنیا میں چار مذہب رائج تھے'' جبکہ یہ تسلیم شدہ بات ہے اور ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ بھی ہے کہ اسلام کی ابتدا حضرت آدمؑ کی پیدائش سے بھی پہلے ہو چکی تھی اور حضرت آدم دنیا میں آنے والے پہلے بشر تھے لہٰذا دنیا کا سب سے پہلا مذہب ''اسلام'' مانا جاتا ہے باقی کے تمام مذاہب اسلام کی تعلیمات کو درست طور پر نہ سمجھنے سے وجود میں آئے۔ اس طرح سے کیا یہ کہنا درست ہے کہ اسلام سے پہلے کوئی بھی مذہب یا مذاہب رائج تھا یا تھے؟ براہ کرم درجہ بالا فقرے پر نظرثانی کی جائے اور میری بھی تصحیح کی جائے۔ (دروانہ بنت غازی لاہور)

(روزنامہ جنگ، لاہور 17 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

روزے کے آداب

ابتدائے آفرینش سے معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم ہو کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم مختلف معاشروں میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتی رہی ہے۔ دنیاوی اعتبار سے یہ تقسیم اسلام میں ناپسندیدہ عمل قرار پاتی ہے، البتہ اسلام میں درجہ بندی کا معیار اعمالِ صالحہ پر بنا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کہیں تو ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بلند تر وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔" اور کہیں فرمایا "بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔" اور یہ درجہ بندی رسولوں کے درمیان، متقی اور پرہیزگاروں کے درمیان، روحانی اور دینی اعتبار سے ہے۔

روزہ بھی چونکہ ایک عمل صالح ہے اس لیے اس میں بھی درجہ بندی روزے دار کی نیت اور ارادے کے مطابق ہوگی۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

روزے کے تین درجے ہیں (1) عوام کا روزہ (2) خواص کا روزہ (3) خواص الخواص کا روزہ۔

ان میں سے سب سے بلند ترین درجہ خواص الخواص کے روزہ کا ہے، اس طبقہ کے روزے دار کے دل میں سوائے ذکرِ الٰہی کے تصور کے اور کوئی تصور ہی نہیں آتا اور یہ اپنے دل کو ہر آن، ہر لمحے اور ہر ساعت اسی کے ذکر کی طرف لگائے رکھتا ہے اور نہ اس سے کوئی ایسی حرکت صادر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اور اس اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے کہ اگر ان کے دل میں ماسوا اللہ کا تصور بھی آ جائے تو ان کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ان میں سے کسی شخصیت نے روزہ رکھا ہوا ہے، روزہ رکھنے کے بعد گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس سے روزہ کھولا جا سکے، اگر دن کے کسی لمحہ کے اندر یہ فکر ذہن میں آ جائے کہ آج روزہ کس چیز سے کھولا جائے گا تو اس عظیم المرتبت شخصیت کے ذہن میں اس تصور کا آنا بھی گناہ میں شمار ہوگا کیونکہ اس تصور کے آنے سے خالق کائنات کے رازق ہونے کا یقینِ کامل متزلزل ہو گیا اور یہ درجہ صرف انبیائے کرام اور رسل عظام کو حاصل ہے۔

دوسرے درجہ کا روزہ خواص کا ہوتا ہے۔ ان کا روزہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو

Marfat.com

اشیائے خورد و نوش اور نفسانی خواہشات کے علاوہ تمام برائیوں سے دور رکھتے ہیں۔ اس درجہ کے افراد حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اپنے آپ کو ہمہ وقت روزہ توڑنے والی پانچ چیزوں سے بچائے رکھتا ہے، جن میں جھوٹ بولنا، چغلی کرنا، بے جا نکتہ چینی کرنا، جھوٹی قسم کھانا اور کسی کو شہوت والی نگاہ سے دیکھنا شامل ہیں۔ خواص اپنے روزے میں ایسا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے کوئی بے جا اور اخلاق سے گرا ہوا لفظ نہ نکلنے پائے، اس لیے وہ از روئے احتیاط اپنے اوقات کو قرآن عظیم کی تلاوت اور عبادات میں مصروف کار رکھتے ہیں اور اس کیفیت کی تائید حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے ہو جاتی ہے کہ...... ایک دن دو روزے دار عورتیں پیاس کی شدت سے اس قدر دوچار ہوئیں کہ کیفیتِ مرگ محسوس کی، چنانچہ ان دونوں عورتوں نے حضور اکرم ﷺ سے روزہ کھولنے کی اجازت لینا چاہی چنانچہ آپ نے ایک برتن میں پانی بھیجا تاکہ وہ پانی پی کر اس میں قے کر دیں۔ جب انھوں نے پانی پی کر قے کی تو دونوں کے حلق سے جمے ہوئے خون کے ٹکڑے نکلے۔ صحابہ کرام حیران و پریشان ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ان دونوں عورتوں نے (اگرچہ) روزہ حلال چیز سے رکھا لیکن بعد میں حرام چیز (چغلی اور غیبت) سے اس کو توڑ دیا، یہ جو ان کے حلق سے خون نکلا ہے یہ ان لوگوں کے گوشت کا خون ہے جن کی انھوں نے چغلی کی تھی۔"

خواص نہ صرف جھوٹ اور غیبت نہ کریں، بلکہ ان کو سنیں بھی نہ کیونکہ ان کے لیے کہنا اور سننا دونوں برابر کے گناہ ہیں۔ یہ نہ زیادہ سوئیں، نہ زیادہ کھائیں اور نہ ہی مشتبہ چیزیں استعمال میں لائیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے "اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کا بھرے ہوئے پیٹ سے بڑا دشمن اور کوئی نہیں۔"

اور سب سے کم درجہ کا روزہ عام افراد کا ہوتا ہے اگرچہ ان کو بھی مذکورہ تمام باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن ایمان میں مکمل پختگی نہ ہونے کی بنا پر تھوڑی سی سہولیات دی گئی ہیں۔ ان چیزوں سے ان کا روزہ ٹوٹتا تو نہیں ہے البتہ روزہ میں کراہیت آ جاتی ہے۔

روزے کو اگر پورے آداب سے رکھا جائے اور ان آداب کو بجا لانے کی سعی اور کوشش کی جاتی رہے تو یقیناً دن بدن ہر روزے دار کے مقامات اور درجات آہستہ آہستہ بلند سے بلند ہوتے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی کوشش رائیگاں نہیں فرماتا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 18 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ وہ کون سے ہیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا (1) اور جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو۔ (2) اور جب تمھیں بلائے (اور تمہاری دعوت کرے) تو قبول کرو۔ (3) اور جب تم سے خیر خواہی چاہے تو اس سے خیر خواہی کا مظاہرہ کرو۔ (4) اور جب اسے چھینک آئے اور وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو جواب میں تشمیت یعنی "یرحمک اللہ" کہو (5) اور جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ (6) اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں ساتھ جاؤ۔

کائنات کے اندر اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے پس منظر میں مسلمان کو ہر لحہ عبادت میں مصروف عمل رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس کی تسبیح و تذکیر کرنا، جملہ عبادات کو اپنے اپنے اوقات و مقامات میں ادا کرنا ضروری اور لابدی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ معاشرتی، اخلاقی اور انسانی جذبہ سے معمور ایسے افعال بھی لازم کیے گئے ہیں جن کی بناء پر ایک بہترین قابل تعریف اور اپنی مثال آپ معاشرہ معرضِ وجود میں لایا جائے، ایسا معاشرہ جس میں امن کا دور دورہ ہو، آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں اچھے جذبات کا اظہار ہو، ایک دوسرے سے بھلائی کرنے کا جذبہ کارفرما ہو۔ بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ ترین اخلاق کا مظاہرہ ہو۔

اس حدیث مبارکہ میں سلام کرنے کو مقدم کیا ہے۔ سلام کرنے اور سلام کے جواب دینے کے پس منظر میں جانبین، فکری اور عملی طور پر اس امر کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی سلامتی کے طالب ہیں۔ اسلام نے ان نیک اور پرخلوص جذبات کے اظہار کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہ اثر پذیری اور نتائج کے اعتبار سے دوررس اثرات کے حامل ہیں۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ کے الفاظ ادا کرنے والا شخص اور وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ و

Marfat.com

برکاتہ کے الفاظ سے جواب دینے والا شخص اپنے قول، فعل اور اعضاء سے اس امر کی یقین دہانی کرا رہا ہوتا ہے کہ وہ امن و سلامتی کا پیغام لے کر آیا ہے اور جواب میں بھی امن و سلامتی کا منتظر ہے۔

تین اوقات میں سلام کرنا سنت ہے۔ گھر میں آنے کی اجازت چاہتے وقت، ملاقات کے وقت اور رخصت ہونے کے وقت۔ اس حدیث مبارکہ میں ملاقات کے وقت والے سلام کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھے ہوئے کو راستہ میں ملنے کے وقت پیچھے سے آنے والا آگے والے کو اور اگر دونوں سامنے سے آ رہے ہیں تو چھوٹا بڑے کو اور چند افراد زیادہ افراد والی جماعت کو سلام کریں۔

اسی طرح جب کوئی مدد کے لیے یا کھانے یا عام دعوت میں شرکت کے لیے بلائے تو ضرور اس دعوت میں شرکت کی جائے اور یہ عمل آپس میں محبت اور الفت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے، خیر خواہی کرنے اور خیر خواہی چاہنے کا عمل زندگی کے ہر میدان کو شامل ہے۔ آپس میں جذبات کے اظہار سے بھی خیر خواہی نمایاں ہو رہی ہو، اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو مشورہ دینے میں بھی خیرِ خواہی کا اظہار ہو رہا ہو، اگر کوئی شرعی مسئلہ پوچھے تو اس کے جواب میں بھی خیر خواہی مطلوب ہو۔ خیر خواہی کی طلب نہ صرف اپنی ذات کے لیے ہو بلکہ اپنے خاندان، معاشرہ، ملک اور وطن میں رہنے والے تمام افراد کے لیے بھی ہو۔

چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والے سب یا ایک جواب میں کہیں یرحمک اللہ کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو پھر چھینکنے والا کہے یھد یکم اللہ و یصلح بالکم۔

اگر چھینک بیماری سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی کا ذریعہ ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا سنت ہے۔

بیمار کی عیادت اور خدمت کرنا عام حالات میں سنت ہے۔ لیکن اگر عیادت اور خدمت کرنے والا کوئی بھی موجود نہ ہو تو کبھی فرض عین اور کبھی فرض کفایہ بن جاتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا اور تُو نے میری مزاج پرسی نہ کی، بندہ عرض کرے گا کہ یا الٰہی میں تیری عیادت کیسے کرتا تُو تو جہانوں کا رب ہے۔ تو خالق

Marfat.com

کائنات ارشاد فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تُو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اس حدیث مبارکہ میں اشارتاً یہ فرمایا گیا ہے کہ بندۂ مومن بیماری کی حالت میں رب تعالیٰ سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اس کے پاس آنا گویا رب تعالیٰ کے پاس ہی آنا ہے اور اس کی خدمت گویا رب کی اطاعت ہے اور حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے بھی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آپ ہر غریب و امیر کے گھر بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بیمار آدمی پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے اور فرماتے اے لوگوں کے رب بیماری دور کر دے اور شفاء دے چونکہ تُو شافی ہے۔

نماز جنازہ کے ساتھ جانا بھی سنت اور فرض کفایہ ہے اور دفن کے وقت حاضر ہونا بھی سنت ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان سے بہ نیت ثواب جائے اور اس کے ساتھ ہی رہے حتیٰ کہ اس پر نماز پڑھ لے اور اس کے دفن سے فارغ ہو جائے تو وہ ثواب دو قیراط (کی مانند) حصے لے کر لوٹے گا اور ہر حصہ احد کے برابر ہوگا۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ ہمیں اس حدیث مبارکہ میں دیے گئے تمام افعال پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 19 اپریل 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

صرف ایک لمحہ کے لیے سوچیے

دنیا کے چند روزہ عارضی بادشاہ کے دربار میں کسی نے حاضر ہونا ہو تو وہ اپنے لیے کس قسم کا لباس زیب تن کرنا پسند کرے گا؟

لباس کے انتخاب اور زیب تن کرنے میں اس کی ترجیحات کیا ہوں گی؟

کیا وہ پھٹا پرانا، گندا، جا بجا پھٹا ہوا، چیتھڑوں والا، بدبودار، حقارت آمیز، مضحکہ خیز لباس پہن کر بادشاہ کے حضور پیش ہونا پسند کرے گا؟

اگرچہ اس کی اپنی حیثیت بادشاہ کے مقابل کچھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی حیثیت اور شان کے مطابق عمدہ سے عمدہ حالت میں پیش ہونا چاہے گا، آخر کیوں؟

سربراہ مملکت نے کسی دعوت میں سفراء، وزراء اور مملکت کے مقتدر اور اصحاب ذی وقار کو مدعو کیا ہوا ہے تو ایسی پرتکلف اور ہردلعزیز دعوت میں ہر ایک کی کوشش یہی ہوگی کہ وہ عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر جائے جو اس کی تہذیب، ثقافت کا آئینہ دار بھی ہو اور اس کے اپنے وقار اور عظمت کے مطابق بھی ہو۔ آخر کیوں؟

کسی ملک میں سائنس دانوں، انجینئروں، ڈاکٹروں، علماء وفضلاء، ماہرین فنون، اہل قلم وعلم اور اصحاب ادب و ہنر کی "عالمی کانفرنس" منعقد ہو رہی ہو تو شرکائے مجلس میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوگی کہ وہ ایسا لباس زیب تن کرے جو اس کی عظمت پر دلالت کر رہا ہو، آخر کیوں؟

لوئر کورٹس سے لے کر سپریم کورٹ تک عدالتوں میں پیش ہونے والے انتہائی تعلیم یافتہ وکلاء، بیرسٹرز جب کرسی عدالت پر فروکش جج حضرات کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو کالے رنگ کے کوٹ، کالی اچکن، کالی ٹائی اور کالے گون اور مخصوص لباس میں کیوں پیش ہوتے ہیں اور اگر اپنے مخصوص لباس میں پیش نہ ہوں تو "توہینِ عدالت" آخر کیوں؟

یونیورسٹی اور جامعات میں منبع علوم پروفیسرز حضرات جن تشنگان علم کو بحر علم سے سیراب کرنے کے لیے کلاس رومز میں تشریف لاتے ہیں تو مخصوص لباس (جبہ) زیب تن کیے

Marfat.com

ہوتے ہیں، آخر کیوں؟

فارغین اہل علم وفن کو تقسیم اسناد کے ''کانووکیشن'' میں سند وصول کرنے والے اہل علم سے لے کر تقسیم اسناد میں شریک پروفیسرز، وائس چانسلر، چانسلر اور سند تقسیم کرنے والے مہمان خصوصی تک سب کے سب مخصوص انداز، مخصوص ہیئت اور مخصوص لباس میں، آخر کیوں؟

بری بحری اور فضائی افواج من جملہ رینجرز اور پولیس میں سے ہر ایک کی یونیفارم الگ الگ کیوں؟ ہر ایک کا رنگ مختلف کیوں؟ آخر وہ سب ایک ہی مشن، ایک ہی مقصد، ''دفاعِ وطن'' کے جانثار سپاہی ہیں تو پھر ہر ایک کی یونیفارم الگ الگ کیوں؟

اوقات ڈیوٹی میں ایک سپاہی سے لے کر کمانڈر انچیف تک کا اپنے اپنے مخصوص لباس میں زیب تن ہونا تو بجا لیکن سربراہ مملکت، وزیر اعظم، ملکی اور غیر ملکی وفود سے ملاقات کے وقت حتیٰ کہ غیر ملکی دوروں میں بھی اپنے اپنے یونیفارم میں ملبوس ہونا، آخر کیوں؟

غیر ملکی سفراء اپنی اسنادِ سفارت پیش کرتے وقت یا اپنے قومی دنوں کے موقع پر دی گئی دعوتوں اور استقبالیوں میں اپنے قومی لباس میں پیش ہوتے ہیں، آخر کیوں؟

ڈاکٹر حضرات جب شفاخانوں، ہسپتالوں اور آپریشن تھیٹرز میں جاں بلب مریضوں کو حیاتِ نو بخشنے کا سامان مہیا کر رہے ہوتے ہیں تو مخصوص لباس زیب تن کیے ہوئے، آخر کیوں؟

سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہنگم اور غبار آلود ماحول میں ٹریفک کو کنٹرول کرنے والے مستعد اور جفاکش حضرات ایک ہی طرح کا لباس پہنے ہوئے، آخر کیوں؟

فضاؤں اور ہواؤں کو چیرنے اور دیوقامت چنگھاڑتے ہوئے ہوائی جہازوں کو کنٹرول کرنے والے پائلٹ اور ان میں تھکے ماندے مسافروں کو راحت و سکون پہنچانے والے خدمت گزار خادمین و خادمات کا لباس اور ایئر پورٹ پر رواں دواں عملہ کا مخصوص لباس اور ہر ایک کا الگ الگ، آخر کیوں؟

لیکن جب بادشاہوں کے بادشاہ حاکموں کے حاکم، امراء کے امیر کے حضور نماز کی حالت میں ہم اس عظیم ذات مقدسہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ہماری ہیئت، ہماری حالت، ہمارا لباس، ہمارا انداز، سر سے ننگے اگر ہے بھی تو مسجد سے اٹھائی ہوئی ٹوپی، گریبان چاک، کف کھلے ہوئے، آستینیں چڑھی ہوئی۔ آخر کیوں؟ آخر کیوں؟ آخر کیوں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 22 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

صرف ایک لمحہ کے لیے سوچئے

جب ہم دنیاوی جاہ وجلال کے مالک افراد اور مختلف محافل ومجالس میں پیش ہونے کے آداب کا اتنا خیال رکھتے ہیں تو ''احکم الحاکمین'' اور ''مالک الملک'' کے حضور پیش ہونے میں حد درجہ احتیاط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

احوالِ نماز ہمیں اسی امر کا احساس دلاتی ہیں کہ جس کے حضور پیش ہوا جا رہا ہے وہ ہستی اتنی مقدس اور متبرک ہے کہ جس مکان اور محل میں پیش ہونے کا قصد کیا جا رہا ہے اس مکان ومحل کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، کسی نجس اور ناپاک جگہ میں اس کے حضور پیش ہونے یا اس کا متبرک نام زبان پر لانے کا ارادہ بھی نہ کیا جائے۔ مکان کے ساتھ ساتھ جسم کی طہارت، لباس کی پاکیزگی کے بغیر عبادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

نیز لباس اس طرح کا ہو جو بدن انسانی کو ڈھانپ رہا ہو۔ حضور اکرم ﷺ سے نماز کی ادائیگی کے وقت بدن کے جن جن اعضاء کا ڈھانپنا منقول ہے اس میں سر بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ مساجد میں نمازیوں کی سہولت کے لیے ٹوپیوں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انتظام اپنی جگہ بجا اور جس کی ضرورت سے انکار بھی نہیں ہے لیکن بہر حال سوچنے کی بات ہے کہ نمازی نے جو قیمتی لباس اور عمدہ سوٹ زیب تن کیا ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ہماری مساجد میں مروجہ ٹوپی کی ہیئت اور ثمنیت میں جس قسم کی مناسبت ہوتی ہے وہ اہل نظر سے اوجھل نہیں۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ جہاں ہم نے اپنی جیب میں ''چھوٹی'' سی کنگھی اور ''ننھا'' سا آئینہ رکھا ہوتا ہے اور جس اہتمام سے ان دونوں کو حرز جان بنایا ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت سفید ہلکی کپڑے یا سوت کی ٹوپی بھی دوسری جیب میں رکھ لی جائے جو لباس اور شخصیت کے حسن میں اضافہ بھی کر رہی ہو، جو ایک مسلمان کے شایان شان بھی ہو اور جو حقیقی بادشاہ کے سامنے اس کی عظمت کے مناسب پیش ہونے کا احساس بھی دلا رہی ہو اور جب ایک غیر مسلم مسلمان کو اس اہتمام والصرام سے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کے منظر کو

Marfat.com

دیکھے گا تو یقیناً متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔

اسی طرح کے عدم توجہی کے مظاہرے ناظرین آئے روز ٹی وی کے پروگراموں میں بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ فاضل مقرر احادیثِ نبویہ سے مزین نہایت شستہ انداز میں سیرت نبوی اور آپ کی حیات مبارکہ کے اطوار مبارکہ کو بیان کر رہا ہے۔ آپ کی ایک ایک ادا کو دلنشیں انداز میں اجاگر کیا جا رہا ہے اور ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تلاوت بھی ہو رہی ہے۔ قرآن کی آیات کے حوالے بھی دیے جا رہے ہیں لیکن قرآن کریم کو جن آداب کے ساتھ اور جس اہتمام کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے وہ ندارد۔ قرآن کریم کی تلاوت کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کو کلام الٰہی کے پس منظر میں پڑھا جائے تاکہ اس کا ادب واحترام پڑھنے اور تلاوت کرنے والے کی ایک ایک ادا سے عملاً ظاہر ہو رہا ہو۔ بارگاہِ نبوی میں ہدیۂ نعت پیش کیا جا رہا ہے لیکن اس کے پڑھنے کے ادب واحترام کو پس پشت ڈال دیا گیا ہو تو نہ سنانے والے کو وہ لطف محسوس ہو سکتا ہے اور نہ سننے والے کو وہ حظ محسوس ہوگی۔ عبادت کو عبادت ہی کے پس منظر میں ادا کیا جائے تو عبادت کرنے کا لطف محسوس ہوتا ہے وگرنہ وہ معمول کی کاروائی نظر آتی ہے تاکہ یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ ٹی وی پر اتنے فیصدی دینی پروگراموں کو بھی وقت دیا جاتا ہے اور نشریاتی ادارے تبلیغ اسلام میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی پروگرام چونکہ روح اسلام سے خالی ہوتے ہیں اس لیے اس کے وہ اثرات بھی مرتب نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں۔

ہم عبادات کو فرض سے سبکدوشی کے نقطہ نظر سے ادا کرتے ہیں، کاش کہ ہم عبادات کو عبادات کی روح سے ادا کریں تو محسوس ہوگا کہ واقعی عبادت روح کی غذا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 23 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

رمضان کے دوسرے عشرے کی خصوصیت

اگرچہ رمضان کا پورا مہینہ اپنی خصوصیات کی بناء پر خصوصی اہمیت کا حامل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فیضانِ رحمت و بخشش میں مزید اضافہ کرنے کی وجہ سے اس ماہ مقدس کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تاکہ اس کے بندے اس کی رحمتوں سے کماحقہ اپنے دامن کو معمور کر سکیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور آخری عشرہ جہنم سے آزاد کرتا ہے۔'' گویا جہنم سے آزادی منحصر ہے خالق کائنات کی مغفرت پر اور مغفرت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہو۔

بفضل تعالیٰ رمضان کے پہلے عشرے میں روزے دار اس کے حکم پر عمل پیرا ہو کر اپنی جھولیوں کو اس کی رحمت سے بھرتے ہوئے دوسرے عشرے میں اس کی مغفرت کے طالب بن کر داخل ہو رہے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

''اس میں چار عادات کثرت سے اپناؤ، دو کاموں سے اپنے رب کو راضی کرو اور دو کام وہ ہیں جن کے بغیر تمھیں چارہ کار نہیں۔ وہ دو کام جن کے ساتھ تم اپنے رب کو راضی کرو یہ ہیں (1) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (2) اس سے بخشش مانگو۔ اور دو باتیں جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور جہنم سے اس کی پناہ مانگو۔ جو شخص اس مہینے میں کسی آدمی کو سیر کر کے کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے پانی پلائے گا جس کے بعد وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔''

پروردگارِ دو جہاں کی تو شان ہی یہی ہے کہ انسان گناہوں میں کتنا ہی مستغرق کیوں نہ ہو چکا ہو لیکن جب بھی اس کے درِ نیاز پر سر کو جھکا کر استغفار کرے گا تو وہ یقیناً بخشش فرمائے گا۔ اس کا ارشاد ہے ''جن لوگوں نے برے کام کیے اور اپنی جانوں پر ظلم کیے (پھر)

Marfat.com

جب بھی وہ اللہ کو یاد کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش چاہیں گے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، رحم کرنے والا پائیں گے۔"

ہر درد کی دوا ہے اور گناہ کے درد کی دوا استغفار ہے، ہر چیز کا حیلہ ہے اور گناہوں کا حیلہ استغفار کے کلمات کو پڑھنا ہے۔

استغفار گناہوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے بلکہ ارحم الراحمین سے گناہوں کی بخشش چاہنا ہی گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو استغفار کرے گا اس کا ہر غم رفع ہوگا اور ہر تنگی سے وہ نجات پائے گا اور اس کو رزق اس جگہ سے پہنچے گا جہاں اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔"

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے رب العزت سے دریافت کیا کہ اے میرے پروردگار کیا تو کسی گنہگار کو دوست رکھتا ہے؟ تو فرمایا ہاں میرے خلیل میں بخشش چاہنے والے گنہگار کو دوست رکھتا ہوں۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"کیا وجہ ہے کہ مومن کا رزق استغفار پڑھنے سے بڑھ جاتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے اور اس کے لیے کوئی کفارہ بھی ادا نہیں کرتا تو اس کا رزق اس کے کفارے میں آ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے معاش میں تنگی ہو جاتی ہے اور جب وہ استغفار کرنے لگتا ہے اور گناہ کی معافی چاہنے لگتا ہے تو اس وقت یہ استغفار اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور رزق کشادہ ہو جاتا ہے۔

من حیث المجموع ہمارے دردوں کی دوا اس عشرے میں طلب مغفرت میں مضمر ہے۔

نوٹ۔ مورخہ 17 جنوری کے شمارے میں محترمہ دردانہ صاحبہ کا ایک مراسلہ شائع ہوا جس میں 10 جنوری کے "نشان راہ" کی ایک عبارت کے بارے میں توضیح چاہی گئی ہے۔ خوشی اس امر پر ہوئی کہ قارئین نہایت دلچسپی اور تنقیدی نگاہ سے مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں جو اطمینان بخش امر ہے اور مقصود بھی یہی ہے۔

لفظ "اسلام" جس وقت مطلقاً استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ دین ہوتا ہے جس کو خاتم النبیین حضور اکرم ﷺ لائے ہیں اور عبارت کے سیاق وسباق سے بخوبی معلوم ہو

Marfat.com

جاتا ہے کہ اس مقام پر ''اسلام'' کن معنوں میں استعمال ہو رہا ہے، چنانچہ اس شائع شدہ عبارت کے سیاق وسباق میں ''ہندو دھرم، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت'' کا تذکرہ ہو رہا ہے اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ یہ مذاہب اس ''اسلام'' کے دور سے پہلے کے ہیں جس دور میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں نہ کہ آدم علیہ السلام کے زمانے کا اسلام۔ اس لیے سیاق وسباق کے اعتبار سے عبارت میں ابہام نہیں ہے۔ شکریہ!

(روزنامہ جنگ، لاہور 24 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

احترامِ قانون دعویٰ کی حد تک

احترام قانون کسی بھی معاشرے کی ترقی وعروج کا ضامن ہوتا ہے، معاشرے کی بقا کا انحصار قانون کے احترام میں پوشیدہ ہے، معاشرے میں بسنے والے افراد چاہے تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، صاحب علم ہوں یا اَن پڑھ، شہری تمدن میں بسر اوقات کرنے والے ہوں یا دیہات میں نانِ جویں تلاش کرنے والے، میدانوں میں بسنے والے ہوں یا پہاڑوں کے دامنوں میں بسیرا کرنے والے، سب ہی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن قانون پر عمل کرنے کے تقاضوں سے جب عملاً اعراض اور پہلو تہی کرتے ہیں تو عائلی زندگی سے لے کر بین الاقوامی ماحول تک میں فساد بپا ہو جاتا ہے اور جس کے نتیجے میں چھوٹے سے گھر سے لے کر محلّہ، قصبہ، شہر، صوبہ، ملک اور ممالک کا امن وسکون غارت ہو جاتا ہے۔

یہ امر نہایت حیران کن ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود قانون کی پابندی اور احترام کرنے سے گریزاں کیوں رہتا ہے۔ مفکرین نے اس کی دو اہم وجوہ بیان کی ہیں (1) خودغرضی اور مفاد پرستی (2) اپنے آپ کو قانون سے بالاتر تصور کرنا، چنانچہ جب معاشرے کی تباہی و بربادی پر نگاہ پڑتی ہے تو عمومی طور پر یہی نظر آتا ہے اور جب خاص طور پر حکمران اور نام نہاد طبقۂ شرفاء کے افراد ان دونوں برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو معاشرے میں انحطاط نہایت سرعت سے ہونے لگتا ہے۔ اسلام نے ان وجوہ کا تدارک جس انداز سے کیا ہے اگر اس پر عملدرآمد ہو جائے تو چاہے معاشرہ کتنا ہی بگڑ گیا ہو تب بھی امن وآشتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”کہ اللہ کی حدود (قانون) بلاتمیز وافتراق سب پر جاری کرو اور کسی کی ملامت (خلاف ورزی) کرنے والے کی پیروی نہ کرو۔“

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آپ نے قانون کی پیروی کرنے والوں اور اس پر عمل

Marfat.com

درآمد کرنے والوں کی عظمت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"قیامت کے روز جب ذاتِ باری تعالیٰ کی ذات کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ عدل کرنے والے حاکم اور قانون کا احترام کرنے والے کو اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔"

اگرچہ یہ واقعہ بارہا نگاہوں سے گزرتا رہے گا لیکن رہبرِ کائنات علیہ السلام نے اس میں معاشرے کی تباہی اور بربادی کی جو اصل وجہ بیان فرمائی ہے باوجود زمانے کے تغیر و تبدل کے اس کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے اور جس طرح ماضی میں معاشرے کے فساد کی جڑ یہی وجہ تھی اسی طرح صدیاں گزرنے کے بعد بھی معاشرے میں فساد کا بنیادی اہم عنصر یہی وجہ ہے، چنانچہ مصورِ اکرم اور بسم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک اونچے خاندان کی عورت نے چوری کی چنانچہ کچھ لوگوں نے آپ کی قربت کے دلدادہ ہم نشین صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس خاتون کے بارے میں سفارش کریں کہ ان پر چوری کی حد جاری نہ کی جائے، جب اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے مقصد کو بیان فرماتے ہیں تو آپ نے اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کے چھوٹوں کے جرم کے ارتکاب پر تو ان کو سزا دے دی جاتی تھی اور جب بڑے کسی جرم کا ارتکاب کرتے تو ان کو معاف کر دیا جاتا تھا، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی (خدانخواستہ) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔

یہ کوئی ایسا تاریخی واقعہ نہیں ہے جس کو لذتِ زبان کے لیے صرف نظر نواز کر دیا جائے بلکہ یہ قیامت تک کے لیے ہر قوم اور معاشرے کے لیے اپنے اندر ہدایت رہبری اور عبرت کا سامان لیے ہوئے ہے۔

ہم پھر بھی قانون کے احترام کا دعویٰ کرتے ہیں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 26 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

احترامِ قانون دعویٰ کی حد تک

جب معاشرے میں بسنے والے افراد یا کوئی صاحب منصب شخص اپنے آپ کو قانون سے بالاتر تصور کرنے لگے اور مفاد پرستی و خودغرضی اپنے پاؤں جما لے تو اس معاشرے کو تباہ و برباد ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ جب یہ مذکورہ افراد اپنی اپنی خواہشات کے بندۂ بے دام بن جاتے ہیں تو عذابِ الٰہی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''پس تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرو اور اس سچے قانون کو چھوڑ کر جو تمھارے پاس آیا ہے، صرف لوگوں کی خواہش کی پیروی کرتے ہوئے (ترک نہ کرو)۔

ہمارا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قانون ساز ادارے یا قانون ساز فرد جب قانون بناتا ہے یا اس کا نفاذ کرتا ہے تو اس کے پس منظر میں اپنا کوئی نہ کوئی مفاد یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا پہلو پیش نظر ہوتا ہے جس کی بنا پر تائید الٰہی حاصل ہونے کی بجائے غضبِ الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تو اس بارے میں انتہائی سخت الفاظ سے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے:

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

پہلی والی آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ذریعے ہمیں نہ صرف قانون کے احترام کی ترغیب دی ہے بلکہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق افراد کے مابین فیصلہ کرنے کا حکم بھی دیا ہے، قانون کا احترام صرف عوام پر ہی لازم نہیں ہے بلکہ حکمرانوں پر بھی اسی طرح لازم ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا حکمران طبقہ جب خود قانون کا احترام نہیں کرتا تو عوام میں بھی قانون اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔

Marfat.com

قانون تو مساوات کا درس دیتا ہے لیکن حکمرانِ طبقہ اپنے آپ کو مافوق الفطرت مخلوق خیال کرتے ہوئے سب کے سامنے قانون کی دھجیاں اڑاتا ہوا اور قانون کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا یوں گزرتا ہے جیسے اس سے افضل ترین مخلوق دنیا میں نہیں ہے۔

وی آئی پی سسٹم کو آپ کوئی عنوان بھی دیں، اس کی جو توجیہات بھی کریں، اس کے فوائد اور اہمیت پر جس قدر چاہیں لیکچر دیں لیکن یہ ادنیٰ اور اعلیٰ امیر اور غریب میں طبقاتی کشمکش پیدا کرنے کا شعوری جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جب اصحابِ منصب اور حکمران افراد کے گزرنے کے لیے راستوں کو بند کر دیا جائے، ضرورت مند افراد کے لیے رکاوٹیں قائم کر دی جائیں تو خود احترامِ قانون کا سبق دینے والے کسی ایک حکمران شخصیت کے لیے احترامِ قانون کو پس پشت ڈال دیں تو پھر حکمرانوں کا یہ شکوہ کرنا کہ عوام قانون کا احترام نہیں کرتے بے جا شکوہ ہے۔

صحابہ کرام کی حیات طیبہ اور خصوصاً خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے تو ہمیں سب کے لیے چاہے ان کا تعلق حکمران طبقہ سے ہو یا محکوم طبقہ سے، یہی سبق ملتا ہے کہ نہ صرف وہ خود قانون کا احترام کرتے تھے بلکہ احترام کراتے بھی تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر فائز ہوتے ہی جو بصیرت افروز خطبہ دیا وہ سراپا احترامِ قانون کا شاہکار ہے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا:

تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی ترین ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے نہ دلا دوں اور تم میں سے قوی شخص میرے نزدیک کمزور ترین ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 27 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آئین کی مقدس آرٹیکلز 62-63

ہماری یہ عادت فطرت ثانیہ بن گئی ہے کہ ہم جس چیز کو پسند تو کرتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے تو اس کو ''متبرک اور مقدس'' قرار دے کر انتہائی احترام کرتے ہیں، دل و جان سے اس کی توقیر کرتے ہیں، جس قدر اس کی تعریف و توصیف بیان کی جا سکتی ہو، جس قدر اس کی خوبیاں اور اچھائیاں بیان کی جا سکتی ہوں، کرتے ہیں اور اس کی رفعتوں اور عظمتوں کو بیان کرنے میں کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑتے جو اس میں کمی اور نقص کا احساس دلائے اور اس کو منبع خیر و برکت قرار دیتے ہیں لیکن جب اس مقدس، متبرک، سرچشمہٗ خیر و برکت اور رفعتوں اور عظمتوں والے حکم پر عمل کرنے کے بارے میں کہا جائے تو لبوں پر مُہر لگ جاتی ہے، ذہن و قلب پر تفکرات کے بادل چھا جاتے ہیں، تدبر و تفکر کے سوتے بند ہو جاتے ہیں، آئیں بائیں، شائیں کرنے لگتے ہیں، حالات اور اس کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے مشورے ملنے لگتے ہیں، معروضی حالات کو پیش نظر رکھنے کے بارے میں کہا جانے لگتا ہے، عالمی حالات آڑے آنے لگتے ہیں، اپنی اپنی مجبوریوں، اپنے اپنے وقتی فوائد اور مفادات کی آڑ لے کر عذر تلاش کرنے لگتے ہیں اس مقدس اور متبرک حکم سے پہلو تہی کرنے کے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں گویا:

جب تیرا ہی جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ہیں۔

حکمران اپنی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، عوام اپنے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، دین کے نام پر سیاسی جماعتیں اپنے اپنے جماعتی مفادات کو ہر اصول پر قربان کرتی ہیں لیکن پھر بھی اصولوں پر قائم رہنے کا دعویٰ کرتی ہیں، جماعتی مفادات وطن کے مفادات پر غالب آ جاتے ہیں، اسلام کے نام پر غیر اسلامی حکومت سے تعاون کرتے ہیں، مفادات حاصل کرتی ہیں لیکن پھر بھی اسلامی اقدار کو تحفظ دینے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ معلوم نہیں یہ اگر غیر

Marfat.com

اسلامی حکومت کے لیے بلاواسطہ اور بالواسطہ تعاون نہ کرتیں تو اسلام پر کیا قیامت ڈھلتی۔

افسوس صد افسوس یہ عمل ہم سب کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے، ہم پورے ایمان و یقین کے ساتھ قرآن عظیم کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں، اس کی کتاب اللہ ہونے میں نہ شک رکھتے ہیں اور نہ تردد کا اظہار کرتے ہیں، حضور اکرم نور مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین اور ارشادات پر مکمل اعتقاد کا بلا جھجک اظہار کرتے ہیں، اپنے لیے قرآن وسنت کو سرچشمۂ فیض قرار دیتے ہیں لیکن جب عمل کے لیے دعوت دی جائے تو......

چونکہ قرآن حکیم مقدس کتاب ہے اس لیے اس کا مکمل احترام بجالاتے ہیں، اس کو نہایت قیمتی غلافوں میں لپیٹ کر رنگین کپڑوں میں سلوا کر پورے احترام کے ساتھ الماریوں میں سجا کر رکھتے ہیں، احادیث مبارکہ کی کتابوں کو عمدہ جلدوں میں مجلد کروا کر صاف شفاف چمکتے ہوئے شیشوں کے پیچھے الماریوں کو زینت بخشتے ہیں۔

لیکن جب عمل کے لیے دعوت دی جائے تو انھیں طاق نسیاں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

یہی سلوک ہم نے آئین کی ''مقدس'' آرٹیکلز 62-63 کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔

آئین کی آرٹیکل 62 پر عمل کرنا اتنا ہی لازمی ہے جتنا الیکشن کو مقررہ مدت میں کرانا لیکن چونکہ اس کو ''مقدس'' سمجھتے ہیں اس لیے اس کے ساتھ چاہے حکومت ہو یا الیکشن کمیشن ہو، چاہے سیاسی پارٹی ہو یا دینی سیاسی جماعتوں کے علمبردار ہوں، چاہے آزاد امیدوار ہوں یا ووٹرز ہوں آرٹیکل نمبر 62 کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتے ہیں جو مقدس اور متبرک کتاب کے ساتھ کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

لیکن ان تمام کوتاہیوں اور عذرات کے باوجود وطن کی محبت کا تقاضا ہے کہ جماعتی اور انفرادی فوائد کو چھوڑتے ہوئے آرٹیکل 62 کے مطابق امیدوار کو ووٹ دے کر وطن اور اسلام کے عائد شدہ فرض سے سبکدوش ہوں۔

آرٹیکل 62 کے مطابق مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت کی تفصیلی شرائط کے مطابق ہم نے اپنے ووٹ کا استعمال کرنا ہے اور جن کا علم ہونا ہر محب وطن پاکستانی کے لیے ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

پاکستان کا شہری ہو۔

پچیس سال کی عمر سے زائد اور بطور ووٹر انتخابی فہرست میں درج ہو۔

Marfat.com

سینٹ کی صورت میں عمر 30 سال سے زائد اور بطور ووٹر اس جگہ جہاں سے رکنیت چاہتا ہو، درج ہو۔

اچھے کردار کا حامل اور احکام اسلام کا پابند ہو۔

اسلامی تعلیمات کا علم رکھتا ہو، فرائض کا پابند اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو۔

سمجھدار، پارسا، ایماندار، امین ہو۔

اخلاقی پستی یا جھوٹی گواہی کے جرم کا سزا یافتہ نہ ہو۔

قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت یا نظریہ پاکستان کا مخالف نہ ہو۔

اس آرٹیکل کی ہر شرط ہمیں ایک اچھے مسلمان پاکستانی کو منتخب کرنے کی مکمل آزادی دے رہی ہیں، ووٹ کے ڈالتے وقت ہم سب کا نگہبان باری تعالیٰ وہاں یقیناً ہمیں دیکھ رہا ہوگا جس کے سامنے ہم سب جواب دہ ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 29 جنوری 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

اہلِ پاکستان کا اپنا بھی ایک خوبصورت لباس ہے

خود ساختہ ترقی یافتہ ممالک نے ہمارے اردگرد ایسے ماحول کا جال بُن دیا ہے کہ ہم ہر وقت احساسِ کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان سے گفت وشنید بھی کریں تو اندازِ تخاطب سائلانہ ہوتا ہے، ان کے در پر منگتے بنے رہتے ہیں، ان کی برائیوں کی بھی نقالی کرنا ''باعث افتخار'' سمجھتے ہیں، نشست و برخاست حتیٰ کہ آرائشِ جسم و جان کے اعتبار سے بھی انھیں کا چربہ نظر آنے کی کوشش میں مگن رہتے ہیں۔

کیونکہ ہماری پرورش، تربیت و پرداخت جن آقاؤں اور مربیوں نے کی تو انھوں نے ہمارے اذہان میں یہ بات اس قدر راسخ کر دی ہے کہ جب تک تم اپنے معاملات میں ہماری تقلید نہ کرو گے ہمارے دامن سے چمٹے نہ رہو گے، ہمارے ظلِ عاطفت میں بسیرا نہ کرو گے، ہمارے حضور فقراء کی مانند دست دراز نہ کرو گے، ہمارے نظام معیشت، نظام سیاست اور خاص طور پر نظام معاشرت و اخلاق کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بنا لو گے اس وقت تک تم دنیا کی رعنائیوں سے لطف اندوز نہ ہو سکو گے جس کے نتیجے میں

پاکستانیوں کو پاکستانی لباس سے نفرت ہوگئی!

اہل پاکستان کو اپنی مادری زبان سے نفرت ہوگئی!

پاکستان کے باسیوں کو اپنی ثقافت سے نفرت ہوگئی!

گلستان پاکستان میں بسیرا کرنے والوں کو اپنی معاشرت سے نفرت ہوگئی!

حواس باختہ اخلاق کو اپنانے میں اخلاق کریمانہ سے نفرت ہوگئی!

طبقاتی نظام معیشت کے دلدل میں پھنس کر عادلانہ نظام معیشت سے نفرت ہوگئی، جمہوریت کے حسین نام کی چاہت میں اسلام کے شورائی نظام سیاست سے نفرت ہوگئی۔ ظلم و جبر پر مبنی انسان کے خود ساختہ قوانین کے فریب میں قوانین خداوندی سے نفرت ہوگئی اور ہمیں جن چیزوں میں ان کی پیروی کرنی چاہیے ان سے اعراض کرتے ہوئے خواب خرگوش کی مانند

Marfat.com

سو رہے ہیں۔ یقیناً کسی ایک معینہ لباس میں ''اسلام'' نہیں ہے لیکن ''اسلام'' میں لباس تو ہے ایسا لباس جس میں نہ کفار کے لباس سے مشابہت ہو نہ اعضائے جسمانی سے عریانی کا ظہور بلکہ جس میں طہارت و پاکیزگی کا اظہار ہی اظہار ہو۔

لباس کے زیب تن کرنے میں مسلمان اتنا ''بنیاد پرست'' نہیں جس قدر غیر مسلم اور یورپ کا آزاد خیال شخص ''تنگ لباس' میں ''تنگ نظر'' ہے۔

کیا کبھی کسی امریکی صدر یا وزیر نے شوقیہ طور پر ہی سہی پاکستانی لباس زیب تن کیا؟

نہیں! کیونکہ اسے پاکستانی لباس سے نفرت ہے۔

کیا کبھی کسی جرمن کے چانسلر نے مشرقی لباس پہنا؟

نہیں! کیونکہ اس کی نگاہ میں مشرقی لباس حقیر ہے۔

کیا کبھی کسی جاپانی شہنشاہ نے مشرقِ وسطیٰ کا قومی لباس پہنا؟

نہیں! کیونکہ اس کی روایات کے خلاف ہے۔

کیا کبھی عظیم برطانیہ کے بادشاہ یا ملکہ نے اپنے زیر تسلط مملکتوں میں سے کسی مملکت کا قومی لباس پہنا؟

نہیں! کیونکہ حاکم محکوموں کا لباس نہیں پہنتے۔

کیا کسی ہندو وزیر اعلیٰ نے کبھی عربی لباس پہنا؟

نہیں! کیونکہ اس سے ''اسلام'' کی بو آتی ہے۔

تو پھر ہمیں اپنے وطن کے قومی لباس کے بارے میں احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

کیا پاکستان کے قومی لباس میں انصاف نہیں کیا جا سکتا؟

کیا پاکستان کے قومی لباس میں حکمرانی کا ذائقہ تلخ ہو جاتا ہے؟

کیا پاکستان کے قومی لباس میں انتظامی امور ادا نہیں کیے جا سکتے؟

کیا پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل قائداعظمؒ، پہلے وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان، مشرقی پاکستان سے خواجہ ناظم الدین اور مغربی پاکستان کے گورنروں میں سے عبدالرب نشتر اور نواب امیر خان آف کالا باغ وغیرہ نے قومی لباس زیب تن کر کے پاکستانیوں کا سر فخر سے بلند نہ کیا؟

Marfat.com

بلکہ نواب امیر خان آف کالا باغ گورنر پنجاب کی مخصوص شخصیت کی پہچان ہی پاکستان کے قومی لباس کو مستقل زیب تن کرنے میں پنہاں تھی۔

تعجب ہے ان کو پاکستان کے قومی لباس میں گورنری کرتے ہوئے احساس کمتری کا احساس کیوں نہ ہوا، اس لیے کہ انھیں وطن کی طرف منسوب ہر چیز سے قلبی محبت تھی۔ انسانی خامیوں کے باوجود وہ آج کے حکمرانوں سے کہیں زیادہ عوام میں قابل احترام خیال کیے جاتے تھے۔

جب قوم کے قائدین اپنے وطن سے منسوب چیزوں کے بارے احساس کمتری اور نفرت کا اظہار کریں گے تو عوام تو ان کی پیروی کرتے ہوئے بدرجہ اولیٰ نفرت کا اظہار کریں گے۔

جب طالبین انصاف اپنے قائد ''قائداعظمؒ'' کے لباس میں کرسی عدالت پر متمکن منصفین کو دیکھتے ہیں تو انھیں ان میں اپنے قائد کی جھلک نظر آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

پاکستان کے قومی لباس سے محبت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب حکمران، اصحابِ اقتدار، طبقہ اشرافیہ کے متوسلین بھی قومی لباس کو زیب تن کریں تاکہ مایوس عوام میں احساسِ برتری پیدا ہو کہ ہم ایک آزاد ملک کے آزاد باشندے ہیں...... کاش ہم آزاد ہوتے!

(روزنامہ جنگ، لاہور 30 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آخری عشرہ کی برکات

اگرچہ رمضان المبارک اپنی ابتدائی لحات کی پہلی آن سے لے کر اپنے اختتام کی آخری آن تک خالق حقیقی کی رحمتوں، عظمتوں، رفعتوں اور برکتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اس ماہِ مقدس کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں اس کی رحمتوں کا نزول نہ ہوتا ہو لیکن اس بابرکت مہینے کے آخری دس ایام وشب کی برکتیں ایک طرف اور پورے سال کی عبادتیں دوسری طرف رکھ دی جائیں تب بھی اس آخری عشرے میں کی ہوئی عبادات کا پلڑہ بھاری رہے گا۔ اس لیے کہ اس آخری دس دنوں کے لیل ونہار میں ''جہنم کی آگ'' سے رہائی ہی رہائی ہے اور جہنم سے دور رہنا ہی مقصد حیات انسانی ہے۔

ان آخری دس دنوں میں عبادت گزار بندے کے جسم وروح میں وہ یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے جس کا جسم انسانی متقاضی ہوتا ہے، اس ماہ کے پہلے دوعشروں کے معمولات جو طبیعت انسانی پر ثقیل محسوس ہوتے تھے اب وہ راحتِ جان کی حیثیت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔

یہ آخری عشرہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہر کہ اور مہ کو عمومی طور پر اور تجلیاتِ الٰہی میں غوطہ زنی کرنے والے کو خصوصی طور پر اپنے خالق سے منقطع رابطہ کو دوبارہ متصل کرنے کا زریں موقع فراہم کرتا ہے۔

اور جب وہ حالتِ اعتکاف میں خلوت گزینی کی صورت میں اپنے خالق سے، شعوری اور غیر شعوری طور پر سرزد گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بحر بیکراں کی وسعتوں کی حامل رحمتوں کا اور اس کے حبیب ''رحمتہ للعالمین'' کی شفقت ونصرت کا واسطہ اور وسیلہ پیش کرتا ہے تو طلبِ مغفرت کی وجدانی کیفیت کچھ اور تجلیات کا مشاہدہ کراتی ہے اور عالم وارفتگی میں پکار اٹھتا ہے:

اٹھا پردہ دکھا جلوہ......

Marfat.com

سرور کائنات حضور اکرم ﷺ رمضان المقدس کے آخری عشرے میں بارگاہ حمدیت میں باریابی کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''حضور اکرم ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں جس اہتمام سے عبادت کرنے کی سعی فرماتے تھے وہ دوسرے ایام میں آپ کا معمول نہ تھا، ایک اور روایت میں آپؓ اس خصوصی اہتمام کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ''آپ ﷺ آخری عشرہ میں پوری تیاری فرما کر عبادت میں مصروف ہو جاتے خود بھی راتوں کو جاگتے اور گھر والوں کو بھی (عبادت کے لیے) جگاتے۔

اس عشرہ کی طاق راتوں (21، 23، 25، 27، 29) میں تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، درود شریف کا ورد کثرت سے کرنا چاہیے اور جس قدر ممکن ہو نوافل کی ادائیگی میں مصروف رہے اور کثرت سے ان راتوں میں یہ وظیفہ پڑھے ''اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یا غفور! یاغفور! یاغفور!'' (اے میرے پروردگار! تو سراپا درگزر کرنے والا ہے۔ درگزر کو پسند فرماتا ہے تو پس میرے (گناہوں) سے درگزر فرما، اے مغفرت فرمانے والے! اے مغفرت فرمانے والے! اے مغفرت فرمانے والے!

حضور اکرم نور مجسم علیہ التحیۃ و الثناء کا ارشاد ہے ''تم لوگوں میں ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا اس رات کی خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جو شخص شب قدر میں عشاء کے بعد سات دفعہ سورۃ ''القدر'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے جنت کی دعا کرتے ہیں اور جو شخص اس رات چار رکعت اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہر رکعت میں فاتحہ اور سورہ ''کوثر'' ایک بار اور سورہ ''اخلاص'' گیارہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر سکرات موت کو آسان کر دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لیلۃ القدر بیدار ہو کر گزاری اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، اسے اپنی رحمت میں جگہ عطاء فرمائی اور جبرائیل علیہ السلام نے اس پر اپنے پر پھیرے تو وہ جنت میں

Marfat.com

داخل ہوا۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

''جو شخص رمضان المبارک کے آنے پر خوشی کا اظہار کرے اور اس کے جانے کا غم کرے تو اس کے لیے جنت ہے اور اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 31 جنوری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ووٹ ضرور ڈالئے

پاکستان کا قیام ''ووٹ'' ہی کے مرہون منت ہے اگر 1947ء میں مسلمان اور مسلمانوں کی قیادت یہ فیصلہ کرتی کہ ہم نے ''تقسیم ہند'' کے فیصلہ میں ''ووٹ'' نہیں ڈالنے تو کیا اس دھرتی پر پاکستان کا معرض وجود میں آنا ممکن تھا...... یقیناً نہیں!

پاکستان کے قیام میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرے کی حقانیت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہماری بدقسمتی رہی کہ ہم اس نعرے پر عمل نہ کر سکے لیکن بہرحال پاکستان کے قیام میں مسلمانان ہند کے ''ووٹ'' نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

اس الیکشن میں ''بائیکاٹ'' اور ''ووٹ'' نہ دینے کی اپیل کرنے والوں کے نزدیک چونکہ ''اقتدار'' پر شریفانہ طریقہ سے قبضہ کرنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے اس لیے ان کی اپیل قابل فہم ہے۔ وہ لاکھ دلائل دیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ چوروں اور لٹیروں سے ''احتساب'' کروانا جس قدر ''منصفانہ'' ہوگا وہ ہر ایک پر عیاں ہے۔

اس وقت اصل مسئلہ ''اقتدار'' نہیں پاکستان کی بقا اور سالمیت کا ہے اقتدار آنی جانی شے ہے پاکستان قائم و دائم رہتا ہے تو اقتدار ملتا رہے گا۔

یہ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حقائق تاریخ کے دبیز پردوں میں چھپ جائیں لیکن جب بھی تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کی جائے گی تو حقائق خود بول اٹھتے ہیں پاکستان کے قیام کی مخالفت کرنے والے آج کس طرح پاکستان کے وجود کو برداشت کر سکتے ہیں یا وہ کس طرح پاکستان کو پھلتا پھولتا دیکھ سکتے ہیں؟

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد اگر دینی قیادت اپنے آپ کو اسلامی سیاست سے الگ تھلگ نہ کر لیتی تو آج کافی حد تک ان اندوہناک حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا کیونکہ اس دور کے اندر عوام اپنے نمائندے ''قانون سازی'' کے لیے منتخب کرتے تھے اور قانون بننے کے بعد اس پر عملدرآمد کرانے کے مواقع مل جاتے ہیں اور دینی قیادت عدالتوں کے ذریعے قوانین پر عملدرآمد کروا سکتی تھی لیکن اس خلا کی وجہ سے ایسے افراد کو اقتدار پر قبضہ کرنے کا

Marfat.com

موقع بلاحیل و حجت اور بغیر رکاوٹ کے حاصل ہو گیا جس کے نتیجے میں انھوں نے اپنے انداز کا نظام قائم کر دیا۔

کیا دینی سیاسی جماعتیں اب ان کے قائم کیے نظام کے اندر چوروں، ڈاکوؤں، لٹیروں، غنڈوں اور ان کے علاوہ دیگر بڑی بڑی کرپشن میں مبتلا شخصیات کی عدالتوں، کچہریوں، تھانوں میں ضمانتیں کرانے کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟ کیا وہ علاقے کی گلیوں، کوچوں، محلوں اور سڑکوں وغیرہ کی صفائی کرنے کے لیے تیار ہیں اگر وہ ان مسائل کو حل نہ کر پائیں تو عوام اور مخدوموں کی ''گالیاں'' کھانے کے لیے تیار ہیں؟ کیونکہ یہ جمہوریت کے ''تحفے'' ہیں اور جن سے فرار ممکن نہیں۔

جبکہ صورتحال اس قدر تشویش ناک ہوگئی ہے کہ اگر کسی سیاسی دینی جماعت کی ''خدمات'' کا تذکرہ ٹی وی اور دیگر میڈیا پر نہ کیا جائے تو اس کے لیے باقاعدہ ''دھرنے'' کا پروگرام پیش کیا جاتا ہے جہاں ''اسلام'' کے لیے ''اخلاص'' کا یہ عالم ہو تو......

موجودہ احوال میں اسلام کے نام پر جس قدر جماعتیں منقسم ہوتی چلی جائیں گی تو اسی قدر اسلامی سیاسی جماعتوں کی اہمیت کم ہوتی جائے گی لیکن نقصان اسلام کو پہنچے گا جس کی تلافی اسی شکل میں ممکن ہوسکتی ہے۔

1- اسلامی سیاسی جماعتیں مدبرانہ حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اور ''جماعتی مفادات'' اور ''بلیک میلنگ'' سے اعتراض کرتے ہوئے ہر دو بڑی جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت سے سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تاکہ عوام کو اسلام کے نام پر انتشار سے بچایا جائے ''اگرچہ ماضی میں تھوڑا سا تجربہ کیا گیا تھا لیکن مذکورہ وجوہات اور نادیدہ ہاتھوں نے اسے ناکام کر دیا۔''

اگرچہ موجودہ قائدین کی ترجیحات کی بنا پر مشکل ضرور ہے کیونکہ ہر قائد کی خواہش یہی ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور اسے ہی قائد تسلیم کیا جائے تو فبہا وگرنہ......

لیکن ناممکن نہیں نیز مستقبل میں اس نقصان کی تلافی کی جاسکے گی جو قیام پاکستان کے فوراً بعد دینی جماعتوں نے اپنے آپ کو سیاست کے جھمیلوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے پہنچایا۔

2- تمام دینی سیاسی جماعتیں اور علماء اس جھوٹی جمہوریت سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اور تبدیلی نظام کے جذبہ سے اسوہ رسول علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے

Marfat.com

متفقہ طور پر ایک قائد، ایک جھنڈے، ایک مقصد اور ایک منزل کے تعین کے ساتھ جمع ہو جائیں اور مکمل طور پر جامع منصوبہ بندی اور پروگرام کے ساتھ 4 سال کا ٹارگٹ مقرر کر کے ہمہ تن عوام کی دینی، سیاسی، اصلاحی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر تربیت کریں، اسلام کی حقیقی تعلیمات سے اور اپنے کردار سے ان کے ذہنوں کو مسخر کریں، دین و دنیا کی تفریق کے غلط تصور اور نظریہ کی بیخ کنی کریں، ان چار سالوں میں جاگیردار اور دنیا دار حکمران عالمی سازشوں کے آلہ کار رہتے ہوئے عوام کے مسائل حل نہ کر پائیں گے جن کے نتیجے میں ان کے خلاف ایک ردعمل پیدا ہوگا۔
ایک طرف ذہنی طور پر اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوں گے اور دوسری طرف شعوری طور پر اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں گے اس لیے عوامی انقلاب کے ذریعے "نظام مصطفیٰ" کے نفاذ کا موقع بہتر طور پر میسر آئے گا (بشرطیکہ موجودہ الیکشن میں ایسی قیادت برسر اقتدار آئے جو اگرچہ اسلام نافذ نہ کر پائے لیکن بہرحال پاکستان دشمن اور پاکستان کو وجودی طور پر ختم کرنے کے درپے نہ ہو)
عالمی اقتصادی جکڑ بندیوں کے باوجود جب کوئی قوم تبدیلی کا فیصلہ کر لیتی ہے تو پھر عالمی سازشیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اسی دور میں، انہی حالات سے دوچار ایران کی مثال موجود ہے (اگرچہ عقائد میں اختلاف ممکن ہے) جب عوام نے فیصلہ کر لیا اور باکردار قیادت نے ایسی رہنمائی کی جیسی رہنمائی کرنے کا حق تھا تو فرعون کی مانند شہنشاہ اور ان کے آقاؤں کے تمام منصوبے خس و خاشاک کے طرح بہہ گئے۔
جب ہماری دینی سیاسی قیادت فیصلہ کرے گی تو ان نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔
لیکن موجودہ حالات میں بائیکاٹ کی سیاست سے اسلام اور پاکستان ہر دو کو نقصان پہنچے گا۔ 1988ء کے انتخابات میں آج کی طرح جمعیت علماء پاکستان نے بھی بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا لیکن بائیکاٹ کرنے کے بعد اسے جو نقصان پہنچا وہ آج تک اس کی تلافی نہیں کر پا رہی (اس بائیکاٹ کا 1981ء کے پی پی پی یا پی ڈی ایف کے بائیکاٹ سے موازنہ کرنا حقائق کے اعتبار سے مناسب نہیں ہے)۔
ووٹ کا استعمال کرنا پاکستان کا ہم پر قرض ہے جو ہم نے 3 فروری کو چکانا ہے۔
(روزنامہ جنگ، لاہور یکم فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ووٹ کا استعمال شرعی اور ملی فریضہ ہے

انتخاب قوموں کی تقدیر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، قوموں کے شعور کا ادراک انتخاب ہی کے ذریعے اقوام عالم کے سامنے آتا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملک کی بقاء اور استحکام کے لیے اپنی ترجیحات کو بذریعہ انتخاب متعین کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے تو ایک سچے مسلمان پاکستانی کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ اس موقع پر دنیا کے سامنے اس امر کو واضح کر دیں کہ ہر ایک پاکستانی اپنے فرض کو بخوبی جانتا اور سمجھتا بھی ہے کہ اس موقع پر اس نے اپنا فرض کس طرح بجالانا ہے۔

انتخاب میں اپنے ووٹ کا استعمال مذہبی، ملی، قومی اور اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہر پاکستانی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس فرض کی تکمیل کرے۔

ماضی میں بلاشبہ ایسے افراد کے ہاتھ سیاست کی باگ ڈور رہی جنھوں نے اس مقدس فریضہ کو داغ دار کیا جس کی بناء پر سیاست غلاظت کا ایک ڈھیر اور تالاب بن گئی لیکن جب تک عوام اپنے شعور کو اسلامی اور ملی تعلیمات کی روشنی میں بروئے کار نہیں لائیں گے تو اس وقت تک اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا اس لیے محب وطن افراد پر یہ لازم ہے کہ وہ اس میدان کو ظالموں، جابروں، مفاد پرستوں، وطن کے غداروں، لٹیروں اور بدکاروں سے پاک اور صاف رکھنے کی اپنی تئیں کوشش کریں۔

خلیفۂ ثانی حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تاجدار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمادے۔'' جب ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کھلے عام ظالم اپنے ظلم کی رسیاں دراز کر رہے ہیں تو پھر یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے خاموش رہنے اور انتخاب سے روگردانی کی بجائے (انتخاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

ہر ووٹر کو یہ موقع عنایت کیا ہے کہ) ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے روکے اور اس کو ظلم کرنے والے میدان سے نکال باہر پھینکے۔

ووٹ کا استعمال صرف ذاتی اور نجی معاملہ ہی نہیں بلکہ یہ خالص دینی شرعی فریضہ بھی ہے (خصوصاً اسلامی جمہوریہ پاکستان میں) ووٹ کی حیثیت شرعی اعتبار سے مختصراً مندرجہ ذیل ہے:

1- شرعی طور پر ووٹ کی حیثیت گواہی اور شہادت کی طرح ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا اور اس سے اعراض کرنا بھی گناہ ہے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے۔

"اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے (تو) اس کا دل گناہگار ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا۔"

بلکہ گواہی دینے کے بارے میں تو آپ ﷺ نے اس حد تک تاکید فرمائی ہے کہ "کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کر دے۔"

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے جو وہ امیدوار کے بارے میں دے رہا ہے کہ میرے خیال میں یہ اس ذمہ داری کا اہل ہے اور اگر وہ ضمیر اور دیانت کے خلاف برادری اور ذاتی تعلقات کی بناء پر نااہل کو دے رہا ہے تو وہ "جھوٹی گواہی" کے ذیل میں آتی ہے اور جھوٹی گواہی کو حضور اکرم ﷺ نے بڑے گناہ میں شمار کیا ہے۔

2- ووٹ کی ایک حیثیت امانت کی بھی ہے اور امانت کے بارے میں حکم خداوندی ہے کہ "تم امانتیں امانت کے اہل افراد کے سپرد کرو۔"

تو گویا امانت کو اہل فرد کی طرف سپرد کرنا فرض ہے۔

3- ووٹ کی ایک حیثیت مشاورت کی بھی ہے۔ حکم خداوندی ہے کہ:

"کہ ان (مسلمانوں) کے معاملات آپس میں مشورے سے طے پاتے ہیں۔"

گویا مسلمان ووٹر حضرات سے مشورہ طلب کیا جا رہا ہے کہ ان امیدواروں میں

Marfat.com

سے کس امیدوار کے بارے میں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو نبھانے کا اہل ہے۔

4- ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی بھی ہے اور حکم خداوندی ہے۔ ''جو فرد اچھی سفارش کرتا ہے تو اس میں اس کا بھی حصہ ہے اور جو میری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا (میری سفارش کرنے والے کا) بھی حصہ ہے۔

تو گویا ووٹ دینے والا اس امیدوار کے بارے میں یہ سفارش کر رہا ہے کہ یہ نمائندگی کرنے کا اہل ہے۔

5- ووٹ کی ایک حیثیت وکالت کی بھی ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو ملک وملت کے امور سرانجام دینے کے لیے اپنے حلقہ سے اپنا نمائندہ اور وکیل بنا رہا ہے تا کہ وہ اس کی جانب سے ان حقوق وفرائض کو ادا کرے جو اس ووٹ دینے والے پر عائد ہوتے ہیں۔

اس لیے آج پاکستان کے اردگرد جن ''جالوں'' کو بُنا جا رہا ہے تو پاکستان کو ان ''جالوں'' میں الجھانے سے محفوظ و مامون کرنا ہمارا مذہبی ''ملی'' قومی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

آیئے! اپنے ووٹ کو استعمال کر کے اپنے اوپر عائد فرض کو بجا لائیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 2 فروری 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

آج ہم نے حب الوطنی سے معمور اسلامی قیادت کا انتخاب کرنا ہے

مالک الملک نے آج ہر پاکستانی کو یہ موقع عنایت کیا ہے کہ وہ ملک کی بقاء اور استحکام کے لیے اپنا کردار ادا کرے بعض اوقات عوام اور ملک میں بسنے والے افراد کے فیصلے اس قدر اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جو ملک کو سنوار بھی سکتے ہیں اور ملک کو بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

ماضی میں جب بھی ارض پاکستان کے باسیوں نے درست اور صحیح فیصلے کیے تو ملک کے وقار اور عظمت میں اضافہ ہی ہوا، لیکن اس کے برعکس جب 1970ء میں عوام نے انتہائی چالاک اور عیار افراد کی ظاہری باتوں میں آ کر اپنے فرض میں کوتاہی کی اور ایسے افراد کو منتخب کیا جو اندرون خانہ عالمی سازشوں کے کارندے تھے تو لامحدود قربانیوں سے حاصل کردہ ملک پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس عہد کی خلاف ورزی کی گئی جو پاکستان کے قیام کے وقت مسلمانان ہند سے کیا گیا تھا اور جس کی سزا ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

1993ء میں پھر انتخاب کے عنوان سے ایسے ہی افراد کو عنان حکمرانی دلوائی گئی جس نے ملک کو معاشی، معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے ہلاکت کے کنارے پر لا کھڑا کیا۔

آج ہمیں پھر موقع مل رہا ہے کہ ہم وطن دشمن طاقتوں کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کے منصوبوں کو ناکام کر دیں۔

اس سلسلے میں مفتی پاکستان، مفتی محمد حسین نعیمی ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ کی حب الوطنی سے معمور قیادت اور صحیح نمائندگان کے انتخاب کے سلسلے میں باشندگان پاکستان سے کی گئی اپیل کی روشنی میں اپنے ووٹ کا استعمال کریں تو یقیناً ہم دوبارہ پاکستان کو اقوام عالم میں اسی مقام پر فائز کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کا وہ اہل ہے۔

Marfat.com

آپ کا نمائندہ کیسا ہونا چاہیے؟

پاکستان کے استحکام اور معاشرے کی اصلاح کے پیش نظر اپنے ووٹ کی امانت حسب ذیل افراد کے سپرد کریں۔

1- جو اسلامی آئین کے نفاذ اور اس کے مکمل ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔

2- جو اسلامی تعلیمات، اسلامی کردار اور اسلامی معاشرت کا حامل ہو۔

3- جو خوددار، معاملہ فہم اور نیکوکار، باعزت اور نیک نام ہو۔

4- جو حق گو، جرأت مند، خدا ترس اور مستقل مزاج فرض شناس ہو۔

5- جو خدمت اسلام، خدمت خلق اور خدمت ملک کا خواہشمند ہو۔

6- جو قومی اتحاد، دیانتدار، بے لوث، ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتا ہو۔

7- جو تعمیری تنقید اور اصلاح معاشرہ کی اہلیت رکھتا ہو۔

آپ کا نمائندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے

پاکستان کو غنڈہ گردی، بدنظمی، کنبہ پروری سے محفوظ رکھنے کے لیے حسب ذیل افراد کو اپنا قیمتی ووٹ ہرگز نہ دیں۔

1- جو دینی اقدار کا مخالف ہو اور اسلامی اتحاد کو پسند نہ کرتا ہو۔

2- جو بے عمل، بے حیا، بے ضمیر، خودغرض، بزدل اور خوشامدی ہو۔

3- جو بدنام، بدمعاش، بدمعاملہ، بداخلاق، بددیانت ہو۔

4- جو دروغ گوئی، عیاشی، الزام تراشی اور تخریب کا خوگر ہو۔

5- جو لسانی، علاقائی اور پیشہ وارانہ تعصب رکھتا ہو۔

6- جو ووٹروں کو لالچ یا دھمکی دیتا ہو۔

7- ظلم و تشدد اور آمریت کا معاون و ہم نوا ہو۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 3 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

شب قدر کی وجہ تسمیہ

ہر چیز کی تخلیق میں اور کسی نہ کسی انداز میں خالق کائنات کی جلوہ نمائی کا اظہار ہے۔ کبھی تو اس کی جلوہ آرائیاں ظاہر و باہر نظر آ رہی ہیں اور کبھی اسرار کے دبیز پردوں میں پوشیدہ ہیں، کبھی آنکھوں کی دولت سے محروم شخص ان تجلیات کا ادراک اسی طرح کر لیتا ہے جس طرح صاحبِ عین کرتا ہے اور کبھی دیدہ و بینائی کی دولت سے مالا مال بھی ان اشیاء کا ادراک تدبر و تفکر کے بنا نہیں کر سکتا۔ کبھی ہواؤں اور فضاؤں میں نظر آنے والی چیزوں کی اہمیت سے واقف نہ ہونے کی بناء پر پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتا اور کبھی سمندر کی تہہ میں پوشیدہ حقیر سی چیز کو بھی درِ ثمین کا درجہ دے کر راحت جان کا ذریعہ بنا لیتا ہے کیونکہ کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کا تعین اس کی افادیت اور فیض رسائی پر منحصر ہے۔

اگر چہ ''شب قدر'' شبوں ہی میں سے ایک شب ہے اور لیالی ہی میں سے ایک ''لیل'' ہے لیکن اپنی عظمت، رفعت، جودت، سخاوت، فیضان اور کرم کی بنا پر ہزار راتوں سے بہتر رات، ہزار شبوں سے بہتر شب اور ہزار لیالی سے بہتر لیل ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس رات کی ایک ساعت ہزار ساعتوں سے بہتر، ایک دقیقہ ہزار دقائق سے بہتر اور ایک لحہ بھی ہزار لحات سے بہتر ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو نسبت ایک رات اور ایک ہزار مہینہ میں ہے وہی نسبت ان ساعات، دقائق اور لحات میں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے ''اور تم نے شب قدر کو کیا جانا، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

اراکین اسلام اور دیگر عبادات و معاملات کے اسماء میں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور پائی جاتی ہے تاکہ نام کی افادیت مسلمہ ہو کر واضح ہو جائے اور یہ لغوی و اصطلاحی مناسبت لفظ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، جہاد، شہادۃ، عید الفطر، عید الاضحیٰ، عید میلاد النبی، رمضان، ذوالحج، تراویح، کعبہ، ربا وغیرہ وغیرہ میں سے ہر ایک میں کسی نہ کسی انداز

Marfat.com

اور جہت سے موجود ہے۔

چنانچہ شب قدر کو "قدر" کے نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنا، معاملہ میں تدبیر کرنا، باہم مقدور اور متوازن کرنا، معین کرنا، تقسیم کرنا، تنگی کرنا، جمع کرنا، روکنا، قیاس کرنا کے ہیں اور اصطلاحی نام کے اندر ان معانی میں سے اکثر معانی سے مناسبت موجود ہے۔

چنانچہ مفسرین عظام نے ان مناسبات کو کچھ اس طرح ذکر کیا ہے اس رات کو شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔

اس رات کو شرافت، عزت و منزلت اور قدر کے باعث شب قدر کہتے ہیں۔ چونکہ اس شب میں اعمالِ صالحہ منقول ہوتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں ان کی قدر کی جاتی ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

سال کی دیگر راتوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ بلند پائے اور عظمت کی رات ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

لفظ قدر بعض اوقات قضا و قدر کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور اس رات میں انسان کی ایک سال کی تقدیر کا قلمدان فرشتوں کے سپرد کیا جاتا ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ اس رات میں عابد کی عبادت کی قدر و منزلت دیگر تمام باقی راتوں کی بہ نسبت ہزار درجہ سے بھی زیادہ ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ اس رات معبود حقیقی کے دربار میں ایک عابد کے لیے اس کی ایک رات کی عبادت اس کی دیگر راتوں میں کی گئی عبادات سے کہیں زیادہ قدر و منزلت والی ہے اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ فرشتے اس رات میں اس کثرت سے زمین پر اترتے ہیں اور اس کے عبادت گزار بندوں پر اس کی رحمتیں نچھاور کرتے ہیں جس کی بنا پر زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ دامان ہو جاتی ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ اس رات میں عبادت گزار بندہ جب تک عبادت میں مشغول رہ کر انوار و

Marfat.com

تجلیات الٰہی کے فیضان کو حاصل کرتا رہتا ہے تو گویا اس رات نے اسے گناہوں سے دنیاوی آلائشوں سے اور لہو ولعب سے روکے اور منع کیے رکھا اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ اس رات مالک ارض وسما اپنی بارگاہ میں سربسجود گناہوں میں مستغرق عابدوں پر اپنی خصوصی رحمتیں اور انعامات تقسیم فرماتا ہے اس لیے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

چونکہ اس رات میں کی گئی عبادات، نوافل، درود شریف، سخاوت، صدقہ وخیرات اور غربا وفقراء کی حاجت روائی کرنے میں ثواب کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا خصوصیات اور نسبتوں کے اعتبار سے خالق جن وانسان نے اسے شب قدر کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 4 فروری 1997ء)

Marfat.com

رات کے سناٹوں میں......

پروردگارِلم یزل نے لیل ونہار میں سرانجام دینے والے امور کی تقسیم انسانی فطرت کے عین مطابق کی ہے۔ خاص طور پر عبادات اور نمازوں کے اوقات میں ہر مرد وزن کے لیے اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

فجر کی نماز سحر خیزی کی تربیت کرتی ہے اور سحر خیزی کرنے والے افراد طبی نکتہ نگاہ سے تمام دن ہشاش بشاش رہتے ہیں۔ ظہر اور عصر کی نماز میں طویل قرأت کی رخصت دیتے ہوئے اسے اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اپنے کاروبار کے انتہائی مصروف ترین اوقات میں بھی اپنے پروردگار کے حضور پیش ہونے میں کوتاہی نہیں برتنی۔ مغرب میں جب ایک طرف دن ڈھل رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف رات کا آغاز ہو رہا ہوتا ہے تو اس کو اس طرح متوجہ کیا جانا مقصود ہے کہ اے میرے بندے جب تو نے اپنے دن کا آغاز اور انجام میرے ذکر سے کیا ہے تو تو نے اپنے لیے اپنے دل کے اطمینان کا سامان مہیا کر لیا کیونکہ "خالقِ فطرت" کا ہی یہ فرمان ہے۔

"خبردار! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔"

عصر حاضر میں دلوں کی بے چینی اور مسلسل اضطراب کی کیفیت کا طاری رہنا اسی بنا پر ہے کہ ہم نے دل اور روح کو اس کی غذا سے محروم کر دیا ہے۔ دل اور روح کی غذا کا انحصار ذکر اللہ پر ہے اس کی نشوونما کا راز "اس کے" حضور پیش ہونے میں ہے اور جب عشاء میں دن بھر مصروف کار رہنے کے بعد انسان نیند کی آغوش میں جانے لگتا ہے تو اسے پھر اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اے مضطربانہ کیفیت میں مبتلا اور حیرانی و پریشانی میں سرگرداں انسان اگر تو شیریں نیند سونا چاہتا ہے تو ایک دفعہ پھر میرے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے قلب کو مطمئن کر لے تو گویا سحر خیزی سے لے کر نیند کے آغوش میں جانے تک جب روح کو اس کی فطری غذا ملتی رہے گی تو وہ مطمئن کیوں نہ ہوگی، اسے راحت حاصل کیوں نہ ہوگی، سکون اس کے قلب و

Marfat.com

جان میں جاگزیں کیوں نہ ہوگا۔

رمضان المبارک کی عبادات کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر لطافت و نزاکت سے انسانی جسم میں سمو دیا ہے کہ دن کی سپیدی میں اور چہار سو پھیلی ہوئی روشنی میں بھی عبادت میں مصروف انسان کا عملِ ''صوم'' وقوع پذیر ہو رہا ہے لیکن اس طرح کہ گھٹاٹوپ تاریکیوں کے انتہائی دبیز پردوں میں پوشیدہ ہے اور دوسری جانب رات کی ظلمتوں کے انبوہ میں باجماعت ''تراویح'' کی صورت میں سب کی نگاہوں کے سامنے عبادت کا عمل واقع ہو رہا ہے۔ ایک طرف راز ہی راز ہے اور دوسری طرف اظہار ہی اظہار ہے۔ ایک طرف شور ہی شور ہے اور دوسری جانب سناٹا ہی سناٹا ہے، ایک طرف عمل میں حرکت ہی حرکت ہے اور دوسری جانب ثبات ہی ثبات ہے۔

لیکن رات کی ظلمتوں میں کچھ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب چہار سو پھیلے ہوئے اندھیروں میں انسان اپنے پروردگار کے حضور پیش ہو کر بلاواسطہ انوار الٰہیات اور اس کی تجلیات سے اپنی روح کی غذا حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ وہ انوار ہیں جو دن کے اجالوں میں نہیں بلکہ رات کے اندھیروں میں حاصل ہوتے ہیں۔

جس میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانگی کی سحر خیزی کے وقت کی چاشنی ہوتی ہے۔ غارِ ثور اور غارِ حراء کی تنہائیوں میں گزرے ہوئے لمحات کی آورد ہوتی ہے۔ معراج انسانی سے فیض یاب ہو کر وہاں کی نعمتوں سے سرفرازی ہوتی ہے۔ ان کی ذات و صفات و افعال میں فنا کے شعور سے آگاہی ہوتی ہے۔ افقِ اعلیٰ میں رسائی کا مفہوم متشکل ہوتا ہے۔ محبوب و محبّ میں تنہائی کی لذتوں سے آشنائی ہوتی ہے، راز و نیاز کے پُراسرار پردوں کی کشف کشائی ہوتی ہے۔

نزولِ قرآن اس خطہ ارضی پر نہ لیل و نہار کا نہ اوقات کا نہ ساعات کا پابند تھا بلکہ جہاں صاحبِ قرآن موجود ہوئے وہیں آیات قرآنیہ کا نزول ہو گیا لیکن لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی جانب یکبارگی نزول تورات کے مقدس اوقات ہی میں ہوا، اور قلب انسانی پر اس کلام الٰہی کی جلوہ افروزیاں اس بات کی متقاضی ہیں کہ یہ پُرتقصیر خاک کا پتلا رات کے سناٹوں میں یکسو ہو کر اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو عارفانہ کلام کی نازک آفرینیاں اس کے قلب و جگر کو مسخر کر کے رکھ دیں گی اور یہ دولت عظمیٰ اسے شب قدر کی تاریک رات کے سناٹوں میں

Marfat.com

ہی حاصل ہو سکتی ہے اور جب وہ اپنے گناہگار لبوں سے لب کشائی کرتے ہوئے کہے گا کہ:

"اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یاغفور یا غفور یاغفور."

اے میرے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرمادے، اے معاف فرمانے والے! اے معاف فرمانے والے! اے معاف فرمانے والے!

(روزنامہ جنگ، لاہور 5 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

شب قدر اور انسانی قدریں

گزشتہ کئی دنوں سے قوم انتخاب کے بخار میں مبتلا تھی۔ کوئی انتخاب کرانے کی سعی کر رہا تھا اور کوئی انتخاب سے "راہِ فرار" اختیار کرنے کی نہ صرف تلقین کر رہا تھا بلکہ بزور طاقت اس میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے درپے تھا۔ عنوان اگرچہ "مملکت کی فلاح اسی میں ہے" رکھا گیا تھا لیکن فلاح کے حصول کی راہیں مختلف ہوگئی تھیں۔ اپنے اپنے مزاج، اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے مقاصد کے مطابق "بساط فلاح" بچھائی اور پھیلائی گئی تھی۔

جب بخار چڑھتا ہے تو اپنے پیچھے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ جاتا ہے بعض اوقات مریض کی طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، مزاج میں تلخی کا عنصر آ جاتا ہے اور کبھی کبھی وہ ہیجانی کیفیت سے بھی دوچار ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر وہ بخار کو مصیبت خیال نہ کرے، اسے جان کا روگ نہ بنائے اور اسے اپنی کی ہوئی بے احتیاطیوں پر وجہ تنبیہ خیال کرے اور تازیانہ تصور کرتے ہوئے آئندہ اس بیماری میں دوبارہ مبتلا ہونے سے پرہیز کی تدابیر اختیار کرے تو یہ بیماری اسے حیات نو کا پیغام دیتی ہوئی نظر آئے گی۔

"اتفاق" سے اس دفعہ انتخاب اور رمضان المبارک باہم یکجا ہو گئے۔ چھبیسویں متبرک رات کو انتخاب اختتام پذیر ہو گیا اور ممکن ہے کہ اس سال چھبیسویں رات ہی کو "لیلۃ القدر" ہونے کا شرف حاصل ہو اور یہ رات تو سلامتی کی پیغامبر بن کر آتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

"اس میں فرشتے اور جبرائیل امین اترتے ہیں ہر کام کے لیے اپنے رب کے حکم سے اور صبح کے چمکنے تک یہ سلامتی ہے۔"

اور یہ سلامتی کا پیغام امتِ اسلامیہ کے لیے بھی ہے اور نسل انسانی کے لیے بھی، یہ اپنوں اور غیروں میں سے ہر ایک کے لیے سلامتی اور اس کا درس دے رہی ہے۔ یہ اختلاف

Marfat.com

رائے کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے بھی سلامتی ہے اور اتفاق رائے کرنے والوں کے لیے بھی، یہ فلاح کے طالبین کے لیے، امن و امان کے متلاشیوں کے لیے بھی اور دشمنان فلاح کی اصلاح کے لیے بھی اس میں سبق ہے اور دشمنان قوم کے لیے بھی۔ انسان کی بزرگی اور اس کی عظمت کا اظہار بھی اس برکتوں والی رات سے وابستہ ہے۔

جس انسان کے بارے میں فرشتوں نے کہا کہ اے پروردگار تو اس انسان کو پیدا کر رہا ہے جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا تو اسی فسادی اور خونریزی کرنے والے انسان کی زیارت اور بیک وقت کئی متضاد صفات کے حامل انسان کی تلاش میں رب کے مقرب فرشتے اس رات اترتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں کیونکہ اب یہ اپنے آپ کو صفاتِ سیئہ اور خبیثہ سے منزہ کر چکا ہے اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں پر نادم ہو کر اس کی رحمت کا طالب بن چکا ہے اپنی خواہشوں کو ترک کر کے اور بشری تقاضوں کی تمناؤں کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق کی یاد اور ذکر میں مستغرق ہو چکا ہے، سرد راتوں میں اپنے گرم گرم بستر کو چھوڑ کر اس کے حضور اس کی جلالی صفات کا ورد کرتے ہوئے اپنی روح و جان کو گرما رہا ہے۔ اپنی دنیاوی متاع حیات کی رنگینیوں کو فراموش کر کے اس کی تجلیات کی ضیاء پاشیوں سے اپنے آپ کو منور کر رہا ہے انسان کی قسمت پر ناز کرنے والے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ جاؤ زمین کی طرف جو بندہ بیٹھا یا کھڑا یاد الٰہی میں مشغول ہے اس پر سلامتی بھیجو اس کے حق میں دعا و استغفار کرو۔ انسان کو یہ شرف اس لیے حاصل ہو رہا ہے کہ وہ اب اپنے دنیاوی معاملات کی تلخیوں اور دنیوی بکھیڑوں کو چھوڑ کر اس کا فرمانبردار بندہ بن چکا ہے اور اس نے اپنے جسم خاکی پر اس کے نور کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور اگر اس پیغام کے اثرات دیکھنا چاہتے ہو تو اے مسلمانانِ عالم! تمہاری اپنی تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ ہند سے ایک عورت زیورات سے لدی ہوئی یک و تنہا پیادہ حج کو چلی جا رہی ہے اور کسی کو جرأت نہیں کہ اس پر نگاہ غلط بھی ڈال سکے اس لیے کہ وہ سلامتی کے پیغام سے آشنا ہو چکے تھے، وہ سلامتی کے مفہوم کو جان چکے تھے، وہ سلامتی کا عملی پیکر بن کر ارض عالم پر حکمرانی کر رہے تھے۔ یہ رات انسانی شرف و قدر کی رات ہے اور یہ رات انسانی عروج اور انسانی کمال کی رات ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 6 فروری 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

پاکستان، رمضان اور جمعتہ الوداع

دنیا میں ہمیشہ وہی قومیں زندہ و جاوید رہتی ہیں جو ماضی سے اپنا فطری رشتہ قائم رکھتی ہیں اور اسے کسی بھی حال میں ٹوٹنے نہیں دیتیں۔ مغلی ماضی اور ماضی کو ماضی تصور کرتے ہوئے اس سے قطع تعلقی کا ناروا سلوک اور بے جا رویہ اختیار نہیں کرتیں۔

اقوام عالم کی آپ کسی بھی ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ قوم کو دیکھ لیں وہ اپنے ایام اور تہوار منانے میں ثقافتی، معاشرتی، مقامی اور مذہبی تعلق کی بنا پر مکمل وابستگی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

پورے کا پورا یورپ، براعظم امریکہ، آسٹریلیا اور افریقہ کے عیسائی ممالک بھی اپنے ایام کو ان ہی میں سے کسی نہ کسی تعلق کی وجہ سے اپنے ملک کے یوم آزادی کو پوری شان وشوکت اور اہتمام و انصرام سے مناتے ہیں کیونکہ ان ایام کے منانے کے اندر اس عہد سے علی الاعلان مکمل وابستگی کا اظہار ہوتا ہے جس عہد کی بنا پر وہ ملک معرض وجود میں آتا ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند نے انتقال اقتدار کی تقریب کے موقع پر جب کہا ''میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان میں ''اکبر اعظم'' جیسے انصاف کرنے والے (منصف) کی حکومت قائم ہوگی۔'' تو جوابی تقریر میں قائداعظم نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور تردد کے کہا۔

''نہیں میرے دوست پاکستان میں ہم چودہ سو سالہ پرانی تاریخ اور روایات کو تازہ کریں گے یہاں خلفائے راشدین جیسے انصاف کرنے والے (حکمرانوں) کی حکومت قائم ہوگی۔''

امت مسلمہ کی تاریخی روایات کا تعلق جہاں ایک طرف احکام، اوامر و نواہی کے ساتھ ہے تو دوسری طرف ان مقدس ایام کے ساتھ بھی ہے جن ایام کو تاریخ اسلام میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔

تقسیم ہند کے فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے برطانوی حکمرانوں نے یوم آزادی کا تعین تو اپنے عیسوی کیلنڈر اور مروجہ تقویم کے مطابق 14 اگست 1947ء کو کیا تھا

Marfat.com

لیکن مالک الملک نے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر نظام اسلام کے نفاذ کے لیے قائم ہونے والی مملکت کو اس خطہ ارضی پر معرض وجود میں لانے والی تاریخ کا تعین اسلامی قمری ہجری کیلنڈر کے مطابق اس طرح کیا کہ جہاں یہ رمضان المبارک کی 27 تاریخ تھی جو تمام راتوں سے بہتر رات ہے تو وہاں دن بھی وہ متعین کیا جو نہ صرف دنوں کا سردار دن تھا بلکہ سردار دنوں کا بھی سردار دن یعنی جمعتہ الوداع تھا۔ مالک ارض و سما نے پاکستان کے وجود میں لانے والی ایسی ساعتوں کا انتخاب کیا جو لیل و نہار کی جملہ ساعتوں میں برکت ہی برکت کو محیط تھا۔ رات دن کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی خصوصی رحمتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ اس دن اور رات کی کوئی آن ایسی نہ تھی جو "اس کی" جانب سے وارد ہونے والی سلامتی سے خالی ہو۔

لیکن ہم نے ان عظیم نعمتوں کے حصول پر تشکر کا اظہار کس طرح کیا؟ جو ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

قائداعظم کے بعد اقتدار پر جائز اور ناجائز قابضین نے ارادتاً یوم آزادی کو اسلامی تقویم کی بجائے عیسوی تقویم کے مطابق منانے کو اس لیے اختیار کیے رکھا کہ کہیں ان جاگیردار حکمرانوں اور اسلامی تہذیب و تمدن کے قائلین کا قلبی اور مادی تعلق ان کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کرنے والے غیر ملکی حکمرانوں سے ختم نہ ہو جائے اور جس مقصد کے لیے ان کو آزادی کے متوالوں سے یہ جاگیریں بزور طاقت چھین کر دی گئیں تھیں وہ مقصد ناکام نہ ہو جائے۔

حکمرانوں کا یہ رویہ صرف غفلت بے جا کا اظہار ہی نہیں کر رہا بلکہ ان کے اس رویہ سے اس بات کا اظہار بھی ہو رہا ہے کہ وہ اسلامی روایات اور اسلامی تہذیب و تمدن سے کس قدر بے بہرہ ہیں اور وہ سب کچھ شعوری طور پر اس لیے کر رہے ہیں کہ آنے والی نسلیں کہیں اسلامی روایات سے بہرہ مند نہ ہو جائیں یا ان کی نظریاتی اساس کا رابطہ کہیں ماضی سے نہ ہو جائے۔ وہ اس لیے بھی گریزاں ہیں کہ کہیں اہل پاکستان کا تعلق قرآن کو نازل کرنے والی ذات مقدسہ، جس ذات مکرمہ پر قرآن نازل ہوا، جس ماہ میں قرآن نازل ہوا اور جس شب قرآن اُترا ان سے قائم نہ ہو جائے، یعنی ان کا تعلق اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، رمضان، شب قدر اور جمعتہ الوداع (جس دن پاکستان معرض وجود میں آیا) سے نہ ہو جائے، اور کہیں اسلامی اقدار سے وابستگی کی روایات فروغ پا کر اہل پاکستان کے دلوں میں راسخ نہ ہو جائیں۔

اگر اہل پاکستان سے اسلام، خاتم النبیین ﷺ، قرآن اور رمضان کا تعلق کمزور کر دیا گیا تو خود

Marfat.com

پاکستان کے جواز کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی۔

27 رمضان المبارک کو یوم آزادی تسلیم کر لینے سے نہ دنیا سے اقتصادی رابطہ ختم ہوگا نہ مواصلات کے رابطوں میں فرق آئے گا نہ کسی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہوگی کیونکہ 27 رمضان المبارک کو یوم آزادی مقرر کرنے سے 27 دن پہلے ہی تعطیل کا تعین ہو جاتا ہے جبکہ عیدالفطر کا تعین تو صرف ایک دن پہلے ہوتا ہے۔ جب ایک دن پہلے کے تعین سے نظام مملکت کے امور کے سرانجام دینے میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو 27 دن پہلے تعین سے کیا فرق واقع ہوگا۔ اب موجودہ برسراقتدار آنے والی جماعت ''مسلم لیگ'' کا یہ اخلاقی مذہبی اور ملی فریضہ ہے کہ اگر وہ پاکستان کے قائم کرنے والی جماعت ''مسلم لیگ'' کو اپنی مادر جماعت قرار دیتی ہے تو اس جماعت کے قائم کردہ وطن ''پاکستان'' کے دن کو ''یوم آزادی'' والا دن قرار دے کر حقیقی وارث جماعت کے دعویٰ کی حقانیت کو ثابت کرے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 7 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ہم کیسے میزبان ہیں......؟

ایک ماہ پہلے عظیم القدر ذاتِ مقدسہ کی جانب سے ایک مہمان ہمارے درمیان فروکش ہوا تھا۔

مہمان بھی ایسا!

جو اپنی فرستادہ ذات کی جانب سے رحمت و مغفرت کا پیغام لایا تھا۔

وہ مہمان ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ بہت مختصر وقت لے کر آیا تھا اور اب تو وہ واپس جا رہا ہے۔

کہاں؟

جس کی طرف سے آیا تھا۔

مہمان کی آمد پر خوشی کے پھول نچھاور کیے جاتے ہیں۔

اس کی عظمتوں کے گن گائے جاتے ہیں۔

اس کے حضور استقبالیے پیش کیے جاتے ہیں۔

اس کی ناز برداریاں برداشت کی جاتی ہیں۔

اس کی قدر و منزلت کے مطابق میزبانی کی جاتی ہے۔

وہ کسی ایک فرد کی جانب، کسی ایک طبقہ کی طرف مہمان بن کر نہیں آیا تھا وہ تو ہم سب کی طرف آیا تھا۔

اس کی عظمتوں کی تعریف میں تو باعثِ کون و مکان کے لب مبارک بھی رطب اللسان تھے۔ اس نے تو اپنے خزانوں کو نچھاور کرنے کے لیے ہمیں بار بار اپنی طرف بلایا تھا۔

لیکن ہم

اور جب مہمان اپنے میزبانوں کی میزبانی پر خوش ہو کر واپس پلٹتا ہے۔

تو دعائیں دیتا ہوا جاتا ہے۔

Marfat.com

کبھی کوئی قیمتی تحفہ بھی دے جاتا ہے۔
کبھی اپنے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری میزبان کے سپرد کر جاتا ہے۔
کبھی اپنے قیمتی تحفہ عطا کرنے کا وعدہ اپنی دوبارہ آمد پر کر جاتا ہے۔
اور جب ناراض ہو جائے تو......
اور جب جان سے عزیز مہمان واپس جانے لگے تو......
پُرخلوص محبت کرنے والوں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔
فراق کے لمحات کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔
اس کے شیریں کلمات کو دوبارہ نہ سنے جانے کا احساس دلِ مضطرب کو تنگ کرتا ہے۔
اس کی دید سے نگاہوں کی محرومی کا احساس اضطراب پیدا کرتا ہے۔
زبان پر اس کے تذکرہ کی لذت سے نا آشنائی جگر کو چیرتی ہے۔
اس عظیم مہمان (رمضان) کی واپسی پر کیا ہم نے سوچا!
کیا ہمارے خوشی کے اظہار کا انداز بدلا؟
اس کے پیغام کو ہم نے کس قدر انہماک سے سنا؟
اس کے پیغام پر کتنا غور کیا؟
اس پیغام کو اپنی زندگی میں رائج کرنے کی کیا کیا تدبیریں کیں؟
ہم نے غرباء اور فقراء کی مفلسی کا تدارک کیسے کیا؟
اپنی زندگی گزارنے کے طریقوں میں کیا تبدیلیاں کیں؟
اور اگر ہم نے کچھ بھی نہیں سوچا تو......
ہم کیسے میزبان ہیں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 8 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

خوشی کے بعد شکر بجالانے کا عجیب انداز

خوشی کی ایک تعریف تو وہ ہے جو لغت کی موٹی موٹی کتابوں کے اوراق میں مکتوب ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کا تعلق مسرت و شادمانی کے ساتھ ہے لیکن حقیقت میں خوشی کے اظہار کا تعلق قال سے زیادہ حال سے ہے۔ زبان کے اظہار سے زیادہ احساس سے ہے۔ یہ ایسی کیفیت کا نام ہے جس کو حدود میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ جس کو ماپا اور ناپا نہیں جا سکتا۔ اس کے اندازے نہ پیمانوں سے کیے جا سکتے ہیں اور نہ اوزانوں سے، جو نہ تو میٹروں، لٹروں اور گراموں میں تولا جا سکتا ہے اور نہ ہی خوشی کوئی ایسی جنس ہے جو خوش ہونے والوں پر رتی رتی بھر تقسیم کر دی جائے اور یہی صورت اس کی ضد غم کی ہے اور پھر خوشی کے اظہار کے طریقے بھی جدا جدا ہیں۔ ایک طریقہ ایک کے ہاں پسندیدہ ہے تو وہی طریقہ دوسرے کے ہاں ناپسندیدہ اور پھر پسند کا معیار بھی جداگانہ ہے۔ مزید برآں ہر قبیلہ طائفہ گروہ اور ہر قوم کے ہاں خوشی کے اظہار کا طریق بھی الگ الگ۔

دین اسلام نے بھی خوشی کے اظہار کے مواقع مہیا کیے۔ خوشی کے منانے کے طریقے بتائے۔ خوشی کے احساسات کو راحت جان بنایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اسلام کے متوالے پر مسرت موقع پر خوش نہ ہوں۔ مزاح اور مسکراہٹوں کے موتی نہ بکھیریں۔ یقیناً وہ اپنی شادمانی کا اظہار کریں، بس ان کے پیش نظر یہ امر رہے کہ یہ خوشی کا موقع کس ذات نے فراہم کیا ہے اور جس ذات نے خوشی کا موقع فراہم کیا ہے تو اسی ذات نے اس کے اظہار کا طریق بھی بیان کیا ہے اور اسی طریق کو اپنانا ہی کمال بندگی ہے۔

نعمت چاہے دنیا کی حاصل ہو یا دین کی ہر دو نعمتوں کے حصول پر شکر بجالانا لازمی ہے کیونکہ یہ فرمان بھی تو اسی کا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اس سے کہیں زیادہ دوں گا (جتنا تمھیں ابھی تک ملا ہے) اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب شدید ہے۔"

شہر رمضان کا زندگی مستعار میں ایک مرتبہ اور حاصل ہو جانا کیا کم نعمت ہے بلکہ

Marfat.com

اس سے کہیں زیادہ نعمت تو یہ حاصل ہوئی کہ اس کے فرمان کے مطابق اس ماہ کے متقاضیات کو پورا کیا نہ دنوں میں ان تقاضوں کی عمل پیرائی کو ترک کیا اور نہ راتوں میں نہ سحر گاہی میں اور نہ ظلمتوں میں، نہ قعود میں اور نہ قیام میں، نہ اذان بلالی میں نہ قرأت ابی ابن کعب میں، نہ سنت فاروقی کی تکمیل میں نہ صدائے عثمانی کے بلاوے میں نہ لیلتہ القدر کی تلاش میں اور نہ جمعتہ الوداع کی ادائیگی میں، نہ قانون الٰہی کی عمل آفرینی میں اور نہ عبادی الصالحون کی پیروی میں۔

کسی نہ کسی حد تک جب یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں تو اب اسی انداز میں شکر بجالانا ضروری ہے جس انداز میں اس نے بتایا۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''جب عید کی صبح نمودار ہوتی ہے تو رب العالمین اپنے فرشتوں کو ہر شہر اور ہر بستی کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ فرشتے زمین میں اتر کر ہر گلی اور ہر راستے کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں۔ ان کی پکار ساری مخلوق سنتی ہے مگر انسان اور جن نہیں سن پاتے۔ وہ پکارتے ہیں۔

''اے محمد ﷺ کے امتیو! اپنے گھروں سے نکلو اور اپنے پروردگار کی طرف چلو، تمہارا پروردگار بہت ہی زیادہ عطا کرنے والا ہے اور وہ بڑے بڑے (قصوروار کے) قصور کو معاف کرنے والا ہے۔

اور جب اس کے نیکوکار بندے اس کے حضور پیش ہونے کے لیے عید گاہ کی طرف جانے لگتے ہیں تو خدائے عزوجل اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے۔

''میرے فرشتو! ذرا بتاؤ! اس مزدور کا کیا صلہ ہے؟ جس نے اپنے رب کے حکم کو مانا اور اپنے رب کا کام پورا کیا؟ فرشتے جواب میں کہتے ہیں:

''اے ہمارے رب! اے ہمارے آقا! اس مزدور کا صلہ یہ ہے کہ اسے پوری مزدوری دی جائے۔''

اس جواب پر رب کائنات فرماتا ہے:

''اے میرے فرشتو! تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان بندوں کو جو رمضان بھر روزے رکھتے رہے اور تراویح پڑھتے رہے اس کے صلے میں انھیں اپنی خوشنودی سے نواز دیا اور ان کی مغفرت فرما دی۔

پھر خالق کائنات اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔

Marfat.com

”میرے پیارے بندو!

مانگو جو کچھ مجھ سے مانگتے ہو، مجھے میری عزت کی قسم! مجھے میرے جلال کی قسم! آج عید کے اس اجتماع میں تم اپنی آخرت بنانے کے لیے مجھ سے جو کچھ مانگو گے عطا کروں گا اور اپنی دنیا بنانے کے لیے جو کچھ چاہو گے اس میں بھی تمہاری بھلائی کو پیش نظر رکھوں گا۔

مجھے میری عزت کی قسم! مجھے میرے جلال کی قسم!

میں تمھیں مجرموں کے سامنے ہرگز ذلیل اور رسوا نہ کروں گا۔ جاؤ (شکر ادا کرنے کے بعد) اپنے گھروں کو بخشے بخشائے لوٹ جاؤ! تم مجھے راضی کرنے میں لگے رہے میں تم سے راضی ہو گیا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 9 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

میاں نواز شریف ہوشیار باش!

اہلِ پاکستان نے میاں نواز شریف کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے ملک کے استحکام اور بقاء کی ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔

یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ قوم نے صحیح فیصلہ کیا یا غلط؟ یا قوم نے تو درست فیصلہ کیا لیکن جن اصحاب کے بارے میں کیا انھوں نے اس فیصلہ کی قدر کتنی کی؟ اس فیصلہ کا کس قدر احترام کیا؟ اور کس قدر اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیا؟

مسلم لیگ اور ہائی کمان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اب وہ کوئی علاقائی اور محدود مفادات کے حصول کی دعویدار جماعت نہیں ہے جو وقتی اور عارضی نوعیت کے فیصلے کر کے ڈنگ ٹپاؤ طریقہ سے اپنے اقتدار کا زمانہ پورا کرنے کی کوشش کرے بلکہ اس کے فیصلے نہایت دوررس نتائج کے حامل ہونے چاہئیں جو صرف ملک کی بقاء، اس کے استحکام اور اسلام کی ترویج کے جذبہ سے معمور ہوں اس لیے اب یہ امور ضروری ہو گئے ہیں۔

1- مسلم لیگ اپنے سیکرٹریٹ میں ایک مستقل ادارے کا وجود عمل میں لائے جو روزانہ ملکی اور غیر ملکی جرائد، رسائل اور اخبارات میں ملک وقوم و مذہب سے محبت کرنے والے مفکرین، مدبرین، اصحاب رائے حضرات کے شائع شدہ مضامین کا، اپنے اپنے مخصوص عنوانات کے تحت کالموں کا اور خطوط کے ذریعے پیش کردہ تجاویز اور آراء کا بغور مطالعہ کر کے بغیر کم و کاست متعلقہ شعبہ جات کی قائم کردہ کمیٹیوں کو ارسال کرے قطع نظر اس کے کہ یہ مضمون، کالم، تجویز اور رائے کس کی ہے۔ اس کے مندرجات اگرچہ بادی الرائے میں فی الحال مناسب نظر نہ بھی آ رہے ہوں لیکن وطن کے حوالے سے ان پر غور و فکر کرنا وطن سے محبت کا تقاضا ہے۔

2- پارٹی اپنی قائم کردہ ترجیحات کے مطابق ان کو نوٹ کر کے صاحب مضمون اور مجوز سے رابطہ قائم کر کے وطن کی محبت کے پس منظر میں اس کا شکریہ ادا کرے تا کہ وہ

Marfat.com

وطن کے استحکام کے بارے میں مزید غور و فکر کرتا رہے اور اس طرح عوام اور اصحاب فکر حضرات کی ملک سے وابستگی قائم و دائم رہے گی۔ کامیاب ہونے والے حضرات یہ نہ تصور کرلیں کہ اب وہ عقل کل کے مالک ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بہتر صلاحیت اور استعداد کے حامل حضرات وطن پاکستان کے اندر موجود ہیں جن سے اگر تعاون لیا جائے تو وہ ان کے اقتدار کی طوالت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لیے بہترین سرمایہ بھی ثابت ہوں گے۔

3- مسلم لیگ مستقل بنیادوں پر جملہ وزارتوں، شعبہ جات اور ملک کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے باقاعدہ اور جامع منصوبہ بندی کی ہے۔ جس میں اس شعبہ سے متعلق باصلاحیت افراد شامل ہوں اور ان میں اپنے اپنے فن کے ذو استعداد افراد کی مستقل کمیٹیاں قائم کی جائیں جو کم از کم افراد پر مشتمل ہوں تاکہ یکسوئی سے وہ اپنا کام کرسکیں۔

4- ان میں خاص طور پر نظریاتی اور وطن سے محبت رکھنے والے افراد کو ہی کمیٹیوں میں نمائندگی دی جائے جو اسمبلی کے ممبران اور پارٹی کے غیر منتخب افراد پر مشتمل ہوں۔

5- ان تمام متنازعہ فیہ مسئلوں سے اجتناب کیا جائے جو صدر اور وزیر اعظم کے مابین اختیارات کی تقسیم کار سے متعلق ہیں بلکہ افہام و تفہیم کے جذبہ سے ان پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ محترمہ صاحبہ اور محترم قاضی صاحب اور اسی طرح شکست خوردہ سیاستدان آٹھویں ترمیم کے ختم کرنے کی آڑ میں اور خاص طور پر 58(2) بی کا ہوّا دکھا کر صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختلاف رائے پیش کرنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گے جس کا آغاز حسب عادت محترمہ کرچکی ہیں اس لیے ان کے پھینکے ہوئے پتوں سے پوری مہارت سے اپنے آپ کو بچایا جائے اور وہ جن جن معاملات میں مشترکہ مفادات کی آڑ میں مذاکرات کے ڈول ڈال رہی ہیں فی الحال ان سے اجتناب کیا جائے اور اپنی مکمل توجیہات صرف انھیں مسائل تک محدود رکھی جائیں جو اس وقت ملک کی معیشت کے استحکام کے لیے ضروری ہیں۔

6- دینی جماعتوں سے کسی صورت ٹکراؤ پیدا نہ ہونے دیا جائے اور اس کا فوری توڑ اس صورت میں ممکن ہے کہ اقتدار سنبھالتے ہی ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں کا اور

Marfat.com

خاص طور پر فحاشی اور عریانی والے میوزیکل پروگراموں کو ختم کر کے ان کا رخ ایک مہذب اسلامی ماحول کے مطابق ایسے دائرہ میں لایا جائے جس میں مناسب تفریح اور مزاح کی چاشنی ہو تا کہ دینی طبقہ معاشرے میں غیر اسلامی ماحول کی ترویج و اشاعت کی خطرناک صورتحال میں جو خطرات محسوس کر رہا ہے اس میں کسی حد تک کمی ہو اور حکومت کے خلاف لاوا پکتا نہ رہے۔

-7 اگر حاصل شدہ اقتدار سے وطن پاکستان کو مستحکم کرنا مقصود ہے تو وزارتیں صرف اہل افراد کو دی جائیں تا کہ وہ بیوروکریسی کی جانب سے پیش کردہ قانونی موشگافیوں، تاویلات اور تاخیری حربوں کا توڑ کر سکیں۔

اگر بیوروکریسی کو یقین ہو جائے کہ وزارتوں پر براجمان حضرات کی پالیسیاں اور احکامات صرف اور صرف وطن کی بقاء کی حامل ہیں اور ان میں ذاتی مفادات پیش نظر نہیں ہے تو وہ وطن سے وابستگی کے نام پر مکمل تعاون کریں گے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا تو بیوروکریسی ہی حکومت کو لے ڈوبے گی۔

-8 بیوروکریسی میں غیر ملکی ایجنسیوں سے رابطے رکھنے والوں پر مکمل نگاہ رکھی جائے اور غیر ملکوں سے طے پانے والے معاہدوں کا جائزہ پہلے باقاعدہ قائم شدہ کمیٹیوں میں کھلے عام بحث و تمحیص کے بعد کیا جائے۔

-9 وزیراعظم ہر ماہ قوم سے خطاب کرے جس میں ملک کی موجودہ صورتحال بلا کم و کاست بیان کی جائے۔ اس ماہ میں کیے گئے کاموں اور اقدامات پر قوم کو اعتماد میں لیا جائے۔ ترقیاتی کام خطاب میں نہیں بلکہ قوم کو عملاً نظر بھی آنے چاہئیں کیونکہ صنعتی ادارے اور بڑے بڑے منصوبے کاغذوں پر نہیں بلکہ زمین پر نظر بھی آتے ہیں سابقہ حکمران صرف کاغذی منصوبوں پر ٹرخاتے رہے جس کا نتیجہ قوم آج دیکھ رہی ہے۔

-1 خاص طور پر نواز شریف صاحب اپنے اردگرد منڈلاتے ہوئے نئے نئے چہروں سے ہوشیار رہیں کیونکہ یہ نئے نئے چہرے اور چمچے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دینے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مبارکبادیاں پیش کرتے ہوئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کٹھن لمحات میں ساتھ رہنے والے مخلصین کو مات کرنے میں

Marfat.com

انھیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

11- محترمہ کے علاوہ شکست خوردہ سیاستدانوں کو اگرچہ فی الحال قوم نے مسترد کر دیا ہے ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے بغیر وطن کی معاشی زبوں حالی سے خلاصی پانے کے لیے ان کا دست تعاون حاصل کیا جائے۔ اور ان سے وطن کے نام پر تعاون اور تجاویز کے حصول کی مخلصانہ کوششیں کی جائیں کیونکہ وہ بھی اسی وطن کے باسی ہیں اور انھیں بھی وطن سے اتنی ہی محبت ہونی چاہیے جتنی ایک عام پاکستانی کو ہے۔

12- سابقہ حکومت کی ملک اور عوام کے مفاد پر مبنی پالیسیاں جاری رکھی جائیں۔ ان پر جو سرمایہ خرچ ہو چکا ہے وہ پاکستان کا ہی ہے اور یہ خرچ شدہ سرمایہ ضائع نہ ہونے پائے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 13 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ

بدقسمتی سے پاکستان دنیا میں وہ واحد ملک ہے جہاں اس ملک کے اپنے ہی باشندے اپنی سرزمین کے خلاف چلنے والی اعلانیہ اور خفیہ تنظیموں اور اداروں سے نہ صرف وابستہ ہوتے ہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے عقیدت کے جذبات کے بوجھ تلے ان سے ہر قسم کا تعاون کرنا اپنا مذہبی فریضہ تصور کرتے ہیں۔ ملک دشمن طاقتوں نے "مسحور کن شخصیات" کو مذہب کا لبادہ پہنا کر نہایت عیاری سے ان پروگراموں کی تکمیل کی طرف لگا رکھا ہے جو آہستہ آہستہ وطن سے لاتعلقی کا اظہار اولاً ذو معنی الفاظ کے ذریعے ذہنوں میں ڈالتے ہیں اور جب ذہن ان الفاظ سے مانوس ہو جاتے ہیں تو پھر ذرا کھل کر اپنے مقصد کو بیان کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے عوام کی اکثریت چونکہ سچے صاف شفاف اذہان کی مالک ہے اس لیے وہ اپنے اوپر قیاس کر کے ان ملمع سازوں کی ملمع سازیوں کی حقیقتوں اور تہہ تک نہیں پہنچ پاتے۔

اسلام کو ایک عالمگیر مذہب کے عنوان سے پیش کرنے کی آڑ میں کہ اسلام کسی سرزمین کا محتاج نہیں ہے، اسے اپنی تعلیمات کے پیش کرنے کے لیے کسی خاص زمین کے ٹکڑے کی ضرورت نہیں، اس کے احکامات تمام جہان والوں کے لیے یکساں ہیں، وہ سرحدوں کی حدود کا محتاج نہیں ہے جیسے الفاظ وکلمات سے بظاہر اسلام کی عالمگیریت کو اجاگر کیا جا رہا ہے لیکن اپنی نجی محفلوں میں جو "تصفیہ قلوب" "طہارت قلوب" اور "تزکیہ قلوب" کے نام سے بپا کی جاتی ہیں ان میں خاکم بدہن یہ کہا جاتا ہے "کہ ہم پاکستان کی سرحدوں میں اسلام کے نفوذ ہی کو اپنا مطمح نظر نہیں سمجھتے اور اسلام کے نفاذ کے لیے اگر ہمیں پاکستان کو قربان کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو ہم یہ کر گزریں گے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس طرح ہم پاکستان میں نمازیں، روزے، زکوۃ اور حج کے ارکان ادا کر سکتے ہیں اس طرح یہ عبادات ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں بخوبی ادا کر سکتے ہیں اس لیے ان فرائض کو ادا کرنے میں ہم پاکستان کی سرزمین کے محتاج نہیں ہیں۔" اور اس طرح کے وہ کئی

Marfat.com

مفروضے قائم کر کے مذہب کے پرستاروں کے ذہنوں کو مسموم کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے یقیناً یہ عبادات اپنی اپنی جگہ فرض ہیں اور ان میں کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات کو نبی آخرالزماں ﷺ مکہ مکرمہ جیسی بابرکت اور مقدس جگہ پر ادا فرما سکتے تھے جہاں ایک رکعت کی ادائیگی کا ثواب ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے تو پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

انفرادی اصلاح اور ذاتی تزکیہ نفس سے انکار نہیں لیکن اگر انفرادی اصلاح ہی تبلیغی مقصد کا انتہائی مقصود تھا تو پھر یہ تبلیغی مشن تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ کئی سالوں کے بعد بھی پورا کیا جا سکتا تھا؟

اگر صرف اپنے اور اپنے اہل خانہ پر ہی اسلام کا نفاذ مقصود تھا تو یہ مقصد تو بخوبی مکہ مکرمہ کی حیات مبارکہ میں حاصل ہو چکا تھا تو پھر مدینہ اور حبشہ کی جانب ہجرت کیوں کرائی گئی؟

اگر مسلمان صرف اپنے اور اپنے گھر والوں کے ہی اعمال پر جوابدہ ہے تو پھر جہاد کی فرضیت کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی کی فرضیت اسلامی تعلیمات کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور عبادات کی ادائیگی کسی سرزمین کی محتاج نہیں ہے یہ ہر مقام پر ادا کی جا سکتی ہیں۔ (سوائے حج کے)

اسلام تو مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جس میں اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر پورا اسلام نہ انفرادی اور نہ اجتماعی حیثیت سے نافذ کیا جا سکتا ہے چنانچہ اسلام کا اپنا قانون شہادت ہے، اپنا دیوانی وفوجداری قانون ہے۔ اپنے حدود اور تعزیرات کے قوانین ہیں۔ جرم وسزا کے اپنے قوانین ہیں، بیع وشرا، خرید وفروخت کے اپنے اصول اور قانون ہیں، خانگی زندگی نکاح وطلاق کے اپنے قوانین ہیں، ضمانت وکفالت کے اپنے قانون ہیں، تقسیم میراث، وراثت، ہبہ کے اپنے قوانین ہیں، لین دین، تجارت اور کاروباری معاملات کے لیے اس کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں اور ان قوانین اور احکامات کے لیے اقتدار اعلیٰ اور حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہ ہو تو شریعت کے ایک بڑے حصے پر عمل کرنے سے ہم

Marfat.com

محروم رہ جائیں گے اس لیے ایک مسلمان حکومت اور ریاست کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

پرسنل لاء کے علاوہ ان قوانین مذکورہ کا اطلاق کیا ہم امریکہ، برطانیہ، چین، ہندوستان، روس میں کر سکتے ہیں۔ نمازیں تو ان ملکوں میں بھی ہم پڑھ سکتے ہیں۔ روزے بھی رکھ سکتے ہیں، زکوٰۃ بھی اپنے طور پر ادا کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے جرم و سزا، دیوانی و فوجداری، قصاص و دیت، حدود و تعزیرات کے قوانین کا اطلاق ہم ان ملکوں میں نہیں کر سکتے کیونکہ اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہے۔

کسی مذہب یا نظریہ کی اشاعت تبلیغ اور تنقید کے لیے آزاد ریاست کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی زمین کا ٹکڑا مسلمانوں کے زیر اقتدار نہ ہو تو آزادی کے ساتھ نہ دین کی تبلیغ ہو سکتی ہے اور نہ قرآنی احکام پر عمل کرایا جا سکتا ہے اور نہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست (آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ) کے بغیر مسلمانوں کے لیے اسلامی اقدار اور نظریات پر معاشرہ کا قیام ناممکن ہے۔

جب ہم حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ پر اور خاص طور پر مکہ مکرمہ کے دور مبارک پر نظر ڈالیں تو ریاست کی اہمیت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ جب تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے تبلیغ کا دائرہ محدود رہا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی رفتار بہت سست رہی مگر جب مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اسلام نہایت تیزی اور سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا اور صرف آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں پورا عرب اسلام قبول کر چکا تھا۔ اسلام کے نفاذ اور قیام کے لیے اقتدار نہایت ضروری ہے۔ بہت واضح بات ہے کہ اگر نیکی کے پاس اقتدار نہ ہوگا تو بدی اور برائی کے ہاتھ میں ہوگا جس سے دنیا میں شیطانیت، فساد اور بگاڑ کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ اگر دین حق کو غالب اور قائم کرنا مقصود ہے تو اقتدار حاصل کرنے کے جائز اور قانونی ذرائع جن میں انقلاب جیسا جذبہ موجود ہو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان فرما کر اسلامی ریاست کی اہمیت کو اجاگر کیا، ”جو چیزیں قرآن کی محض ہدایت و ارشاد سے نہیں رک سکتیں اللہ تعالیٰ انہیں سلطنت کی طاقت سے روک دیتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ریاست کی ضرورت، اہمیت اور مقصد کو اس طرح

Marfat.com

بیان فرمایا:

''وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین پر اقتدار دیں تو وہ (نظام) صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔''

اسلامی مملکت پاکستان میں ان مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں وہ افراد اور جماعتیں رکاوٹ بن رہی ہیں جن کے دینی قائدین نے پاکستان کے قیام کی کھلم کھلا مخالفت کی تھی وہ تو تمام کوششوں کے باوجود پاکستان کو قائم کرنے سے نہ روک سکے لیکن ان کی معنوی اولاد ایک نئے روپ میں پاکستان کی محبت اور اہمیت کو پاکستان کے مسلمانوں کے ذہنوں سے ختم کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہی ہے۔

حکومت کی خفیہ ایجنسیاں کیا کر رہی ہیں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 15 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ

دنیا میں لائے جانے والے انقلابات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو نہایت اختصار سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے نظریہ پیش کیا، کچھ افراد نے اس نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنانے کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ اس کی ترجیحات قائم کیں اور ایک ذہن کے افراد کو ایک مقام پر اکٹھا کر کے کام کا آغاز کر دیا گیا اور آہستہ آہستہ ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ لوگ ملتے گئے اور ایک کاروان کی شکل بنتی گئی۔ بقول شاعر ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل
لوگ آتے رہے اور کارواں بنتا گیا

اب تک جتنے بھی انقلابات بپا ہوئے، چاہے اسلامی ہوں یا غیر اسلامی تقریباً یہ باتیں ان سب میں مشترک نظر آتی ہیں۔ پاکستان کا معرض وجود میں آنا خود ایک انقلابی تحریک کا نتیجہ ہے جو کلمہ طیبہ کے نام کے حوالے سے خطہ ارضی پر نمودار ہوا، جو انقلابی تحریکوں کی سرعت پذیری میں نادر المثال ہے۔

پاکستان کی مخالفت کرنے والے حضرات کی یہ بات ایک لمحہ کے لیے اگر تسلیم بھی کر لی جائے کہ پاکستان کی تحریک کی قیادت کرنے والوں نے پاکستان کو اسلام کے خوش کن نعرے کے طفیل بنا تو لیا لیکن چونکہ یہ قیادت اپنے چھ سات فٹ کے جسم پر اسلام کو نافذ نہیں کر سکی اس لیے پاکستان میں اسلام نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیادت تو چند افراد کا مجموعہ تھی لیکن اس کے برعکس پاکستان میں اس وقت سے لے کر اب تک دین کے نفاذ کے نام پر کتنی ہی جماعتیں اور اتحاد قائم ہوئے جو (پہلی قیادت کے دنیا سے کوچ کرنے کے بعد اور میدان خالی ہو جانے کی بناء پر بہتر مواقع حاصل کرنے کے باوجود) پاکستان میں اسلام کو نافذ کیوں نہ کر پائیں، ان جماعتوں اور اتحادوں کے قائدین تو اپنے سات سات فٹ جسم پر تو اسلام نافذ کیے ہوئے تھے اور ہیں۔ وہ ''قیادت'' تو ان سے کہیں

Marfat.com

بہتر ثابت ہوئی جو اپنوں اور غیروں کی مخالفت کے باوجود ''ناممکن'' کو ''ممکن'' کر کے اپنے مقصد میں کامیاب وکامران ہوگئی اور یہ ''ممکن'' کو بھی ''ممکن'' نہ کر سکے؟

پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی ہو رہی ہے اور پچاس سال میں تو دو نسلیں پروان چڑھ جاتی ہیں اور یہاں تو ایک نسل پر بھی اثرات مرتب نہ ہو سکے؟ اس کے قیام سے لے کر اب تک دینی جماعتیں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں تو نصف صدی گزرنے کے بعد بھی وہ اثرات مرتب نہ ہو سکے جو ہونے چاہئیں تھے۔

کیا اسلام کے پیغام میں خامی ہے؟

کیا نفسِ پیغام میں نقص ہے؟

کیا پیغام پہنچانے کے طریق کار میں جھول ہے؟

کیا پیغام پہنچانے کے طریق کار کا صحیح ادراک نہ ہو سکا؟

کیا پیغام سے استفادہ کرنے والوں میں استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں؟

کیا پیغام سے استفادہ کرنے والے دور جاہلیت سے بھی گئے گزرے ہیں؟

کیا پیغام رسائی کے ذرائع سے عدم واقفیت مانع ہے؟

کیا پیغام پہنچانے والوں میں اہلیت اور قابلیت نہیں؟

کیا پیغام پہنچانے والوں کے کردار، قول اور عمل میں تضاد ہے؟

کیا پیغام سے استفادہ کرنے والے ایسی سرزمین کے باسی ہیں جن میں اس پیغام کو اپنے اوپر نافذ کرنے میں ''خارجی عوامل رکاوٹ'' ہیں؟

کیا پیغام سے استفادہ کرنے والے ''ان حالات'' سے دوچار نہیں ہوئے کہ وہ ''حالات'' انھیں پیغام قبول کرنے پر مجبور کر دیں؟

کیا پیغام سے استفادہ کرنے والے کسی ایسی شخصیت کے منتظر ہیں جو ان کے معیار پر پوری اترتی ہو؟

کیا ایک ہی پیغام پہنچانے والے آپس میں متفرق تو نہیں؟

کیا ایک ہی پیغام کے داعی ایک دوسرے سے متنفر تو نہیں؟

کیا ایک ہی پیغام کے داعیوں کی راہیں جدا جدا تو نہیں؟

کیا ایک ہی پیغام کے داعیوں کے مفادات آپس میں ٹکرا تو نہیں رہے؟

کیا ایسا تو نہیں کہ پیغام کا عنوان ایک ہی ہے لیکن پسِ پردہ مقاصد مختلف ہیں؟

Marfat.com

علیٰ ہذاالقیاس اس طرح کے کئی اور سوالات بھی قائم کیے جاسکتے ہیں جو کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے رہنما اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور ہر جماعت اپنی اپنی پالیسیوں کے آئینہ میں اپنے اپنے مطلب کے جوابات بھی تیار کرلے گی اور اپنے آپ کو ان سوالات کے دائرے میں آنے سے بری الذمہ قرار دیں گی اور جوابات کا طالب اپنے دل میں آہستہ سے کہے گا:

تیرا ہی جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

لیکن غیر جانبدار ذہن کے مالک اشخاص یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یقیناً نہ نفسِ پیغام میں نقص ہے، نہ ہی پیغام میں خامی ہے، نہ استفادہ کرنے والے دور جاہلیت سے گئے گزرے ہیں، نہ خارجی عوامل رکاوٹ ہیں اور نہ حالات سد راہ ہیں بلکہ خامی اور کمی ان کے علاوہ کئی اور امور میں پوشیدہ ہے جس کا تجزیہ کرنے کے لیے ہمارے قائدین کے پاس نہ وقت ہے اور نہ انھیں ضرورت ہے وگرنہ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آخر یہ وہی سرزمین ہے جو کفرستان کا گڑھ کہلاتی تھی، جہاں پتھروں اور اصنام کی پوجا کی جاتی تھی جہاں آفتاب و ماہتاب کے سامنے سرخم کیے جاتے تھے لیکن پیغام پہنچانے والوں نے اپنے کردار، قول اور عمل سے، پیغام پہنچانے کے طریق کار کے صحیح ادراک سے، اپنی اہلیت اور قابلیت سے، راہوں کے اختلاف کے باوجود منزل کے تعین سے اور آپس کے اتحاد سے اسے اسلام کے چاہنے والوں کی آماجگاہ بنا دیا۔ جہاں ہم آزادی سے اسلام کے نفاذ کے بارے میں سوچ سکتے ہیں، کوشش کر سکتے ہیں اور عملی اقدامات اٹھا سکتے ہیں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے کہ کیا ہندوستان کے مسلمان اسلام کے نفاذ کے بارے میں عملی اقدامات اٹھا سکتے ہیں؟ کیا وہ اپنے لیے قصاص و دیت، اسلامی فوجداری و دیوانی نظام رائج کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں! اس لیے ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم قائدین پاکستان کی ذاتی زندگی کی کمزوریوں کی آڑ میں، پاکستان کی مخالفت کریں، پاکستان کو برا کہیں اور پاکستان کے وجود کے درپے ہو جائیں۔ اگر وہ پاکستان کے وجود کی نعمت سے انکاری ہیں تو صرف ایک ہفتہ اپنی آنکھوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار کا مشاہدہ کرلیں گے تو واپس آکر اپنی دل کی گہرائیوں سے پکار اٹھیں گے کہ...... پاکستان زمینی جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 16 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان کے دشمنوں کے مختلف روپ

مملکت خداداد پاکستان کے اندر پاکستانی لباس میں ملبوس بعض نام نہاد ''دانش وران قوم'' تہذیب و تمدن میں یکسانیت کے ''خود ساختہ داعیان'' ہندو پاک کی تقسیم کی اصل وجوہات سے ''ظاہر بین'' افراد کو ''شعوری'' طور پر دوبارہ ماضی کی طرف پلٹنے کی منصفانہ ترغیب کیوں دیتے رہے ہیں؟ یہ نام نہاد داعیان ''فہم و فراست'' کبھی تہذیب و تمدن کے پس منظر میں ''ایک قوم'' ہونے کا چکمہ کیوں دیتے ہیں؟

اگر واقعی ہندو مسلم کی ثقافت میں یکسانیت تھی اور ہے تو پھر پاکستان کے منصۂ شہود پر جلوہ آرائی کی واضح نفی کیوں کی جاتی ہے؟

اگر ہندو مسلم ثقافت ایک ہی رخ کے دو پہلو ہیں تو آج ہندوستان کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ کیوں توڑ رہا ہے؟

ان کو صرف اور صرف مسلمان ہونے کی سزا کیوں دے رہا ہے؟

انتخابات آزادانہ اظہار رائے پر پابندیوں کے جال میں مقید کیا ہوا کیوں ہے؟

ہزاروں مسلمان کشمیریوں کا لاکھوں فوجیوں نے محاصرہ کیا ہوا کیوں ہے؟

روزانہ کشمیر میں ہڑتالیں اور مظاہرے کس بات کی غمازی کر رہے ہیں؟

ہندوستان کی جابرانہ حکومت کے یہ اقدامات اس امر کی واضح نشاندہی کر رہے ہیں کہ ہندو مسلم ثقافت ایک جیسی نہیں ہے، تو پھر ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ہندووانہ ثقافت کے مظاہرے ''بسنت'' کی شکل میں شہر بہ شہر ''ذہنی تعیش'' کے نام پر کریں۔

نام نہاد ''دانشوران قوم'' تو یہی چاہتے ہیں کہ ثقافت میں یکسانیت کے در پردہ قوم میں تحریک پاکستان کے جذبہ کو آہستہ آہستہ کمزور کیا جائے۔

''ثقافتی وفود'' کے باہمی تبادلوں کے پس منظر میں حصہ لینے والے افراد نے کیا کبھی اس امر پر غور کیا کہ انھیں صرف مشترکہ ''عشقیہ مشاعروں'' ہی میں دعوت کیوں دی جاتی ہے؟

Marfat.com

اپنی سرحدوں کے ختم کرنے کے بارے میں ہی ترغیب کیوں دی جاتی ہے؟

انھیں ''ناچ گانوں'' اور ''رقص وسرور'' کی مشترکہ محفلوں میں شرکت کی دعوت ہی کیوں دی جاتی ہے؟

انھیں ''عیاشی پر مبنی'' فلموں میں مشترکہ کام کرنے کی دعوت ہی کیوں دی جاتی ہے؟

انھیں ملبوسات کی نمائشوں ہی میں مدعو کیوں کیا جاتا ہے؟

انھیں ''جام وسبو'' کی محفلوں، نیم عریاں لباس میں جاموں کے ٹکرانے اور لڑھکتے ہوئے اجسام سے ''لطف اندوز'' ہونے کی دعوت ہی کیوں دی جاتی ہے؟

کیا مندرجہ بالا امور تک ہی ثقافت کی تعریف محدود ہو گئی ہے؟

کیا دونوں ممالک ایک ہی ثقافت کے پرتو ہیں تو پھر ''کھیلوں کے مقابلوں'' میں پاکستانی اور ہندوستانی عوام کے جذبات میں ٹکراؤ کا ''اعلانیہ اظہار'' کیوں ہوتا ہے؟

ہر دو ٹیموں کی شکست و فتح ہر دو ممالک میں رہنے والے افراد کا ''ذاتی مسئلہ'' بن کر ٹکراؤ کی شکل میں متشکل کیوں ہو جاتی ہے؟

اگر ہندوستان مسلمانوں کا اتنا ہی خیر خواہ ہے اور جس طرح پاکستان میں غیر مسلم باشندوں کی آبادی کے اعتبار سے ان کے نمائندوں کا انتخاب ان کی اپنی آزادانہ رائے سے عمل میں لایا جاتا ہے اور ان کے حقوق کے حاصل کرنے میں تعاون کیا جاتا ہے تو اسی طرح ہندوستان میں تقریباً 20 فیصد مسلمان آبادی کے اعتبار سے اپنے اپنے نمائندوں کو آزادانہ منتخب کرنے کا موقع کیوں نہیں دیا جاتا؟ تاکہ وہ ہندوستان کے معاشرے اور سیاسی ماحول میں اپنی آبادی کے مطابق حکمران طبقہ میں شامل ہو سکیں؟ اور جب 20 فیصد مسلمان آبادی کے منتخب نمائندے آئیں گے تو گنتی میں چند نہیں ہوں گے بلکہ کروڑوں ووٹوں کے بل بوتے پر سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان نمائندے ''لوک سبھا'' میں اور صوبوں میں جمہوریت کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آئیں گے اور ہندوستان کے حکمران دنیا کو اعلانیہ بتا سکیں گے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کس قدر جمہوریت سے استفادہ کرنے کا موقع حاصل ہے اور انھیں اپنے نمائندے منتخب کرنے میں کس قدر آزادی حاصل ہے؟

لیکن پاکستان میں پاکستان کے دشمنوں کے روپ میں چلتے پھرتے ''دانشوران'' ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے حصول کے لیے کبھی صدائے احتجاج

Marfat.com

بلند نہیں کریں گے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے معاشی حقوق کے حصول کے لیے کبھی صدائے احتجاج بلند نہیں کریں گے۔

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ''اسلامی شعائر'' پر آزادانہ عمل پیرا ہونے کے مواقع مہیا کرنے کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

کیونکہ پاکستان کے دشمن اپنے روپ کو بدلنا نہیں چاہتے۔

کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

الکفر ملة واحدة.

(روزنامہ جنگ، لاہور 17 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

خوبصورت مترنم آوازیں اور استحکام پاکستان

انسانی شخصیت پر اس کے مصفی و مشفی ذہن و قلب پر...... اس کی سوچ کے زاویوں کا رخ تبدیل کرنے میں...... اس کے قوی ارادوں کو مضمحل کرنے میں...... متزلزل ارادوں کو تقویت بخشنے میں...... خوابیدہ جذبات کو آتش لو دکھانے میں، بھڑکتے ہوئے جذبات کو شعلہ زن کرنے میں...... طاق نسیاں کے حوالے کیے ہوئے احساسات کو جگانے پر...... اگرچہ کئی واقعات، حوادثات، تفکرات، جذبات اور احساسات اثر انداز ہوتے ہیں جو اس کی زندگی کے بود و باش کے اسلوب کا رخ بدل کر طرز حیات کی فکر نو عطا کرتے ہیں۔

ان ہی متبدل اور متغیر احوال میں سے ایک اثر انداز ہونے والی چیز خوبصورت، خوش کن، سریلی، شیریں، عسل عسل سے ملحوس میٹھی آواز بھی ہے جو انسانی احساسات و جذبات کو تہہ و بالا کرنے والی، غور و فکر کے زاویوں کو بدلنے والی تدبر و تفہم کے انداز کو متبدل کرنے والی اوصاف سے متصف ہے۔

حوادثات زمانہ کے ہاتھوں دھتکارا ہوا، طویل سفر کی صعوبتوں کو جھیلنے والا، جسمانی مشقتوں سے نبرد آزما، خاک و خون کے سمندر میں غوطہ زن انسان جب مذکورہ اوصاف سے متصف خوبصورت آواز کو سنتا ہے تو وہ اپنی صعوبتوں اور مشقتوں کو راحت و سکون میں تبدیل ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

اگرچہ یہ نکتہ نگاہ بھی کسی حد تک درست ہے کہ عصر حاضر میں انسانی شخصیت جن چیزوں سے متاثر ہوتی رہتی ہے ان کو صرف چند امور کی حد بندی میں محدود کر لینا ممکن نہیں ہے۔ زمانہ کی ترقی اور اس کے تغیر پذیر رجحانات کے ساتھ ساتھ اثر اندازی کے اسلوب میں تبدل ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور اسی بناء پر بعض چیزیں زود اثر ہوتی ہیں اور بعض بطئ الاثر، بعض چیزوں کے اثرات انتہائی تیز اور سریع ہوتے ہیں اور بعض چیزوں کے اثرات آہستہ آہستہ اور دھیرے دھیرے مرتب ہوتے ہیں۔ بعض کی اثر اندازی میں تلخی کا پہلو پایا جاتا ہے

Marfat.com

اور بعض میں شیریں پن کا۔ یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان اثر پذیری سے بے نیاز ہے، اگر ایسا ہی ہوتا تو زمانہ تغیرات کا شکار نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں بسنے والے افراد کے اطوار ہر آن بدلتے۔

اور یہ امر بھی ہمارے سامنے موجود ہے کہ جس شخص میں اثر قبول کرنے کے اوصاف نہ ہوں تو افراد عمومی طور پر جن جن القابات سے اسے یاد کرتے ہیں تو ان کا ان القابات، ''ظالم، سنگدل، جابر، جلاد، متکبر اور متشدد'' سے یاد کرنا ہی اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یہ قابل تعریف خوبی نہیں ہے اسی طرح جب ایک شخص اپنی خوبی کو بدی میں اپنی اچھائی کو برائی میں بدل دیتا ہے تو قابل نفرت ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس اپنی بدی کو خوبی میں اور برائی کو اچھائی میں تبدیل کر لیتا ہے تو قابل تعریف ہو جاتا ہے۔

یہ اسی اثر پذیری کا نتیجہ ہے کہ جب ایک شخص کفر کی ظلمتوں سے اپنے آپ کو نکال کر اسلام کی ضیا پاشیوں سے منور کر لیتا ہے، جبر و تشدد کے اوصاف خبیثہ سے اپنے دامن کو بچا کر شفقت و مروت کے اوصاف حمیدہ سے متصف کر لیتا ہے، جور و ستم کی ناپسندیدہ علاتوں سے بچا کر رحم و کرم کی پسندیدہ علامتوں کا خوگر بنا لیتا ہے اور علم کے نورانی اثرات کو قبول کرتے ہوئے جہالتوں کی تاریکیوں کو سپرد نسیان کر دیتا ہے تو قیادت و رہنمائی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اسی اثر اندازی کے رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مغربی تہذیب و ثقافت کے علمبرداروں نے ان اداروں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس انداز سے اپنے احکامات کے تابع کر لیا کہ وہ جس طرح کا ماحول اور معاشرہ وجود میں لانا چاہتے ہیں لا رہے ہیں۔

ماضی کی حکومت کے ذمہ دار افراد چونکہ مغربی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ اور پروردہ تھے، اس لیے انھوں نے نشریاتی اداروں سے وہی کچھ دکھایا اور سنایا جو انھوں نے چاہا لیکن اب موجودہ حکمران تو خالص پاکستانی تہذیب و تمدن کے دلدادہ افراد کے ووٹوں سے منتخب ہو کر حکمرانی کی تخت نشینی پر فائز ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ ان کا اخلاقی مذہبی اور ملی فریضہ ہے کہ ریڈیو ٹی وی کے تمام چینلز سے ایسے پروگراموں کو ختم کر دیں جو ناپختہ ذہنوں میں فکر کی پراگندگی کے جراثیم پیدا کر رہے ہیں۔

حکومت نے ایسے پروگرام ترتیب دیے ہوں گے جن میں ملک کی دولت صرف اور خرچ ہو گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایسے پروگرام بھی فوراً ترتیب دینے چاہئیں جن میں

Marfat.com

ملک کی مزید دولت خرچ نہ ہو بلکہ جو خرچ ہو رہی ہے اس کو اس انداز سے خرچ کیا جائے کہ ملک کے مفادات کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے، ملک کی آن پر حرف نہ آئے اور ملک کے قیام کی بنیادیں متزلزل نہ ہوں۔

وہ ملک کے موجودہ بجٹ کے اندر رہتے ہوئے، ریڈیو اور ٹی وی کے تمام چینلز سے مترنم آوازوں میں ایسے نغموں، گیتوں اور نظموں کو سنوا سکتی ہے جس میں ملک کے استحکام کا پیغام ہو۔ خوابیدہ خوابوں کو زندہ و جاوید کیا جانا مقصود ہو، پیارے وطن کو ترقی کے منازل طے کرنے کے جذبہ سے معمور ہوں۔

معصوم بچوں سے گانوں کی بجائے قرآن کے مترنم الفاظ میں اور ڈوبی ہوئی اصوات میں ''حسنِ قرات'' کے مقابلے ہوں۔

اسلام کے زندہ و جاوید پیغامات سے معمور حمد و نعت کی خوش کن آوازوں میں فراموش کردہ سبق کی دھرائی ہو۔

محفل میلاد کی سرود آفریں آوازوں سے کانوں کو لبھانے والے کلمات کی خوش کن آوازوں کی سماعت ہو۔

دھڑکتے مچلتے جسموں کی بجائے حسن صوت کے مجسموں کی دلربا آوازیں استحکام پاکستان کا پیغام پہنچا رہی ہوں، اور ان پروگراموں میں تو مزید نیا خرچ نہ ہوگا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 20 فروری 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند کی علمی شخصیات کے بارے میں ٹرسٹ کا قیام

جہانِ رنگ و بو میں وہی قومیں ترقی و کمال کے درجات کو حاصل کرنے میں کامیاب و کامران ہوتی ہیں جو ماضی کے کارناموں سے اپنا علمی رشتہ قائم و دائم رکھتی ہیں۔ آنے والے زمانے کی ترقی کے خاکوں میں خوبصورت رنگوں کی آمیزش کا آغاز ہمیشہ ماضی سے ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ مستقبل کی ترقیات کا دار و مدار ماضی میں قائم کردہ اساس پر ہی استوار ہوتا ہے۔ ادوار گزشتہ کے قابل فخر کارناموں کو فراموش کرنے والی اقوام جب اپنے آپ کو حال کی چکا چوند کرنوں میں گم کر لیتی ہیں تو اکثر اوقات وہ راہ حق سے بھٹک بھی جاتی ہیں۔ حال اور مستقبل کا اپنا وجود کیا ماضی کے وجود کے بغیر ممکن ہے؟ جب یہ دونوں ادوار اپنے وجود میں ماضی کے محتاج ہیں تو ازمنہ سابقہ کے آفتاب و ماہتاب کی مثل چمکتے دمکتے علمی ستاروں کی ضیاء آفرینیوں سے چشم پوشی کس طرح ممکن ہے۔

آج یورپ اور پچھم کی ترقیوں کے پس منظر میں مسلمان سائنس دانوں، مفکروں اور علمی شخصیات ہی کے قائم کردہ اصول کارفرما ہیں اور انہی اصولوں پر تحقیق و تدقیق کی جستجو نے عصر حاضر کے جملہ فنون و حرب کے شعبہ جات میں محیر العقول کارنامے سرانجام دلائے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی ایسی ایسی عظیم شخصیات گزری ہیں جن کی شاہکار تصنیفات و تالیفات سے برطانیہ، جرمنی، ترک، اسکندریہ، قاہرہ اور ہندو پاک کے کتب خانے اور لائبریریاں معمور ہیں۔ خاص طور پر انڈیا آفس لائبریری اور یورپ کے دیگر ذخیرہ کتب سے اہل یورپ نے خوب خوب استفادہ کیا۔

لیکن بدقسمتی سے آزادی پاکستان کے بعد ایسا جاگیردار طبقہ بابِ حکمرانی پر قابض ہو گیا جس نے ترقی علم کو اپنی حکمرانی کے لیے انتہائی مضر اور نقصان دہ خیال کیا اور اس علم دشمن

Marfat.com

طبقہ نے شعوری طور پر ایسی ناپاک کوششیں کیں جس کی بناء پر ہمارا ماضی سے علمی رشتہ منقطع ہو گیا۔

البتہ اپنے طور پر پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں، دینی جامعات اور فروغ علم و آگہی کے اداروں نے انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں بھی اس علمی رشتہ کی لڑی کو ٹوٹنے نہ دیا اور سرکاری رکاوٹوں اور گوناگوں بندشوں کے باوجود فروغ علم میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

ان گمبھیر حالات کے باوجود جامعہ پنجاب نے عمومی طور پر اور شعبہ السنہ شرقیہ نے خاص طور پر برصغیر پاک و ہند کے علمی ورثے کے تحفظ کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ان کوششوں میں ادبِ عربی کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند اور ممالک عربیہ میں یکساں مشہور و معروف علمی و ادبی شخصیت ڈاکٹر ظہور احمد اظہر پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ کی علم و حکمت سے غیر مشروط وابستگی ہی کی بناء پر برصغیر پاک و ہند اور عالم اسلام کی درہ ہائے یگانہ اور نابغہ روزگار شخصیات اور ان کے علمی جواہر پر مبنی مخطوطات اور دبیز پردوں میں طاق نسیاں کے سپرد کیے ہوئے علمی کارناموں کو حیاتِ نو حاصل ہوئی اور کتنی ہی سپرد نسیاں کی ہوئی نابغہ روزگار شخصیات سے تعارف تو حاصل ہوا۔

ان علمی خدمات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند کے بطل حریت ''مولانا فضل حق خیر آبادی بحیثیت عربی شاعر'' اور منبع علم و عرفان اعلیٰ حضرت ''مولانا احمد رضا خان بحیثیت عربی شاعر'' ہر دو کے عربی دیوانوں کو ایڈٹ کیا گیا۔

شاہجہان کے عہد کے عظیم سکالر محمد یار بیگ برہان پوری کی عربی زبان میں تصنیف کردہ مخطوطہ ''خلاصۃ البرّ'' کو ڈاکٹر قمر علی نے ایڈٹ کیا۔ مخدوم عبداللہ سندھی کی کتاب ''مواہب العلام فی فضائل سید الانام'' پر طاہر بخاری نے بے مثل کام کیا۔

صفی الدین جونپوری، شہاب الدین دولتہ آبادی کی نحو کے بارے مایہ ناز تصنیف ''غایتہ التحقیق'' کو محقق کیا۔

نجمہ ملک صاحبہ نے ''کتاب الہندی'' کے نام سے ''شرح الہندی'' پر پی ایچ ڈی کی۔

عبدالعزیز پھر پاروی کی ''نعم الوجیز'' جو علم بلاغت اور اعجاز القرآن کے موضوع پر نایاب کتاب کو ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے ایڈٹ کیا۔ نیز ان کی تفسیر کو بھی آپ نے ایڈٹ کیا اور مزید علامہ سیوطی کے مخطوطہ ''الخصائص الصغریٰ'' کو بھی ایڈٹ کیا۔

تصوف کے موضوع پر نایاب کتاب ''السلوک الی ملک الملوک'' کو بھی آپ نے

Marfat.com

ایڈٹ کیا۔

جامعہ پنجاب دگرگوں حالات کے باوجود 250 سے 300 تک مخطوطات کو ایڈٹ کرا چکا ہے۔

لیکن یہ تمام علمی کام ابھی بھی تشنہ لب ہے۔

اہلِ پاکستان کے لیے یہ امر کس قدر تکلیف دہ اور اپنے مشاہدے سے بے رغبتی کا ماتم کناں رویہ کا مظہر ہے کہ بانی پاکستان قائداعظمؒ کے بارے میں حکومت پاکستان نے عربی میں صرف چند پمفلٹ شائع کیے تھے جو اَب ناپید ہیں جبکہ اس کے برعکس ہندوستان کے مکار ہندو حکمرانوں نے مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر عرب اسلامی ممالک میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لیے ''گاندھی'' پر 5-6 اور ''اندرا گاندھی'' پر تقریباً دس ضخیم کتابیں عربی زبان میں شائع کرا کے مشرق وسطیٰ کے ہر حکمران، ہر افسر اعلیٰ اور ہر لائبریری میں مفت مہیا کرائیں۔

ہندوستان عرب ممالک میں ایسے افراد کو سفیر مقرر کرتا ہے جو فصاحت و بلاغت پر مبنی فی البدیہہ عربی میں بے تکلفانہ گفتگو کر سکیں اور ہماری حکومت کا رویہ......

ہندوستان کے حکمران ہند میں چھپنے والی ہر عربی کتاب کو عرب ممالک میں بلامعاوضہ اہم مقامات پر پہنچاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج مشرق وسطیٰ کے ممالک کی جامعات اور تعلیمی اداروں کے عربی نصاب میں ہندوستان کے مشاہیر سیاستدانوں کے سوانحی حالات اور ان کے آزادی کے کارناموں پر مبنی موضوعات شامل نصاب ہیں جبکہ پاکستان کے بانی ''قائداعظم علیہ الرحمہ......''

موجودہ مسلم لیگی حکومت کا نہ صرف اخلاقی بلکہ ملی فرض ہے کہ وہ ایک ایسا ٹرسٹ قائم کرے جس میں قائداعظمؒ اور پاکستان کی آزادی کے مشاہیر کے سوانحی حالات کو تحقیقی انداز اور عربی زبان میں تصنیف کرا کے شائع کرے اور ماضی میں کی ہوئی عدم توجہی کی تلافی کرائے۔

اور یہ ٹرسٹ اہل علم اور تحقیق و تدقیق کے ماہرین پر مشتمل ہو جو برصغیر کی نابغہ روزگار شخصیات کے علمی، فکری اور ملی کارناموں کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرے۔

برصغیر پاک و ہند کی عظیم علمی شخصیات کو زندہ و جاوید رکھنا اس قائم شدہ ٹرسٹ کے فرائض میں شامل ہو۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 21 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ہمارے نشریاتی ''حکمران''

ترقی یافتہ، جدید تہذیب و تمدن کے علمبردار، معاشرتی جکڑ بندیوں میں جکڑے جانے سے انکاری ممالک کے میڈیائی اور ریڈیائی ذرائع ابلاغ، نشریاتی، اشاعتی، اطلاعاتی اور ابلاغیاتی ادارے اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ جب تک اسی نہج، اسی انداز، اسی طریق اور انہی پروگرامز کے مطابق بلکہ ان سے بڑھ کر انداز اختیار نہ کیا جائے گا اس وقت تک نہ ان کا جواب دیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا توڑ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

بظاہر یہ جواب بڑا مدلل، معقول اور زود فہم نظر آ رہا ہے لیکن اس جواب کے پیچھے جو سازش اور عیارانہ چال پوشیدہ ہے، وہ ہمیں اخلاقی تباہی سے دوچار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

ان ترقی یافتہ ممالک کے ان اداروں سے دکھائے جانے والے پروگرامز کے دو پہلو ہیں۔

1- سائنسی، معلوماتی، اطلاعاتی، تخلیقی، تجرباتی اور تجزیاتی،

2- تفریحی، تصویری، موسیقی، عشق و عاشقی، محبت و الفت کی آڑ میں بداخلاقی، بدتہذیبی اور ملک و وطن کی اساس سے بے رغبتی کے جذبات پیدا کرنے والے پروگرام۔

یقیناً پہلی قسم کے پروگراموں کے دکھائے جانے کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں، ایسے پروگرام مفید بھی ہو سکتے ہیں اور مناسب بھی اور دنیاوی ترقی میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری بھی ہیں۔

لیکن دوسری قسم کے پروگراموں کے دکھائے جانے اور تسلسل سے بار بار دکھائے جانے کے بارے میں کوئی معقول امر نظر نہیں آتا۔ آیئے ایک لمحہ کے لیے پاکستانی مسلمان بن کر سوچئے اور اپنے من میں جواب دیجئے۔

کیا ان ممالک نے پہلے ترقی سائنس کے میدان میں کی؟ یا کیا ان ممالک نے

Marfat.com

پہلے قدم ٹیکنالوجی کے میدان میں رکھا؟ یا کیا ان ممالک نے پہلے خوابوں کو عملی جامہ پہنایا؟ یا کیا ان ممالک کے سائنس دانوں نے پہلے خلائی سیاروں کو مسخر کیا؟ یا...... کیا ان ممالک نے پہلے دنیا کو اپنے مالیاتی شکنجے میں کسا؟ یا کیا ان ممالک نے پہلے دنیا کو اپنے در کا گدا کر بنایا؟ یا کیا ان ممالک نے پہلے زمین کے اوپر اور نیچے موجود قیمتی جواہر و زر پر قبضہ کرنے کی تدابیر اختیار کیں؟ یا کیا ان ملکوں نے پہلے اپنے ملکوں میں بسنے والے افراد کو علم کی دولت سے مالا مال کیا؟ یا...... کیا ان ملکوں نے پہلے اپنے ملکوں میں بسنے والے افراد کو وقت کے قیمتی ہونے کا احساس دلایا؟ یا...... کیا ان ممالک نے پہلے اپنے ملکوں میں بسنے والے افراد کو تنظیم اور اتحاد کا پہلے سبق دیا؟ یا......

یہ ملک میں بسنے والے افراد کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ جو کارنامے ان قوموں نے پہلے کیے ہم ان کے قریب پھٹکنا بھی نہیں چاہتے، ہم ان میں تکالیف برداشت کرنا بھی نہیں چاہتے، ہم ان میں محنت و کوشش کرنا بھی نہیں چاہتے۔

اور دل میں خواہش رکھتے ہیں ان سے مقابلہ کرنے کی جبکہ......قوت کا مقابلہ قوت کے بہتر استعمال سے ہوتا ہے......

عقل کا مقابلہ عقل کو بہتر انداز سے استعمال کرنے سے ہوتا ہے......

......شعور کا مقابلہ شعور کو بہتر اظہار کے طریق سے ہوتا ہے......

......تدبیر کا جواب بہتر تدبیر سے دیا جاتا ہے......

...... برائی کا مقابلہ کم تر برائی بلکہ نیکی سے دیا جاتا ہے......

......نیکی کا مقابلہ خوب تر نیکی سے کیا جاتا ہے......

...... بدخوئی کا جواب نیک خوئی سے دیا جاتا ہے......

......غیبت کا جواب خوب گوئی سے دیا جاتا ہے......

...... جہالت کا مقابلہ فروغِ علم سے کیا جاتا ہے......

...... بیوقوفی کا مقابلہ عقلمندی سے کیا جاتا ہے......

......طعن و تشنیع کا مقابلہ عفو و درگزر سے کیا جاتا ہے......

......ظلم و جبر کا مقابلہ صبر و شکر سے کیا جاتا ہے......

اور ہمارے ریڈیو اور ٹی وی پر براجمان ''حکمران'' چاہتے ہیں کہ ہم

Marfat.com

فحاشی کے مقابلہ میں ان سے زیادہ فحاشی کے مناظر دکھا کر کریں......

......عریانی کے جواب میں ان سے زیادہ عریانی کے مظاہرے دکھا کر کریں......

...... بداخلاق مناظر کے مقابلہ میں ان سے زیادہ بداخلاق مناظر دکھا کر کریں......

...... بے ہودگی کا مقابلہ زیادہ بے ہودہ گوئی سے کیا جائے...... معصوم اور پاک باز ''بچیوں'' سے عشقیہ بیت بازی میں مقابلہ کرایا جائے۔

نوخیز دوشیزاؤں کا مقابلہ شعروشاعری میں گھبرو نوجوان سے کرایا جائے۔

فلموں کا مقابلہ فلموں کی بہتان سے کرایا جائے۔

میوزیکل چینلو پر مٹکتے ہوئے زن و مرد کی پلاجوٹی میں مقابلہ کرایا جائے۔

''نسوانی'' و''ذکرانی'' سریلی آوازوں میں مقابلہ کرایا جائے کیونکہ...... ہم نے...... بھی...... ترقی یافتہ...... قوموں...... کا...... مقابلہ...... بھی...... تو...... کرنا...... ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 22 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ہمارے ''نشریاتی حکمران''

ہمارے نشریاتی ادارے اور خاص طور پر پی ٹی وی کا ادارہ بھولے بھالے، سیدھے سادھے معصوم عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہمارے پروگرام اللہ کے فضل سے قرآن کریم کی تلاوت سے شروع ہوتے ہیں اور اختتام بھی فرمانِ الٰہی سے ہوتا ہے تاکہ ظاہر بین شخص کی نگاہ میں اور اس کے شعور میں غیر محسوس طریقے سے یہ بات ''پختہ'' کی جائے کہ پروگراموں کی ابتداء سے انتہا تک اسلام کے مقاصد پورے کیے جا رہے ہیں۔ نگاہ اوّل اور آخر کے پروگرام پر آ کر ''تک'' جائے کہ اول سے آخر تک ''اسی کے'' پیغام کو پھیلایا جا رہا ہے۔

آیئے ذرا ایک نگاہ پی ٹی وی کے مورخہ 21 فروری بروز جمعہ کے طبع شدہ پروگراموں پر ڈالتے ہیں اور تجزیہ کرتے ہیں کہ ہمارے ''نشریاتی حکمرانوں'' کا دعویٰ کس حد تک ''سچا'' ہے۔

صبح کی نشریات 6 گھنٹوں پر اور بعد از دوپہر سے رات گئے تک کی نشریات 10 گھنٹوں پر مشتمل ہیں، گویا کل نشریات 16 گھنٹوں پر محیط ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ 960 منٹ تک تمام پروگرام دکھائے جانے مقصود ہیں جبکہ اس کا دورانیہ ایک ہزار منٹ بھی ہوسکتا ہے۔ ان 16 گھنٹوں یا 960 منٹوں میں مختلف عنوانات سے جو پروگرام دکھائے جانے مقصود ہیں ان میں صرف دین اسلام کے پروگرام اور اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

صبح کی نشریات

بصیرت...... 6 منٹ

حمد باری تعالیٰ...... 5 منٹ

تدریس القرآن...... 30 منٹ

گویا چھ گھنٹے یا 360 منٹ کی نشریات میں صرف 41 منٹ کے دینی پروگرام پیش کیے گئے جو کل پروگرام کا 11.39 فیصد ہوتے ہیں۔

Marfat.com

بعداز دوپہر کی نشریات

بصیرت...... 6 منٹ

القرآن سبق نمبر 69...... 5 منٹ

حج بیت اللہ...... 20 منٹ

(یہ پروگرام صرف حج کے زائرین کے استفادہ کے لیے ہے وگرنہ عام دنوں میں یہ پروگرام پیش نہیں کیا جاتا، اس طرح دورانیہ اور کم ہو جائے گا)

سمجھیں اسلام کو...... 25 منٹ

فرمانِ الٰہی...... 7 منٹ

تو اس طرح 10 گھنٹے یا 600 منٹ کی نشریات میں صرف اور صرف 63 منٹ کے دینی پروگرام پیش کیے گئے جو اس دورانیہ کے پروگرام کا 10.05 فیصد ہوتا ہے۔

اور کُل 16 گھنٹوں یا 960 منٹ کے پروگرام میں 104 منٹ کے پروگرام پیش کیے گئے جو کُل پروگرام کا 10.90 فیصد ہوتا ہے گویا تقریباً 90 فیصد پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن میں اسلام کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی جاتی۔

یہ دورانیہ کی تفصیل بھی اس حد تک کارفرما ہے جب ان پروگراموں کے درمیان کوئی ''اشتہار'' نہ دکھایا جائے اور ''اشتہار'' کے بغیر نہ تو کسی پروگرام کا آغاز ہوتا ہے اور نہ اختتام۔ اس بنا پر اگر حقیقی دینی پروگراموں کا دورانیہ کا احاطہ کیا جائے تو ان کا دورانیہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔

یہ تفصیل صرف پی ٹی وی کے پروگرامز کی ہے جبکہ ''ایس ٹی این'' کے چھ گھنٹے کے پروگرام میں صرف 3 منٹ کا ''مینارِ نور'' کے نام سے صرف ایک پروگرام پیش کیا جانا مقصود ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان میں جو دیگر عمومی طور پر سیٹ لائٹ کے ذریعے پروگرام دیکھے جا سکتے ہیں ان کی تفاصیل کے مطابق ''زی ٹی وی'' کے 16 گھنٹے کے پروگراموں میں ایک پروگرام بھی اسلام کے عنوان سے پیش نہیں کیا جاتا۔ ''بی بی سی'' کے 15 گھنٹے اور ''اسٹار پلس'' کے 45 منٹ کے پروگراموں میں بھی یہی صورتحال ہے...... اور اگر ''سیٹ لائٹ پروگراموں'' میں کوئی شخص اپنے ٹی وی کے چینل کو بدل کر دیگر چینلز لگا لے تو ان پروگراموں کی

Marfat.com

افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس فعل کا تعلق اس شخص کے اپنے ذاتی عمل کے ساتھ ہے لیکن بہرحال قابل غور امر ہے کہ ہمارے ''نشریاتی حکمران'' پاکستانیوں کو کس طرح کی تفریح مہیا کر رہے ہیں؟ اور تفریح کے عنوانات کے نام پر عشقیہ ڈراموں اور کھیلوں کے پروگراموں کا دورانیہ اس سے کہیں زیادہ بنتا ہے اگرچہ موجودہ دور میں ان پروگراموں سے فرار ممکن نہیں ہے لیکن ''نشریاتی حکمران'' کم از کم اتنے اسلامی پروگرام تو دکھائیں جن سے ایک مسلمان کو اپنے دین کے بارے میں کسی حد تک واجبی اور ضروری معلومات حاصل ہو جائیں، اور وہ کہہ سکے کہ میں ایک ''پاکستانی مسلمان'' ہوں اور اسی طرح پاکستان میں بسنے والے دیگر مذاہب کے پروگرام ان کے دینی اور مذہبی ایام کے مواقع پر دکھائے جائیں تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو ایک ''محب وطن'' پاکستانی کہہ سکیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 23 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ہمارے نشریاتی ''حکمران''

موجودہ حکمرانوں کا ''مسلم لیگ'' کے پلیٹ فارم سے اقتدار کی کرسی پر متمکن ہونا خود اس امر کی واضح نشاندہی کر رہا ہے کہ پاکستانی عوام ابھی بھی پاکستان کو معرض وجود میں لانے والی جماعت ''مسلم لیگ'' کے نام سے الرجک نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی انھیں لفظ ''مسلم'' سے نفرت ہوئی ہے بلکہ اس الیکشن میں تو لفظ ''مسلم'' سے پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے وابستگی کا عملاً اظہار ہوا ہے۔

مذہب کی قوت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا چاہے وہ مغربی تہذیب کا کتنا ہی دلدادہ کیوں نہ ہو یا مشرقی تہذیب کا پابند ہو۔

کیا مغرب میں موجود کتنے ہی ایسے آزاد ممالک نہیں ہیں جو یورپ کی عریاں تہذیب کے دلدل میں گرے جانے کے باوجود اپنی سلطنت اور حکمرانی کے عہدے پر کسی ایسے شخص کو حکمران دیکھنا بھی نہیں چاہتے جو عیسائی ہونا تو دور کی بات ہے۔ عیسائیوں کے دو مشہور ''کیتھولک'' اور ''پروٹسٹنٹ'' گروہ میں سے کسی ایک گروہ سے متعلق نہیں ہے یعنی اس ملک کے آئین کے مطابق اگر ''کیتھولک'' حکمران کا ہونا لازمی ہے تو باوجود ''پروٹسٹنٹ'' عیسائی ہونے کے وہ حکمران نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ''کیتھولک'' عیسائی نہیں ہے اور اگر آئین کہتا ہے کہ ''پروٹسٹنٹ'' عیسائی ہی حکمران ہو سکتا ہے تو وہ ''کیتھولک'' عیسائی ہونے کے باوجود حکمران نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ''پروٹسٹنٹ'' عیسائی نہیں ہے کیونکہ یہ ان کے مذہبی روایات کے خلاف ہے۔

جبکہ وہ ''حقوق انسانی'' کی آڑ میں آزادی رائے کے دعویدار ہیں۔ پسماندہ، غریب اور اسلامی ممالک میں اگر کوئی ایسا قانون یا روایت قائم ہو جائے جس میں مذہب سے معمولی اور واجبی تعلق کا اظہار ہوتا ہو تو ''حقوق انسانی'' کی خلاف ورزی کا طوفان بدتمیزی بپا ہو جاتا ہے۔ آزادی رائے پر قدغن عائد کرنے کے الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

لیکن ان ''حقوق انسانی'' کے دعویدار ممالک میں اگر ان کے اپنے مذہب کے خلاف ''آزادی رائے'' کے زیر سایہ کوئی ''حکمران'' بننا چاہے تو نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اندر سے کٹر مذہب پرست ہیں۔

''ان کے کتنے ہی ایسے چینل ہیں جو سیٹلائٹ کے ذریعے مسلسل دن ہو یا رات اپنے مذہبی پروگرام پوری دنیا میں نشر کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے نشریاتی ''حکمرانوں'' کو اگر 16 گھنٹے کے پروگرام کے دورانیہ میں صرف 2 گھنٹے اسلامی بھی نہیں بلکہ اخلاقی اور عریانی، فحاشی سے پاک پروگرام پیش کرنے کا مطالبہ یا تجویز پیش کی جائے تو ''ڈش انٹینا'' کی دہائی دینے لگتے ہیں کہ وہ کس طرح ڈش انٹینا کا مقابلہ کر سکتے ہیں گویا ''ڈش انٹینا'' کوئی ایسی خوفناک چیز ہے جس کا تدارک ان کی قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔ ان کا یہ کہنا کس قدر خلاف واقعہ ہے کہ اگر ہم اپنے پروگراموں کو اصلاحی بنالیں گے تو لوگ ''ڈش انٹینا'' کے ذریعے غیر ملکی پروگرام دیکھنا شروع کر دیں گے، جن کے پروگراموں پر ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔

''ڈش انٹینا'' کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہمارے ملک یا شہروں میں ''ڈش انٹینا'' کے ذریعے دیکھے جانے والے پروگراموں کا تجزیہ ایک سروے کے ذریعے کیا گیا تو جو حقیقی صورتحال سامنے آئی تو وہ کچھ یوں تھی۔ پنجاب کے دارالحکومت لاہور شہر کی 60 لاکھ کی آبادی میں تقریباً 10 لاکھ افراد کے پاس ٹی وی سیٹ ہیں (جن میں اگر لائیسنس ٹی وی ہولڈر کو شامل کیا جائے تو وہ 10 لاکھ سے بھی کم ہے) جو لاہور کی کل آبادی کا صرف 16.66 فیصد ہوتا ہے گویا یہ وہ افراد ہیں جن کے پاس ٹی وی سیٹ ہیں۔

ایک ''ڈش انٹینا'' 5 ہزار سے 10 ہزار روپے کے درمیان خرید کیا جا سکتا ہے۔

تو کتنے فیصد افراد کی قوتِ خرید اتنی ہے کہ وہ کم از کم اس مہنگائی کے دور میں اس کو خرید سکیں؟

لاہور کی آبادی میں صرف 2 فیصد سے لے کر 3 فیصد وہ افراد ہیں جن کے گھروں پر ''ڈش انٹینا'' نصب ہیں۔

کراچی، ملتان، پشاور، اور فیصل آباد کے علاوہ صرف اسلام آباد وہ شہر ہے جہاں ''ڈش انٹینا'' کی تعداد بین الاقوامی شہر، غیر ملکی سفارت خانوں اور غیر ملکی افراد کی رہائش اختیار کرنے کی بناء پر زائد ہے وگرنہ اس شہر کے علاوہ باقی شہروں میں تقریباً وہی صورتحال ہے جو

Marfat.com

لاہور کی ہے۔

جبکہ دیہاتوں اور گاؤں میں ''ڈش انٹینا'' کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

کیا صرف 2 اور 3 فیصد افراد کی خوشنودی کی خاطر پوری قوم کو فحاشی، عریانی اور عیاشی اور بے ہودہ پروگراموں کی ناقابل برداشت ذہنی کوفت کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے؟

کیا ''آزادی رائے'' کے دعویداروں کے نزدیک 98 فیصد یا 97 فیصد افراد کی...... اکثریت...... اقلیت...... شمار ہوتی ہے؟

صرف اخلاق سے گرے ہوئے رقص بند کر دینے سے قوم کی اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لیے پاکستانی ذہن کے افراد کی بنائی ہوئی مستقل پالیسیاں مداوا کر سکتی ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 24 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

اگرچہ ہے بہت معمولی مگر......

آقائے نامدار علیہ التحیہ والثناء کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ ہمیں دعوت فکر و عمل دے رہا ہے اور جس کی تائید رب دوجہاں کے اس بابرکت فرمان سے ہو رہی ہے کہ "بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول کی پیروی میں بہتری ہے۔" (القرآن)

آج کے نفسا نفسی اور افراتفری کے دور میں ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ اطمینان و سکون کی دولت سے اپنے آپ کو متدین کر سکے، اس کی زندگی کے اطوار میں باقاعدگی اور نظم و ضبط کے اوصاف پیدا ہوں اور زمانہ عسرت میں بھی خوشحالی کے احساسات کی دولت سے مالا مال ہو۔

ان سطور میں آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کے روزمرہ کے معاملات میں سے ایک معمول کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اگر اس کو حرزِ جان بنا لیا جائے تو حقیقی معنی میں انسان "سکونِ قلب" کی کیفیات کو عملاً محسوس کرتا ہے۔

شعراء نیند کو موت سے تشبیہ دیتے ہوئے لطیف پیرائے میں مثبت و منفی کے ملاپ کو اپنے اپنے انداز اور حسین پیرائیوں میں ذکر کرتے رہتے ہیں اور آپ (علیہ السلام) نے اسی اثبات و نفی کی یکجائی کو دعا کی شکل میں اس طرح بیان فرمایا کہ جب آپ (علیہ السلام) نصف شب کے قریب بستر مبارک سے اٹھتے تو دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی مانگتے تھے۔

"اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور (زندہ اور مرنے کے بعد) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

تعجب ہے کہ انسان موت کے وارد ہونے سے کس طرح انکار کرتا ہے جبکہ خود روزانہ ان "کیفیات مُردگی" کو اپنے آپ پر وارد ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ موت و حیات کے ذائقوں کو روزانہ چکھتا بھی ہے اور بڑی ڈھٹائی سے تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اور عام طور پر ایک انسان نیند سے اٹھنے کے بعد قضائے حاجاتِ ضروریہ سے

Marfat.com

فراغت کے لیے بیت الخلاء کی طرف روانہ ہوتا ہے تو آپ بھی جوتا پہن کر سر کو ڈھانکتے ہوئے بائیں پاؤں کو بیت الخلاء میں داخل کرنے سے پہلے یہ دعا مانگتے:

''اے میرے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں، تکلیف دینے والی نر اور مادہ (شیطانوں اور جنوں جیسی) چیزوں سے۔''

اور فراغت کے بعد جب آپ ﷺ باہر تشریف لانا چاہتے تو دائیں پاؤں کو پہلے باہر رکھتے اور فرماتے:

''اے اللہ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں۔''

اور اس کے بعد یہ دعا مانگتے:

''تمام تعریفیں اس ذات مقدسہ کے لیے جس نے میری تکلیف کو رفع کیا اور عافیت بخشی۔''

بعض اوقات انسان کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اسلام ہمیں معمولی معمولی باتوں پر بھی جو انتہائی غیر اہم ہوتی ہیں بڑی شدت اور باقاعدگی سے عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے؟

یقیناً اہلِ ظاہر فرد کو یہ باتیں غیر اہم نظر آتی ہیں لیکن جب وہ ان معمولی معمولی غیر اہم چیزوں کی بنا پر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس معمولی چیز کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ معمولی چیز اس کی نگاہ میں معمولی نہیں رہتی۔

ایک معمولی سی سوئی جس کی اپنی کوئی جسامت بھی نہیں ہے، اس میں کوئی ثقل نہیں، اس کا اپنا کوئی بوجھ بھی نہیں ہے اور اگر یہی معمولی سی سوئی کسی کو چبھ جائے تو جس درد کا احساس اسے ہوگا اتنا کسی اور کو نہیں ہوگا۔ دیکھنے والے کی نگاہ میں اس کی نوک کا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لیے وہ اس درد سے ناآشنا ہے جس درد کو سوئی چبھنے والا محسوس کر رہا ہے، جس دردناک کیفیت سے وہ دوچار ہے اس سے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

جب کبھی اسے سوئی چبھے گی تو وہ اس درد سے آشنا ہوگا اور اس وقت اسے معمولی اور بے قدر چیز کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔

بعض اوقات بے قدر چیز اپنے اندر اتنی قدر رکھتی ہے کہ اس کی بے قدری کرنے والا بھی اس کی قدر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ہر انسان کا بیت الخلاء سے فارغ ہونے کا عمل روزانہ کا معمول ہے۔ اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال بھی پیدا نہ ہوا ہوگا کہ وہ ایک بہت بڑے عذاب سے بخیر و عافیت نکل آیا ہے۔ بول و براز کا اخراج بظاہر اہمیت کا حامل نہیں ہے لیکن خدانخواستہ اگر بول کا اخراج رک جائے یا براز کے خروج میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو تب احساس ہوتا ہے کہ یہ ان چیزوں کا اخراج بھی نعمتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ ہسپتالوں میں کتنے ہی افراد ایسے نظر آتے ہیں جو ان رکاوٹوں سے دوچار ہوتے ہیں تو ان سے ذرا پوچھ کر دیکھئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو انسان کو حاصل ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس دعا کو جس عربی کلمہ سے شروع فرمایا یہ وہی کلمہ ہے جس سے سورۃ فاتحہ کا آغاز ہو رہا ہے یعنی ''تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے میری تکلیف کو دور کیا اور عافیت بخشی۔''

اور تعریف نعمت کے عطا ہونے پر بھی ہوتی ہے تو آیئے ہم بھی اس ''دعا'' کو اپنا معمول بنالیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 25 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

عوام کے ارمان ٹوٹنے نہ پائیں

پاکستان میں موجودہ انتخاب کے بعد برسر اقتدار آنے والی حکومت نے پاکستان کی محبت میں ڈوب کر چند اقدامات کا اعلان ہی کیا تو عوام نے جواب آں غزل کے طور پر پاکستان کے بارے میں اسی محبت سے معمور جذبات کا اظہار کیا جس سے یہ حوصلہ افزا صورتحال اجاگر ہوئی کہ عوام میں اپنے وطن سے محبت کے احساسات اور جذبات سرد نہیں ہوئے ہیں جو مایوس کن حالات میں نور کی ایک کرن بن کر سامنے آئے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

وطن وہی ہے...... وطن کی مٹی وہی ہے، لہلہاتے ہوئے کھیت وہی ہیں...... ثمرات سے مزین اور خوشبو سے معطر باغات وہی ہیں...... بل کھاتی ہوئی سڑکیں بھی وہی ہیں...... بلند و بالا عمارات بھی وہی ہیں...... ملک میں بسنے والے افراد بھی وہی ہیں...... نظم و نسق چلانے والی مشینری بھی وہی ہے...... بیوروکریسی کے کارندے بھی وہی ہیں۔

کافی حد تک پولیس کی ناقص کارکردگی بھی وہی ہے...... صدر بھی وہی ہیں...... گورنر بھی وہی ہیں...... اسمبلی ہال بھی وہی ہے...... البتہ نئی تزئین شدہ اسمبلی کی نرم و نازک کرسیوں اور فلور پر براجمان ہونے والے چہرے بدلے ہیں...... حکمران بدلے ہیں...... حکمرانوں کا انداز حکمرانی بدلا ہے...... تو بے بس عوام کی مایوسی، خوش کن امید نو میں بدل گئی...... چہرے پر چھائے ہوئے مایوسی کے بادل کہیں دور سے آتی ہوئی گھٹاؤں کی خوشخبری سنانے کی صداؤں میں بدل گئی...... دولت کی بند "تجوریاں"، "وطن پاکستان" کی عزت، عظمت، عصمت اور حفاظت پر نچھاور ہونے کے لیے کھل گئیں...... "سٹاک ایکسچینج" کی نشیب و فراز سے دوچار "حالت زبوں" کسی "الہ دین کے چراغ" کی چمکتی ہوئی "لو" کی تلاش میں عروج کی جانب مائل ہو گئی۔

اگر واقعی "حسن انتخاب" میں عوام سے "چوک" واقع ہوئی ہوتی یا "حسن انتخاب"

Marfat.com

کی ''کرشمہ سازی'' میں صداقت کا پہلو ہوتا تو ''فقر و مفلسی'' کے بوجھ تلے عوام ''کالانعام'' اپنی جان سے عزیز ''زر و ثمن'' کے بند کیے ہوئے ''در'' یوں نہ کشادہ کرتے......

پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سماجی، فلاحی ادارے مملکت کی ترقی کے بارے میں اپنے حسین مستقبل کے خوابوں کی تکمیل کے لیے بڑھ چڑھ کر اپنی اپنی تجاویز و آراء پیش نہ کرتے۔

پاکستان میں موجود اسی طرح کی ایک متحرک تنظیم ''مصطفائی تحریک'' نے بھی کافی عرصہ پہلے ملک کو قرضوں کے بوجھ سے نجات دلانے کے لیے ''قرض اتارو...... ملک سنوارو'' کے سلوگن کو تاریخ اسلام کے ایک عظیم جہادی پروگرام سے منسوب کرتے ہوئے مستقل بنیادوں پر قائم کرنے کی تجویز محبت بھرے جذبہ سے ان الفاظ میں پیش کی ہوئی ہے:

''کہ اس میں دینی اور جہادی سپرٹ پیدا کرنے کے لیے اس کے لیے قائم کیے جانے والے فنڈ کو دور رسالت مآب ﷺ میں ''جنگِ تبوک'' کے موقع پر کیے جانے والے بے مثال ''مالی ایثار'' سے نسبت دے کر ''تبوک فنڈ'' کے نام سے موسوم کیا جائے اس طرح لوگ غلامیِ رسول ﷺ اور اتباعِ صحابہ کرام کے جذبہ سے سرشار ہو کر کام کریں گے۔'' نیز اس فنڈ کے اندر وزراء، صدر اور دیگر پارٹیوں کے رہنما اور منتخب نمائندے اپنے اپنے کل اثاثوں کے مطابق دس دس فیصد اس فنڈ میں جمع کرائیں اور اس کے بعد اسے عوامی تحریک کے طور پر ابھاریں۔ گولڈن جوبلی سال کا اعلان ''قرضوں سے پاک پاکستان اور قرض اتارو وطن سدھارو'' جیسے نعرے اس تحریک کے موثر سلوگن بن سکتے ہیں۔

اگر ہماری قیادت ذاتی زندگی میں سادگی اختیار کرے، صدر مملکت اور وزیر اعظم بڑے بڑے محلات کی بجائے چھوٹے ''مکانوں'' میں رہنا گوارا کریں تو عوام کے اعتماد میں ناقابل یقین اضافہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ (1) نادہندگان سے لوٹی ہوئی دولت کی فوری واپسی (2) غیر پیداواری اخراجات میں کمی اور قومی آمدن میں اضافے کے لیے انقلابی اقدامات (3) ٹیکسوں کے نظام میں اصلاح اور زکوٰۃ کا حقیقی معنی میں نفاذ و استعمال (4) ملکی مصنوعات کے استعمال کا رواج (5) سادگی اور کفایت شعاری کا فروغ (6) دینی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی ترویج۔

لیکن حکمران طبقہ اپنے نعرے ''قرض اتارو، ملک سنوارو'' کے نعرے کو حقیقی معنی

Marfat.com

میں کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہر ہفتہ کے بعد اس فنڈ میں جمع اور خرچ ہونے والی رقم کی مالیت سے عوام کو برابر مطلع کرتا رہے تا کہ عوام کو معلوم ہو کہ حکمران طبقہ نے اس رقم کو کہیں اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا ہے اور اگر عوام کو مکمل تفصیلات آمدن و خرچ مہیا کی جاتی رہیں تو ایک سال کے اندر ہی عوام ملک کو قرض سے نجات دلا دیں گے۔ (انشاء اللہ)

حضور اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "جو شخص مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہوا اور ان کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔"

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے مسلمانوں کی ذمہ داری قبول کی، پھر ان کی خیر خواہی نہ کی اور فرض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو اس طرح نہ تھکایا جیسے اپنے ذاتی کاموں کے لیے خود کو تھکاتا ہے تو اللہ جل شانہ اسے جہنم میں منہ کے بل گرا دے گا۔"

حکمرانوں کے ذہن میں یہ بات جاگزیں رہے کہ "عوام کے ارمان ٹوٹنے نہ پائیں!"

(روزنامہ جنگ، لاہور 28 فروری 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آزادی کا اختیار نامہ

کسی بھی فرد کی گھریلو زندگی اس کے کردار کا آئینہ، اس کی سیرت کا مظہر اور اس کے قول و فعل میں عدم تضاد کا سنگم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے باہر کے بود و باش، رہن سہن، نشست و برخاست، طرز تکلم، ادب و آداب کے مظاہر میں ان اطوار کا مظاہرہ نہ کر پائے جن کا اظہار وہ اندرون خانہ کرتا ہے۔ اپنے آپ کو اخلاقیات کے دبیز پردوں میں اس طرح چھپا کر پیش کرتا ہے کہ کوئی اس کی حقیقی صفات حسنہ و سیئہ میں تمیز نہیں کر پاتا۔

ظاہر بین اس کی ظاہری صورت سے دھوکہ کھا سکتے ہیں لیکن اہل حقائق کی نظر بصیرت ان امور پر مرتکز رہتی ہے کہ...... جس دین کے احکامات کے قیام اور ان کے اجراء کے لیے جدوجہد کر رہا ہے وہ اپنے گھر کے اندر ان احکامات پر کس قدر عامل ہے؟ جس خدا ترسی اور تقویٰ کے اختیار کرنے کی دعوت وہ دے رہا ہے خود ان صفات حسنہ کا مظاہرہ گھر میں کتنا کرتا ہے؟ جس سنت کی پیروی کرنے کی دعوت وہ خود دے رہا ہے وہ خود اس پر کتنا عامل ہے؟

جس شفقت و محبت کی جلوہ نمائی کے مظاہرے وہ بیرون خانہ کر رہا ہے، اندرونِ خانہ ان کی جلوہ نمائی کی صورت کیا ہے؟ جس سادگی سے زندگی گزارنے کی تعلیم وہ دے رہا ہے خود اس کے گھر میں سادگی پر کتنا عمل درآمد ہو رہا ہے؟ جس ایثار و قربانی کے فضائل وہ بیان کر رہا ہے اس کے اپنے گھر سے ایثار و قربانی کی مثالیں کس قدر پیش کی جا سکتی ہیں؟ جس صبر و قناعت پر عمل پیرائی کی وہ تبلیغ کر رہا ہے خود اس کے اپنے گھر میں صبر و قناعت کی تبلیغ کے اثرات کس قدر نمایاں ہیں؟ جس دیانت کی مثالیں وہ دوسروں کی حیات مبارکہ سے پیش کر رہا ہے خود اس کے گھر میں دیانت کی مثالیں کتنی پیش کی جا سکتی ہیں؟ جس اخلاقیات کا درس وہ دے رہا ہے وہ خود اپنے گھر میں اخلاقی تعلیم پر عمل پیرائی کی کتنی عملی صورتیں پیش کرتا ہے؟ جس وطن اور ملک کی معاشی زبوں حالی کا وہ رونا رو رہا ہے تو اس کا اپنے گھر میں معاشی ضروریات پر گرفت کا عالم کیا ہے؟ جس فحاشی و عریانی کی پراگندگی پر نوحہ گری کر رہا ہے تو خود

Marfat.com

اس کے اپنے گھر میں فحاشی وعریانی کے مظاہروں کا پابندیوں کی کیفیت کیا ہے؟ جس ملک کے خزانوں کے خالی ہونے کا وہ رونا رو رہا ہے خود اس نے اپنے گھر کے خزانوں کے معرف پر کیا پابندیاں عائد کیں؟ اور ملک کے خزانے کے خالی کرنے اور خالی ہونے کے علم کے باوجود جب ملک کے خزانے کے بھرنے کا موقع آیا تو خود اس نے اپنی طرف سے خزانے کے بھرنے میں کیا کوشش کی یا خود اپنا حصہ کس قدر ڈالا؟

اگر اس موقع پر بھی وہ "خاموش تماشائی" کا کردار ادا کر رہا ہے تو اس کی وطن سے محبت کے دعویٰ کے بارے میں اپنے آپ کو وطن اور عوام کا خادم یا خادمہ کا دعویٰ کرنے میں اور اس کے پرخلوص ہونے کے عملی اظہار کی تضاد بیانی کو واضح کر رہا ہے۔

اگر فی الواقع کوئی فرد اپنے آپ کو اس معیار پر قائم و دائم رکھنے میں کامیاب ہے تو اس کی اخلاقی عظمت اور اس کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ایسے شخص کے نظریات اور اصولوں سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے صاحب کردار ہونے میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اس معیار پر حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ ہمارے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی گھر سے باہر اور گھر کے اندر کی حیاتِ مبارکہ میں کس قدر مطابقت تھی۔

امہات المومنینؓ نے دنیا طلبی کی تمام رغبتوں اور سرگرمیوں سے آپ نے آپ کو علیحدہ کرتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت اور کتاب وسنت کی تعلیم و دعوت کے لیے اپنے آپ کو جو وقف کیا ہوا تھا تو یہ کوئی مجبوری کا سودا نہ تھا بلکہ پاکیزہ زندگی کو انھوں نے اپنی آزادی سے اختیار کیا تھا۔ ان کے سامنے دنیا کی وجاہت، رعنائیاں، دلکشیاں پیش کی گئیں لیکن انھوں نے پائے حقارت سے ان کو ٹھکرا دیا اور آپ سے اپنی وابستگی اور رفاقت کو اختیار کیا تو ارشاد خداوندی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جذبہ قربانی کو بعد میں آنے والے مسلمان مرد اور عورتوں کے لیے باعث تقلید قرار دے کر اپنی پسندیدگی کا اعلان فرمایا......

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتیں چاہتی ہو تو آؤ! میں تمھارے حقوق دے دلا دوں اور احسن طریقے سے تم کو رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی طالب ہو تو (یقین رکھو کہ) اللہ نے تم میں سے خوبیوں کو

Marfat.com

طلب کرنے والیوں کے لیے عظیم اجر تیار رکھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ موقع عنایت کیا کہ اگر وہ اقامت دین اور اعلان کلمۃ اللہ کے اس جہاد اور نفس کشی میں اپنے آپ کو شریک رکھنا چاہتی ہیں تو اپنے آزادانہ اختیار و انتخاب سے رہیں تا کہ اس جہد و کوشش کا جو اجر اور ثواب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پائیں تو اس میں ان کو پورا پورا حصہ ملے۔

کیا پوری تاریخ انسانی میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی نے اپنے "قیدیوں" کے سامنے آزادی کا "اختیار نامہ" رکھا ہو جو حضور اکرم ﷺ نے رکھا تھا لیکن "قیدیوں" نے اپنی آزادی پر انہی کی "غلامی" کو ترجیح دی ہو!

(روزنامہ جنگ، لاہور یکم مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

سادگی کے پیکر کا اندازِ حکمرانی

نہایت ہلکا پھلکا لفظ ''سادہ'' جس قدر ''سادہ'' ہے اتنا ہی عملی اعتبار سے مشکل بھی ہے کیونکہ بیک وقت متضاد معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ عوام کے نزدیک اس کا استعمال کسی اور مفہوم میں ہوتا ہے جبکہ حکمرانوں، اہل مناصب، اصحاب اقتدار و قدرت، اصحاب ثروت و غنی اور مخدومین قوم کے نزدیک اس کا مفہوم وہ نہیں جو عوام کے نزدیک ہے۔ اس لیے عوام جب لفظ ''سادہ، سادگی، سادہ دلی'' اور ''سادہ مزاجی'' کو اپنے حکمرانوں کے ''لبوں'' سے ادا ہوتے ہوئے سنتے ہیں تو اپنی ''سادہ لوحی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوشی میں جھوم اٹھتے ہیں اور دوسری طرف حکمران، عوام کو اپنی ''سادہ کاری'' کے ہاتھوں ''سادہ لوح'' بنتے ہوئے دیکھتے ہیں تو خوب خوب خوش ہوتے ہیں اور یوں ہر دو اطراف سے ''سادہ لوحی'' اور ''سادہ پرکاری'' کا مقابلہ جاری ساری رہتا ہے۔

ماضی میں ''سادگی'' کے پس منظر میں جس طرح اس کا مذاق اڑایا گیا تو عوام سوچتے ہیں کہ ''سادگی'' اور ''حکمرانی'' ایک نیام میں دو تلواروں کی مانند کس طرح سما سکتی ہے، اس بنا پر ان کے ذہنوں میں اس کی یک جائی کا تصور دھندلاتا ہوا نظر آتا ہے۔

لیکن ''سادگی'' اسلامی زندگی اور طرزِ حیات کا طرہ امتیاز رہی ہے، جس طرح دور نبوی اور دور خلفائے راشدین میں اس پر بحسن و خوبی عمل ہوتا رہا ہے اسی طرح آج کے دور جدید میں بھی اسی جذبہ صادقہ کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ یورپ کے کئی ممالک میں اس امتیازی تصور حیات پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

خدمت نفس کی جگہ خدمت خلق، ثروت و امارت کی جگہ فقر، ظاہری چمک دمک کی جگہ باطنی ضیاء آفرینی، متکبرانہ غرور فخور کی جگہ عاجزی و انکساری، دنیا کی جگہ آخرت، ذاتی مفاد کی جگہ قومی مفاد کے اختیار کیے جانے میں نہ گھریلو زندگی کے لذت و کیف میں فرق پڑتا ہے اور نہ معاشرتی زندگی کی خوش کن آوازوں کے سرور میں فرق واقع ہوتا ہے، نہ درون خانہ کی

Marfat.com

زندگی تلپٹ ہوتی ہے اور نہ بیرون خانہ کی زندگی میں ہلچل مچتی ہے۔

کیونکہ فخرِ انسانیت آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں انہی قیمتی اصولوں کو اختیار فرمایا ہوا تھا اس لیے یہ گمان کرنا کہ آپ کی گھریلو زندگی میں اور بیرونی روابط میں نہ کوئی کیف و لذت سے آشنائی ہوگی، نہ سرگرمی حیات میں چہل پہل ہوگی، نہ مزاج مبارکہ میں نرمی و گرمی کا امتزاج ہوگا، نہ فرحت و غم کی آمیزش ہوگی، نہ مزاح و سنجیدگی کا ملاپ ہوگا، نہ جسم اور نہج کا اظہار ہوگا۔

نیز حیات مبارکہ ہر قسم کے نشیب و فراز سے خالی ایک ہموار صراط کی مانند ہوگی، جس میں ہر قسم کے تلاطم و تموج سے ناآشنائی ہوگی لیکن ایسا نہیں تھا بلکہ آپ کی گھریلو اور بیرونی زندگی ان تمام کیفیات سے معمور اور پُر رونق تھی، ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی عیش دنیا کی خود فراموشیاں اور افراط و تفریط کی بے اعتدالیوں سے ماورئی تھی۔ آپ خوشی کے موقع پر خوش ہوتے اور غم کے موقع پر رنجیدہ بھی ہوتے، چھوٹوں پر پیار بھی فرماتے اور بڑوں کی سرزنش بھی کرتے۔ غرضیکہ اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے زندگی کے جتنے پہلوؤں پر عمل کیا جاسکتا تھا آپ عمل فرماتے۔

آیئے حکمرانوں کے حکمران کی سادگی کا ایک دلنشین واقعہ پڑھیے:

ایک بدوی خاتون جس کی کنیت ام معبد ہے، ہجرت کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ اس کے ایک معمولی سے خیمے کے پاس سے گزرے۔ تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا اور پھر روانہ ہو گئے اور روانہ ہونے سے پہلے خود اپنے ہاتھوں سے بکری کے تھنوں سے دودھ دوہ کر اس کے لیے چھوڑ گئے۔ اس خاتون محترم نے حضور اکرم ﷺ کی جن خوبیوں کا تذکرہ اپنے الفاظ میں کیا اسے پڑھیے اور سر دھنیے۔

”میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں تھی، چہرہ روشن، بناوٹ میں حسن، نہ موٹاپے کا عیب نہ دُبلاپے کا نقص، خوش رو جمیل، آنکھیں کشادہ اور سیاہ، پلکیں لمبی، آواز میں کھنک، گردن صراحی دار، داڑھی گھنی، بھنویں کمان دار جڑی ہوئی، خاموشی میں کوہ وقار، گفتگو میں صفائی اور دلکشی، حسن کا پیکر، جمال میں یگانہ روزگار، دور سے دیکھو تو حسین ترین، قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی اور جمیل ترین بھی، باتوں میں گھلاوٹ اور مٹھاس، نہ فضول بات کرے، نہ ضرورت کے وقت خاموش رہے، گفتگو ایسی جیسے پروئے ہوئے موتی، قد میانہ

Marfat.com

جس میں نہ نا قابل نفرت درازی نہ حقارت آمیز کوتاہی، اگر دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ ہو تو دیکھنے میں وہ ان تینوں کے مجموعے سے زیادہ تر و تازہ اور قدر و قیمت میں ان سب سے فزوں تر، اس کے جانثار اسے گھیرے رہتے ہیں، جب وہ گفتگو فرماتا ہے تو سب پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور جب کوئی حکم دیتا ہے تو سب ٹوٹ پڑتے ہیں۔ سب کا مخدوم سب کا مطاع، ترش روئی سے پاک اور قابل گرفت باتوں سے مبرا۔ سادگی کے اس پیکرِ عظیم کے انداز حکمرانی کو اگر ہم اپنا لیں تو......

(روزنامہ جنگ، لاہور 2 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

معاشرے کا بگاڑ، دہشت گردی اور تعلیماتِ الٰہیہ

ایک پاکباز معاشرے میں بسنے والے شخص کو اوصاف مذمومہ سے متصف کرنے کے اسباب...... اس کو غلط راہ پر گامزن کرنے کی وجوہات...... اس کے تحت الشعور میں نہ صرف اپنے آپ سے بلکہ اپنے قرب و جوار میں موجود افراد سے نفرت کرنے کا جذبہ...... ایک ہی مذہب...... ایک ہی رنگ...... ایک ہی نسل...... ایک ہی وطن...... ایک ہی ملک اور ایک ہی علاقہ سے وابستہ ہونے کے باوجود دور جدید میں مذکورہ مشترکہ اوصاف سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے بھی...... نفرت کے اظہار کرنے...... ایک دوسرے کے جان و مال کے دشمن ہونے میں جو چیزیں کارفرما ہیں بلا اختلاف آراء اور متفقہ طور پر ان کا تعین ممکن نہیں ہے۔

کیونکہ ہر صاحب الرائے، صاحب الفکر اور صاحب العلم شخصیت نے اپنے احاطہ علم ونتائج کے مطابق مختلف اسباب کا تعین کیا ہے اور متفق الرائے نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر رائے کے اثبات کے مقابل کم وبیش اسی وزن کی نفی میں بھی ادلہ موجود ہیں چنانچہ اس غیر منتج صورتحال کے اندر بہرحال کسی نہ کسی ایک رائے کو دوسرے کے مقابل من کل الوجوہ نہ سہی لیکن من بعض الوجوہ ترجیح دی جاسکتی ہے تاکہ معاشرے میں موجود افراد کو صحیح راستہ کا انتخاب کرنے میں معاونت ہوسکے۔

اگر معاشرے کے بگاڑ میں "تعلیم کا فقدان" اہم وجہ ہے تو ایسا معاشرہ پھر ہر قسم کی برائیوں سے پاک وصاف ہونا چاہیے جہاں 80 فیصد سے 95 فیصد تک تعلیم یافتہ افراد موجود ہیں لیکن معاشرے کا بگاڑ وہاں بھی موجود ہے تو گویا "تعلیم کا فقدان" معاشرے کے بگاڑ کا سبب نہیں ہے۔

اگر معاشرے کے بگاڑ میں "طبقاتی کشمکش" اہم وجہ ہے تو دنیا میں چند ایسے ممالک بھی ہیں جو اپنے ہاں "طبقاتی کشمکش" کے وجود کا انکار کرتے ہیں لیکن معاشرے کا بگاڑ وہاں بھی موجود ہے تو گویا......

Marfat.com

اگر معاشرے کے بگاڑ میں ''اقتصادی ناہمواری'' وجہ ہے تو دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جو ''ویلفیئر سٹیٹ'' ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن معاشرتی عدم آہنگی وہاں بھی ہے تو گویا......

اگر معاشرے کے بگاڑ میں ''انسانی مزاج میں عدم آہنگی'' وجہ ہے تو ایسا وہ کونسا خطہ ارضی ہے جہاں مکمل طور پر ''مزاجات'' میں ہم آہنگی ہو تو گویا......

قتل و غارت کا بازار تو ہر جگہ گرم ہے، انسانی خون کی ارزانی کا رونا تو ہر جگہ رویا جا رہا ہے، دہشت گردی کا مظاہرہ تو ہر جگہ ہو رہا ہے، نسل انسانی سے دشمنی کے مظاہرے تو کہیں منصوبہ بندی کے ساتھ اور کہیں بلا ارادہ ہر جگہ ہو رہے ہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے اور ان کے علاوہ بھی دیگر وجوہات کسی نہ کسی اعتبار سے معاشرے کے بگاڑ میں اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

لیکن اگر قرآنی ہدایات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں معاشرے کو صحیح اساس پر قائم کر دیا جائے تو معاشرے کا بگاڑ یقیناً ختم ہو جائے گا اور جزوی طور پر نہیں بلکہ کلی طور پر ایسا معاشرہ معرض وجود میں آئے گا جس میں نسل انسانی کی فلاح ہی فلاح ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''جس نے کسی مسلمان کو دانستہ قتل کیا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے۔''

حضور اکرم نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔''

اور خطبہ جمعۃ الوداع میں فرمایا:

''مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے مقدس ہے۔''

خالق موجودات نے ارشاد فرمایا:

''ایک انسان کی جان پر ہاتھ ڈالنے کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''کہ ایک مسلمان کی ناموس دنیا کی مقدس ترین شے ہے۔ اس پر دست درازی کی

Marfat.com

سزا ایک سو کوڑے ہے یا سرِ عام سنگساری یہاں تک کہ اگر کوئی کسی شریف زادی پاکدامن عورت پر جھوٹا الزام لگا دے تو اس کی سزا اسی کوڑے ہے۔"

امن و امان کا قیام معاشرے کا اہم ترین مسئلہ ہے جبکہ فتنہ فساد معاشرہ کو اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی پسند نہیں فرماتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"زمین میں فساد نہ مچاؤ، اس کی اصلاح درستی کے بعد" کیونکہ "اللہ تعالیٰ بلاشبہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

اور معاشرے کی اصلاح اور زمین میں فساد بپا نہ کرنے کے حالات پیدا نہ کرنا حکومت کے فرائض میں سے ایک اہم فرض اور اس کی قائم کردہ ایجنسیوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے جس سے پہلوتہی کی سزا کو نہ مخلوق معاف کرتی ہے اور نہ خالق۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 3 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

امن کی تلاش؟

سلطنت غزنویہ کے بانی اور سلطان محمود غزنوی کے والد محترم امیر سبکتگین غزنی کی سلطنت پر متمکن ہونے سے پہلے صرف اپنے قبیلے کے سردار تھے اور ان ایام میں باوجود سردار ہونے کے عسرت اور جدوجہد کی زندگی گزار رہے تھے۔ان کا اکثر وقت سیر و شکار میں گزرتا۔ ایک دن شکار کرنے کے لیے جا رہے تھے تو راستے میں ایک ہرنی اور اس کا چھوٹا سا معصوم بچہ چرتے ہوئے دکھائی دیا۔امیر سبکتگین نے اپنے تیز رفتار گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے لگا دیا۔ ہرنی اور اس کا بچہ حالات کو بھانپ گئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہرنی تو اپنی پھرتی اور تیز رفتاری کی بنا پر باوجود اپنے بچے کی طرف متوجہ ہونے کے کہیں سے کہیں پہنچ گئی مگر بچہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اسے سبکتگین نے آ لیا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے زندہ پکڑ لیا، پھر گھوڑے پر ڈال لیا اور اپنے گھر کی راہ لی۔

اپنی منزل پر رواں دواں چلا جا رہا تھا کہ امیر سبکتگین کو محسوس ہوا کہ کوئی چپکے چپکے اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ایک بار جو پلٹ کر پیچھے دیکھا تو یہ دیکھ کر اس کا دل ہل گیا اور اس کے جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا کہ ہرنی کا سارا وجود غم و اندوہ کا مرقع بنا ہوا تھا اور اس کا انگ انگ رحم کی صدائیں دے رہا تھا۔وہ اپنے بچے کے لیے ہر پہلو بے چین ہو رہی تھی اور بڑی ملتجیانہ نگاہوں سے گھوڑے پر سوار امیر سبکتگین سے کہہ رہی تھی۔

اے انسانوں کے حکمران! "میرے بچے کو چھوڑ دے! میرے بچے کو چھوڑ دے!"

امیر سبکتگین ماتا کی ماری معصوم سی ہرنی کو اس کیفیت میں دیکھ کر اپنے جذبات انسانی پر قابو نہ پا سکا۔اس نے خود اپنا اور اپنے اس "بہادرانہ معرکہ" کا جائزہ لیا تو اپنے من میں ندامت کے علاوہ کچھ محسوس نہ کیا۔اپنے دل کی صدا کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں ماں کی ممتا کی بازگشت اسے رحم کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔اس کی رحم بھری نظروں اور اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس بے گناہ بچے کو آزاد کر دیا۔ بچہ چھلانگیں مارتا ہوا اپنی ماں کے قدموں میں پہنچ

Marfat.com

گیا۔ اب ہرنی نہایت مطمئن اور فرحت و انبساط کو محسوس کر رہی تھی۔ خوشی سے اپنے بچے کو ہمراہ لیا اور جنگل کی طرف چل پڑی مگر جاتے جاتے بار بار پلٹ پلٹ کر سبکتگین کو بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

یقیناً وہ اس صاحب اختیار امیر کی رحم دلی کا دل کی گہرائیوں سے بزبانِ حال شکریہ ادا کر رہی تھی۔ بادشاہ بھی ان جذبات کی گرمی کو اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا حتیٰ کہ وہ آہستہ آہستہ گھنے جنگل میں چھپ گئی اور امیر سبکتگین بھی اپنے گھر کی راہ لیتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔ اس وقت اسے ایک ایسی نیکی کے کرنے کا احساس ہو رہا تھا کہ جس کو بھاری بھر کم ترازوؤں کے پلڑوں میں تولا نہیں جا سکتا۔ اسے اپنا وجود انتہائی سبک لطیف اور نظیف محسوس ہو رہا تھا اور قلب و جان کے اوپر اطمینان کی کیفیت طاری تھی۔

امیر سبکتگین جب اسی رات کو محو خواب ہوا تو خواب میں حضور اکرم رحمت اللعالمین ﷺ کی زیارت سے مشرف یاب ہوا۔ اس وقت آقائے دو جہاں ﷺ نے سبکتگین کو بشارت سے نوازتے ہوئے فرمایا:

''اے امیر سبکتگین! تم نے معصوم ہرنی پر رحم کیا، تمہارا یہ عمل رب العالمین اور احکم الحاکمین کو بہت پسند آیا اور تمہارا نام ''فہرست سلاطین'' میں درج کر لیا گیا، اب تم عنقریب بادشاہ بنا دیے جاؤ گے۔ لیکن سلطنت کے ملنے پر مغرور نہ ہو جانا اور اپنی رعایا کے ساتھ اسی طرح مہربانی کا سلوک کرنا'' اس کے بعد امیر سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔

تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ اس کے بعد امیر سبکتگین جو صرف ایک معمولی قبیلے کا سردار تھا وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک سلطان اور سلطنت غزنویہ کا بانی بنا۔

یہ سچا واقعہ تاریخ کے سنہری صفحات میں مرقوم ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ سلطنت کے تخت پر متمکن حضرات کے لیے خصوصاً اور نبی مکرم ﷺ کے امتیوں کے لیے عموماً کئی اعتبارات و جہات سے رُشد و ہدایت کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔

صاحب اختیار و اقتدار فرد باوجود اپنے اختیارات کے معصوم سے بے زبان جانور پر جب رحم کرتا ہے اور خالق کائنات کی صفت رحمت جب جوش میں آتی ہے تو بلند سے بلند مقام کے عطا کرنے میں کمی نہیں فرماتا اور جب وہ فرد ظلم کو روا رکھتا ہے تو مضبوط سے مضبوط منصب بھی اسے ''اس کے'' عدل سے بچا نہیں سکتا۔

Marfat.com

جانوروں کی بات تو بہت دور کی ہے کہ آج انسان "انسان" کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے...... قتل و غارت گری، لوٹ مار میں "امن" تلاش کر رہا ہے، دہشت گردی میں انسانوں کے خون سے اپنے "پاک صاف" ہاتھوں کو ملوث کر رہا ہے، اپنے بھوکے پیٹ کو بھرنے کے لیے اور چند "ٹکوں" کو حاصل کرنے کے لیے معصوم افراد کو ہلاک کر رہا ہے اور پھر خیال کرتا ہے کہ غضبِ الٰہی کا شکار نہ ہوگا یہ اس کی بھول نہیں تو اور کیا ہے؟

بے زبان جانور کی دعا میں یہ اثر ہے کہ "بے تاج" کو "تاج" عطا فرما دیتا ہے تو "صاحب زبان" کی "بددعا" میں تو اس سے کہیں بڑھ کر اثر ہے کہ "تاجدار" کو "بے تاج" کر دے اور خاص طور پر مظلوم کی بددعا تو "عرش معلی" کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔

ایک معصوم سے جانور کی ماں کی التجا دل پر کس قدر اثر انداز ہوتی ہے تو افسوس ہے کہ ماں کی "آہ" کی اثر کی بے خبری پر ایک بے زبان جانور بھی شکر کے جذبات کے احساسات کے ظاہر کرنے سے محروم نہیں تو افسوس ہے اس ظالم انسان پر جو شکر ادا کیے جانے کے مواقع کو کھو کر اپنے لیے دائمی عذاب کو دعوت دے رہا ہے۔ جب تک انسان اعمال صالح کو اختیار کرتا رہے گا تو اس وقت تک نبی آخر الزماں ﷺ کی بشارتوں سے راہ ہدایت بھی حاصل کرتا رہے گا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 4 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ملکی خزانوں سے ''قرض'' لینے والوں کا انجام......؟

ملک کو معاشی، اقتصادی، صنعتی اور تجارتی ابتری سے دوچار کرنے میں اگرچہ بہت سے عوامل کارفرما رہے ہیں جن کی بنا پر مختلف طبقات نے اپنے اپنے دائرہ کار کی آڑ میں ملک کے خزانے کو بلاواسطہ یا بالواسطہ، بے نامی یا نامی دار کھاتہ داروں کی صورت میں خالی کرنے کی حتی المقدور کوششیں کیں۔ اس قسم کے ملک دشمن طبقوں میں سے ایک طبقہ وہ رہا جس نے ''قرض'' کے نام پر ملکی اور غیر ملکی کرنسی میں لاکھوں، کروڑوں اور اربوں روپوں اور ملین، بلین ڈالروں اور پونڈوں وغیرہ کی شکل میں ملکی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے خوب خوب لوٹا۔

''قرض'' لینا اگرچہ پسندیدہ عمل نہیں ہے لیکن ''قرض'' لینا فی نفسہ برا عمل یا برائی بھی نہیں ہے بلکہ بوقتِ ضرورت ''قرضہ حسنہ'' دینا اور لینا نیکی میں شمار ہوتا ہے۔

یا ایک شخص کے پاس اہلیت، قابلیت، صلاحیت اور صحیح فکر موجود ہے، ترقی کا مکمل پروگرام ہے اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ضروری فنی استعداد اور ان پر مکمل دسترس حاصل ہے البتہ اس منصوبہ کو مکمل کرنے کے لیے ظاہری اسباب نہیں ہیں اور ظاہری اسباب مہیا کرنے سے عاجز ہے تو ''قرض'' لینے کا جواز کسی حد تک تلاش کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ایسا طبقہ جس کے پاس نہ صلاحیت، نہ اہلیت، نہ پروگرام اور نہ فنی استعداد ہے تو اسے ''قرض'' لینے کا نہ اخلاقی جواز ہے اور نہ مذہبی۔

ملک کے اندر جو طبقہ برسر اقتدار رہا اس نے اپنے اقتدار کے دوام، استمرار اور خام خیالی پر مبنی استحکام کے لیے اپنے حواریوں اور حلیفوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ملک کے خزانے کو نہایت عیاری، چالاکی اور فریب دہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود بھی بڑی ڈھٹائی سے ملکی خزانہ پر ہاتھ صاف کیا اور بعض اوقات عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ''قرض'' کے حسین نام پر قانون کی آڑ لیتے ہوئے ملکی خزانہ کو ''بینکوں'' کے ذریعے حاصل کیا۔ چونکہ شروع ہی سے ''قرضِ حسنہ'' کے نام پر وصول شدہ رقم کو واپس کرنے کی نیت نہ تھی اس لیے ہر اہم موڑ پر

Marfat.com

برسراقتدار ناپائدار حکومتوں کو بلیک میل کرتے ہوئے ان کو معاف کرایا جاتا رہا۔

بدعنوان حکومتوں کو نہ ملی، نہ اخلاقی اور نہ مذہبی حق حاصل تھا کہ وہ ملکی خزانے کو "قرض" کی عدم وصولیابی کے عنوان سے معاف کردے بلکہ اس کا تو یہ ملی فریضہ تھا کہ وہ ملک کے خزانے کی حفاظت کرتی کیونکہ وہ اس "خزانہ" پر "امین" کی حیثیت سے محافظ تھی۔

"قرض لینے والا" اگر "قرض" لے کر اس کو ادا نہیں کرتا تو اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ دنیا میں رسوا تو ہوگا ہی بلکہ آخرت میں بھی مالکِ میزان وعدل اسے معاف نہیں فرمائے گا۔

قرض خواہ (قرض دینے والے) کو اسلام مکمل حق دیتا ہے کہ وہ شرائط کے مطابق مقروض سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرے اور مدتِ معینہ گزرنے کے بعد سختی سے اپنے قرض کو طلب کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ قرض کا لین دین کیا۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر کچھ تاخیر ہوگئی تو اس نے سختی سے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی تشریف فرما تھے، انھیں یہ اندازِ طلب بہت ناگوار گزرا تو محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا:

"اسے چھوڑو کچھ نہ کہو...... کیونکہ...... قرض خواہ کو یوں بات کرنے کا حق ہے۔"

یقیناً خالق کائنات بندے کی خطاؤں کو معاف فرمانے والا ہے جس کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہو لیکن وہ "قرض" کو معاف نہیں فرماتا کیونکہ "قرض" بندے کا حق ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگر میں راہِ حق میں تمام تکالیف برداشت کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں تو کیا اس حال میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھوں، بھاگنے کی بجائے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ بخش دے گا۔"

تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہاں! اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا مگر "قرض" کے علاوہ۔"

ایک اور مقام پر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سختی اور تاکید سے فرماتے ہوئے حکم دیا "قرض کے بارے میں سخت حکم نازل ہوا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے

Marfat.com

قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر ایک آدمی راہِ خدا میں شہید ہو جائے پھر زندہ ہو پھر شہید ہو اور اس کے ذمے "قرض" ہو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

"قرض" کی ادائیگی زندگی میں کتنی ضروری ہے اس کی اہمیت کو حضور اکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا:

"ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے عظیم ترین گناہ یہ ہے کہ اس کا کوئی بندہ اسے (اللہ تعالیٰ کو) اس حال میں ملے کہ وہ مقروض مرا ہو۔"

کیا "قرض" لے کر "قرض" ادا نہ کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ کس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کریں گے؟

کیا حکمرانوں کو یہ خیال ہے کہ وہ قرضوں کو معاف کرنے والے نام نہاد "فقراء اور مساکین" کو قرض معاف کر کے خود بھی اس گناہ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوں گے؟

یہ "حکمران" اور "قرض" لینے والے...... احکم الحاکمین کو کیا جواب دیں گے؟

نجی طور پر "قرض خواہ" کے "قرض" کو واپس نہ کرنے کا یہ انجام ہو گا تو مسلمانوں کے خزانہ سے قرض لے کر "قرض" واپس نہ کرنے والوں کا انجام کیا ہو گا؟......

(روزنامہ جنگ، لاہور 5 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ملکی خزانوں سے قرض لینے والوں کا انجام؟

مملکت اسلامیہ کی ترقی کا دار و مدار جہاں ایک طرف حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اپنے اپنے دائرہ کار میں ادائیگی پر منحصر ہے تو وہاں دوسری طرف ملکی معیشت اور اس کے دیگر تقاضوں کے استحکام پر بھی مبنی ہے۔ ہر وہ فرد جو ملک کو نقصان پہنچانے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کرتا ہے تو حقیقت میں ایک ملک کو نہیں بلکہ ایک اسلامی مملکت کو کمزور کرنے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے جو عند اللہ بھی قابلِ مواخذہ ہے۔

اور جب حکومت کے منصب پر نااہل افراد قابض ہو جائیں تو وہ مملکت اپنی تباہی کی بدترین صورت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ اس امر کی طرف حضور اکرم ﷺ نے اس انداز سے رہنمائی فرمائی:

"جب اختیارِ حکومت، مناصب اور معاملاتِ ریاست کسی نااہل کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کریں۔"

جب حکمران ملکی خزانے کو اپنے اقتدار کے دوام کے لیے بے دریغ استعمال کرنے لگیں تو ملک کی بقا کے بارے میں شکوک و شبہات جنم لینے لگتے ہیں جس سے محفوظ رہنے کی یہی صورت ہے کہ "ملکی خزانے" کو ایسے "لٹیروں" کی دستبرد سے بچایا جائے جو "قرض" کی آڑ میں اسے ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ ایک تنگ دست اور مجبور و مقہور مقروض کو اس کے مالی حالات کے بہتر ہونے تک مہلت دینا بھی حکمِ الٰہی ہے جس کی تشریح حضور اکرم ﷺ نے اس طرح فرمائی۔

"جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اسے قیامت کے دن کی تکلیف اور بے چینی سے نجات دے دے تو اسے چاہیے کہ تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے۔"

چنانچہ اسی فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آڑ میں قرضدار قرضوں میں مہلت اور

Marfat.com

معافی کے طالب رہتے ہیں۔

شارحین احادیث نے اس فرمان نبوی علیہ السلام کو کسی شخص کے ذاتی لین دین تک محدود رکھا ہے اور اس کا دائرہ مملکتِ اسلامیہ کے ''بیت المال'' یا ''خزانے'' تک نہیں پھیلایا کہ حکمران کو بھی یہ حق دے دیا جائے۔ ہاں اگر وہ حکمران اپنے ذاتی مال میں سے کسی کو قرض دیتا ہے تو بلاشبہ اسے ذاتی معاملات میں یہ اختیار حاصل ہے لیکن ملک کے ''خزانے'' اور ''بیت المال'' میں اسے معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، بلکہ قرض لینے والا شروع ہی سے قرض واپس نہ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں بھی برکت عطا نہیں کرتا چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص لوگوں سے مال ادائیگی کی نیت سے لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ادائیگی کی صورت پیدا کر دے گا اور جو (قرض کو) مارنے کی نیت سے لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے (مال) کو تلف کرے گا۔''

قرض کی ادائیگی ایک فرض ہے اور فرض بھی ایسا جو ادائیگی کے بغیر سر سے اترتا ہی نہیں ہے۔ ملک کے خزانے یا بینک سے قرض لینے والوں نے اگر کسی صنعتی ادارے، فیکٹری، کارخانے یا کسی ایسے یونٹ کے لیے قرض لیا ہے جس سے آمدنی کا حصول ہو رہا ہے تو اس سے قرض کی وصولی کا اہتمام بغیر رورعایت کے کیا جائے۔

اگر ملکی خزانے سے قرضدار نے قرض کی خطیر رقم تو وصول کر لی ہے اور واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تو اس کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر کے بعدازاں اسے فروخت کر کے ملکی خزانے یا بینک کو رقم واپس کرائی جائے، چاہے فروخت شدہ جائیداد اور تمام قرض کی رقم کو احاطہ نہ بھی کرے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے قرض خواہوں کو فرمایا ''جو تمھیں ملتا ہے اس وقت لے لو۔''

قرضدار نے ''قرض'' دھوکہ دہی، دھاندلی، دھونس، ناجائز ذرائع اور فرضی ناموں سے وصول کیا ہے تو اس قرض کے دلانے میں جو جو افراد ملوث ہیں چاہے ان کا تعلق اہل سیاست، حزب اقتدار، حزب اختلاف، بیوروکریسی کی ملی بھگت یا بینک کے جملہ عملہ کے ساتھ ہو تو ان تمام افراد کو اعانتِ جرم کے ساتھ ساتھ ملکی خزانہ کو لوٹنے، نقصان پہنچانے، ملکی معیشت کو تباہ کرنے اور ملک کو دیوالیہ کرنے کی بنا پر گرفتار کرتے ہوئے مذکورہ ہر ملوث شخص کی جائداد

Marfat.com

منقولہ و غیر منقولہ سے بعد از ادائیگی فروخت وصولی کر کے ملکی خزانہ میں جمع کرائی جائے۔

اگر قانونی ضابطوں، قانونی نکتہ آفرینیوں، قانونی حجت بازی، قانون کی خامی، قانونی ضابطوں میں الجھاؤ، قانون کی ناقص عمل پذیرائی، قانونی تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے تو نئے قوانین کے اجراء میں تو کوئی رکاوٹیں نہیں ہیں اس لیے نئے قانونی ضابطوں سے ہر قسم کے نقائص سے مبرا قانون سازی کی جاسکتی ہے۔ موجودہ حکمران اگر واقعی ملک کے ساتھ مخلص ہیں تو قطع نظر سیاسی وابستگیوں کے ان تمام افراد کو جنھوں نے اس میں گھناؤنا کردار ادا کیا ہے کم از کم ایک دفعہ عدالت کے کٹہرے میں لا کر سزا دلوا دی جائے تو حکومت کی یہ نیکی مستقبل کے اندر بھی بہترین مثبت نتائج کو مرتب کرے گی۔

حکومت اگر اپنی وقتی مصلحتوں کا شکار ہو کر کوئی کارروائی نہیں کرتی تو بہرحال قرضداروں کے ذہن میں حضور اکرم ﷺ کے یہ فرمان رہنے چاہئیں کہ:

''مقروض اپنے قرض کے باعث مقید رہے گا اور اپنے پروردگار سے قیامت کے دن قیدِ تنہائی کی شکایت کرے گا۔''

''جس شخص نے کچھ قرض لیا ہو اور اس کی نیت ادائیگی کی نہ ہو اور وہ مر جائے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں قیامت کے دن اپنے بندہ سے اس کا حق لازماً وصول کروں گا۔''

شہادت جیسی عظیم نعمت قرض دار قرض ادا کیے بغیر قرض سے نجات نہیں دلا سکتی۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 6 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

معاشرہ اور مسجد کا باہمی تعلق

اگرچہ معاشرے کے ارتقاء، اصلاح اور تعمیر کی اساس تبدلِ زمانہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہی ہے لیکن اسلامی معاشرے کی تعمیر اور اصلاح میں مسجد کو ہمیشہ خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آغاز اسلام میں مسلمانوں کی درسگاہ کے ساتھ ساتھ تربیت کا مرکز صرف مساجد تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ہزاروں اور لاکھوں صحابہ کرام کی تربیت خانہ خدا اور مسجد نبوی ہی میں کی تھی وہ افراد جو علم کے اعتبار سے بالکل کورے تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا جانتے تھے اور جو جانتے تھے ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی جنھیں اپنے بدووانہ طرز حیات میں جانوروں کے چرانے کے علاوہ کچھ کام نہ آتا تھا لیکن وہی صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی تربیت کے طفیل قوموں کے امام، قائد اور رہنما بن گئے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عصرِ حاضر کے ترقی یافتہ معاشرے کی مانند معاشرے میں نہیں رہ رہے تھے۔ اگر وہ اس قسم کے معاشرے میں زندگی گزار رہے ہوتے تو شاید دیگر قوموں کے امام نہ بن سکتے۔ چونکہ معاشرہ بھی ناپائدار اصولوں پر قائم تھا اس لیے انھیں ذرا بہتر مواقع میسر آ گئے جس کا انھوں نے فائدہ حاصل کر لیا۔

لیکن ذہن میں یہ بات رہے کہ اس زمانہ میں بھی روم اور ایران میں شہنشاہیت کے لبادے میں جو نظام ہائے حیات قائم و دائم تھا ان کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی آج کل سپر طاقتوں کی ہے اور فارس و روم کے اقتدار کی بنیادیں بھی اپنے اعتبار سے نہایت مضبوط تھیں لیکن اسلام کی تعلیمات نے ان مضبوط بنیادوں پر قائم معاشروں کو ریت کی مانند قائم شدہ دیواروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر نیست و نابود کر دیا۔

اسلامی معاشرے میں مسجد کا بنیادی مقصد تو اجتماعی حیثیت سے یادِ الٰہی سے اپنے قلوب کو منور کرتے ہوئے پاکباز روح کو اس کی غذا بھی مہیا کرنا ہے...... عبادات سے تعلق پیدا کرنا ہے...... حیات مستعار میں باقاعدگی کی اوصاف پیدا کرنا ہے...... اذان کی صدا آتے

Marfat.com

ہی مسلمان کی توجہ کا مسجد کی جانب مبذول ہو جاتا ہے...... اپنے اندر پابندیٔ وقت کے ساتھ ساتھ چستی اور مستعدی کے اوصاف پیدا کرنا ہے...... تمام خاندانی، نسلی اور طبقاتی امتیازات کو ختم کرنا ہے...... ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر مساوات و برابری کا عملی ثبوت مہیا کرنا ہے...... کالے اور گورے، غریب اور امیر کی تمیز ختم کرنا ہے...... گویا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مسجد میں اخوت ومحبت اور ہمدردی کا درس حاصل ہوتا ہے، آپس میں میل جول اور بھائی چارے اور تعاون کے جذبات عروج پر پہنچتے ہیں۔ ایک دوسرے کے درمیان دکھ اور سکھ میں شرکت کے احساس پیدا ہوتے ہیں...... آپس میں شناسائی کے مواقع میسر آتے ہیں...... غریب اور محتاجوں کے دکھ درد کو ختم کرنے کے احساس عود کر آتے ہیں...... اطاعت امیر کی عملی تربیت بھی ملتی ہے...... نظم وضبط کے جوہر پیدا ہوتے ہیں اور یہی تربیت دنیاوی امور میں رہنمائی کے مواقع مہیا کرتی ہے...... اطفال سے اکابر تک قرآن وحدیث کی تعلیمات سے آگاہ ہوتے ہیں...... روزمرہ کے ضروری مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے...... اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی ثقافت کی نشوونما پروان چڑھتی ہے...... آداب معاشرت اور آداب مجلس سے آگاہی اور عملی تربیت کے مواقع میسر آتے ہیں...... مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کے جذبات پروان چڑھتے ہیں...... دلی کدورتوں کا خاتمہ ہوتا ہے...... انس ومحبت کے سوتے پھوٹتے ہیں...... صفائی، طہارت اور پاکیزگی سے انسیت پیدا ہوتی ہے...... برائیوں کے مٹانے اور نیکیوں کے پھیلانے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے...... سوئے ہوئے اور بیگانہ احساسات کو دوبارہ شعور اور خفتہ جذبات کو جلا ملتی ہے...... احترامِ قانون اور معاشرتی ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی مسجد کی عظمت کی بحالی میں مضمر ہے۔ جب مسجد کی حیثیت کو بحال کرنے کی بات ہوتی ہے تو حقیقت میں مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کی تکفیر وتدبیر ہوتی ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 7 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

دہشت گردی کے اسباب اور ان کا تدارک

''رواداری'' کو ترک کرنے کی بنا پر امت مسلمہ کو جن مشکلات، مصائب اور آفات سے دوچار ہونا پڑا تو ان میں سب سے زیادہ خوفناک اور خطرناک صورت مذہبی ''دہشت گردی'' کی شکل میں نمودار ہوئی۔ دہشت گردی کے اسباب اور وجوہات کو صرف چند امور تک محدود نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ ایک لامتناہی تسلسل کا نتیجہ ہے، البتہ ان اسباب میں سے کچھ ایسے اسباب ہیں جو فوری نوعیت کے ہیں، کچھ میں تقدم و تاخر کی گنجائش ہے، کچھ میں اہمیت اور عدم اہمیت کا رجحان ہے، کچھ میں زود تر اثر پذیری کے اثرات نمایاں ہیں، کچھ میں مذہبی، مسلکی رجحانات کے اثرات کے تحت غلبہ آرائی کے جذبات کارفرما ہیں اور کچھ اسباب ایسے ہیں جن کا بظاہر تعلق نظر نہیں آ رہا لیکن نظر عمیق سے دیکھا جائے تو کہیں نہ کہیں ان کی کڑیاں مذہبی ''دہشت گردی'' سے جا ملتی ہیں۔ ان اسباب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو وہ کچھ یوں ہیں۔

اسلامی تعلیمات سے روگردانی...... اخلاقی اقدار کی پامالی اور نفی...... معاشرے میں طبقاتی کشمکش کے رجحانات...... غربت اور بیروزگاری...... اسلحہ کی فراوانی چاہے قانونی ہو یا غیر قانونی...... فرقہ واریت کی پشت پناہی میں کاروائیاں...... فرقہ واریت کے حقیقی جذبات پر برانگیختگی...... قابل اعتراض تقاریر، کتب اور لٹریچر کا پھیلاؤ...... خطباء اور مقررین کا حقیقی اسلامی تبلیغی مشن سے اعراض...... اجر و ثواب کے حصول کے جدید اسلوب...... خاندانی نظام کی شکست و ریخت...... سوشل اور سیاسی عوامل کی کارفرمائیاں...... جدید ترین مواصلاتی سہولیات اور سسٹم سے استفادہ...... غیر ملکی نشریاتی و اطلاعاتی میڈیا کی غیر معمولی دلچسپی...... مستحکم حکومتوں کو ناپائیدار کرنے کا جذبہ اور منصوبہ سازی...... عوام کی بے حسی...... وطن کی محبت کے جذبات میں بے رغبتی...... سکول اور کالج لیول میں دہشت پسند جماعتوں سے وابستہ افراد کی تقرری...... سیکولر ذہن کے افسرانِ بالا کی منفی سوچ، مساجد اور دینی مدارس سے بے تعلقی کی

Marfat.com

شعوری کوششیں...... معاشرے میں مساجد کے احترام وعظمت کے احساسات کو نیست و نابود کرنے کی کوششیں...... اسلام دشمن طاقتوں کا مساجد اور دینی مدارس سے مسلمانوں کے قلبی لگاؤ میں نقب زنی کی سعی...... افغانستان کے جہاد میں حصہ لینے والے فارغ افراد کا اپنے مذہبی فرقہ سے وابستگی کے پس منظر میں غلبہ آرائی کے رجحانات کی عمل پذیری...... پولیس کی ناقص کارکردگی...... پولیس کے عملہ میں نااہل اور کینہ پروری کے ضمن میں کی گئی تقرریوں کے اثرات...... پولیس کے ہاتھوں عزت وتکریم کے مستحق افراد کی تذلیل کا ردعمل، لاقانونیت کا عملی مظاہرہ فیشن پرستی کے ضمن میں...... معاشرے میں دکھائے جانے والے ڈراموں اور فلموں میں "ولن" کے کردار اور کاروائیوں کی پبلسٹی اور "ہیرو" کے کردار کی تذلیل...... سرکاری اہل کاروں، حکمرانوں اور افسران کا خفیہ ایجنسیوں میں اثر ونفوذ اپنے اپنے وقتی مفادات کے پس منظر میں...... دولت کی فراوانی کے بے جا مظاہرے اور مصنوعی نمائشی اسراف...... فرقہ پرست منتخب نمائندوں کی کمزور اور غیر مستحکم حکومتوں سے بلیک میلنگ...... ان حکومتوں کا فرقہ پرست جماعتوں کی کاروائیوں سے چشم پوشی اور مفاداتی اعراض...... ہم مسلک غیر ملکی طاقتوں کی پشت پناہی...... دہشت گردوں کو مذہبی لبادے اور روپ میں پیش کیا جانا...... دولت کے حصول کی دیدہ دلیرانہ اور ظالمانہ کاروائیوں کے ثمرات...... اور...... ہر کارروائی کے بعد حکومت کے متعلقہ افراد اور ایجنسیوں کا ان کاروائیوں کو "را"، "خاد" وغیرہ کی طرف بغیر تحقیق کے منسوب کر کے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے دینا اور حکومت کے ذمہ دار افراد کا ان رپورٹوں پر سکوت اختیار کرنا اور تسلیم کرنا رہا ہے۔

معصوم عوام اور قوم کے مظلوم افراد کب تک ان "دہشت گرد" کاررواؤں کے نقصانات برداشت کرتے چلے جائیں گے۔ حکمرانوں اور دین پسند افراد کے لیے یہ بے جا ظالمانہ کارروائیاں لمحات فکریہ مہیا کر رہی ہیں۔

ان دہشت انگیز کارروائیوں سے نجات کے لیے تقدم وتاخر کی گنجائش کے ساتھ جو تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں وہ "انتہائی اختصار" کے ساتھ کچھ یوں ہیں:

1- فرقہ پرست جماعتوں کے ذرائع آمدنی کی تفصیلات حاصل کی جائیں۔

2- ان کے آمد وخرچ کے حسابات کو آڈٹ کیا جائے (غیر جانبدار افسروں کے ذریعے)

3- جہاد میں عسکری تربیت دینے والی جماعتوں کے غیر ملکی رابطوں اور تربیت گاہوں

Marfat.com

کی نگرانی کی جائے۔

-4 مسلکی اور مذہبی حوالے سے جو بھی سیاسی دینی قائد یا رہنما ان گروہوں میں سے جس گروہ کے بارے میں سفارش کرے اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

-5 ان کے معاملات مکمل طور پر فوری کارروائی کرنے والی اعلیٰ عدالتوں کے سپرد کر دیے جائیں۔

-6 عدالت کو ڈرانے، دھمکانے اور ان کے اہل خانہ کو نقصان پہنچانے والی دھمکی آمیز ٹیلی فونوں، فیکس، خطوط، مکتوبات اور پیغامات بھیجنے والوں کی چھان بین کر کے فوری سزا دلوائی جائے۔

-7 اپیل کا حق نہ دیتے ہوئے، عدالت کے فیصلہ پر اسی دن عمل درآمد کی کارروائی مکمل کی جائے (اگرچہ اپیل کے حق میں دینے اور نہ دینے میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے لیکن اپیل کا حق نہ دینا خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے)

-8 پولیس کا ایک مستقل ونگ یا سیل بنایا جائے جو صرف دہشت انگیز کارروائیوں کا احاطہ کرے۔

-9 وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی نگرانی میں ''انٹیلی جنس ٹاسک فورس'' کا قیام عمل میں لایا جائے جو فوری طور پر دہشت ناک کارروائیوں کا سدباب کرے۔

-10 مرکزی اور صوبائی ایجنسیوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

-11 اسی طرح عدلیہ کے احکامات اور انتظامیہ کی کارروائیوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

-12 پولیس اور جیل کے نظام کو بہتر بنایا جائے اور ان مقامات میں دہشت گردوں سے وی آئی پی کا سلوک روا نہ رکھا جائے۔

-13 متعلقہ ایجنسیوں اور تھانوں کے ذرائع مواصلات میں ہم آہنگی اور یکسانیت پیدا کی جائے۔

-14 محکمہ داخلہ کی عدم دلچسپی پر باقاعدہ کارروائی کی جائے اور معاملات کو صوبائی مداخلت کی آڑ میں چشم پوشی نہ کی جائے۔

-15 محکمہ داخلہ اور پولیس کو ملنے والے فنڈ کا صحیح استعمال بروئے کار لایا جائے۔

-16 اگر کسی مدرسہ کا کوئی فرد ایسی کسی کارروائی میں ملوث پایا گیا تو اس کے بارے میں

Marfat.com

کسی سینیٹر، ایم این اے اور ایم پی اے کی سفارش قبول نہ کی جائے بلکہ سفارش کنندہ پر اعانت جرم میں مقدمہ چلایا جائے۔

-17 وقوع پذیر علاقے کی پولیس کو ہی ذمہ دار قرار دے کر باز پرس کی جائے۔

-18 پولیس کے معاملات مین سیاسی اثر اندازی کو روکا جائے۔

-19 اسلامی قانونِ شہادت نافذ کر کے جھوٹی گواہی پر اس مقدمہ کے فیصلے میں سزا بھی دلوائی جائے۔

-20 حقیقی معنیٰ میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام پر مشتمل کونسل تشکیل دی جائے جس کے باہمی فیصلوں پر عدالت سے توثیق کراتے ہوئے عمل درآمد کرایا جائے (اگر اس امر میں قانون سازی کی ضرورت ہو تو ملکی مفاد میں قانون سازی بھی کر لی جائے)

حضور اکرم رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی جانب حاکم بنا کر روانہ فرماتے ہوئے جو نصیحت آمیز پیغام مرحمت فرمایا اور جس سے یہ خوش کن امر مترشح ہو رہا ہے کہ ایک حاکم یا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے بارے میں کس طرح کے احساسات اور جذبات کا اظہار کرنا چاہیے۔

''نرم روی اختیار کرنا، دشواری نہ کرنا، خوش خبری دینا، نفرت کا بیج نہ بونا، باہم اطاعت کرنا اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا''

(روزنامہ جنگ، لاہور 13 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

معاشرہ اور اخلاقیات

حقوق وفرائض کی بجا آوری میں جب تک توازن اور اعتدال قائم و دائم رہتا ہے اس وقت تک وہ معاشرہ قابلِ تقلید اور قابلِ فخر تصور کیا جاتا ہے، پھر اس معاشرے میں موجود خوبیوں اور عمدہ باتوں کی پیروی دیگر اقوام بھی کرتی ہیں اور ان کو اپنے ہاں رائج کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں وہ معاشرہ اپنے میں موجود اوصاف حمیدہ کو فخر و انبساط سے اقوام عالم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے معاشرے میں مروجہ اصول وضوابط کو اپنے لیے اس انداز سے مشعل راہ بنالیتی ہیں جن سے روگردانی کرنا اور اعراض برتنا نہ ان کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ وہ ان کا تصور کرتی ہیں۔

اس اعتدال وتوازن کو قائم رکھنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔

1- قانونی 2- اخلاقی

قانون لچک دار ہو یا نہ ہو لیکن قوانین کے اندر انصاف روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہو زندگی کے میدانوں میں انصاف کی فراوانی نظر آ رہی ہو ہر شخص محسوس کرے کہ قانون کی پیروی میں ہی اس کی نجات ہے اور قانون سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ قانون پر عملدرآمد کرانے والے افراد قانون کے محافظین اور قانون کے علمبردار نہ صرف قانون کو سمجھتے ہیں، جانتے ہیں اور مانتے ہیں بلکہ قانون پر عمل کرانے میں صرف اور صرف انصاف کو ہی پیش نظر رکھتے ہیں نہ وہ کسی صاحب اقتدار و اختیار سے مرعوب ہوتے ہیں اور نہ ان کے "سپنوں" میں بسنے والی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل میں "بے دام غلاموں" کی مانند "رقصاں" رہتے ہیں ہر طرف انصاف کی حکمرانی اور اس کا بول بالا ہوتا ہے تو ایسا معاشرہ ہزار نقائص کے باوجود بہر حال ایک عرصہ تک قائم رہتا ہے...... لیکن ان خوبیوں کے باوجود......

قانون کی حکمرانی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر قائم نہیں ہوتی اور بہت سے زاویے ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں قانون کی رسائی نہیں ہوتی، قانون وہاں پہنچنا بھی چاہے تو

Marfat.com

نہیں پہنچ پاتا۔

''محبت والفت'' کے جذبات میں قانون بے دست و پا ہو جاتا ہے۔

''نفرت وانتقام'' کے تعلقات میں قانون کی گرفت جکڑ بندیوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ ''احترام وتکریم'' کے ''پیمانے'' قانون کے ''ترازو'' سے تولے نہیں جا سکتے۔ ''ایمان و عقیدت'' کے جذبات ''اوزان مادی'' سے ''ماپے'' اور ''ناپے'' نہیں جا سکتے۔

''نسبتِ روحانی'' کو ''قانون کے دریچوں'' سے ''نظر نواز'' نہیں کیا جا سکتا۔

''تحسینِ والدین'' ''ترحیم اولاد و اطفال'' ''تعظیمِ اکابر'' ''توقیرِ اعزہ واقرباء'' اور ''تکریم انسانیت'' کو ''دنیاوی اوزانوں'' سے وزن نہیں کیا جاتا۔

''اخلاص وایثار'' کو ''خفیف وثقیل'' میزانوں میں پرکھا نہیں جاتا اور ان جیسے تعلقات وجذبات واحساسات پر ''شہادات عینی'' و ''سمعی'' کے احکامات جاری نہیں کیے جاتے۔

البتہ ''صراط مستقیم'' سے اعراض کرنے والے معاشرے کو ''بے راہ روی'' پر گامزن ہونے سے بچانے کے لیے اور معاشرے میں توازن اور اعتدال پیدا کرنے کے لیے اسلام نے ''اخلاقی تعلیمات'' کو مرجع خلائق بنا کر ''اخلاقی تربیت'' کے اہتمام وانتظام کے لیے ایسی لطافت و نظافت سے معمور تعلیمات عطا کیں کہ جہاں قانون کی طاقت جواب دے رہی ہو وہاں ''اخلاقیات'' قانونی قوت سے بڑھ کر اس معاشرے کو ایسی راہوں پر استوار کر دے جو ہمیشہ قائم ودائم رہے۔

اور ان ہی خوبیوں والا معاشرہ ایسا معاشرہ ہے جو اسلام کا مطلوب ومقصود بھی ہے اور جو انسانیت کی فلاح کا دعویدار بھی ہے۔

''اخلاق'' ''خُلق'' کی جمع ہے اور ''خلق'' کا معنی فطرت اور طبیعت ہے انسان کی باطنی صورت کو بمعہ اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کو ''خلق'' کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل وصورت کو خلق کہا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں......

''خلق، نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں، ان کے ظاہر کے لیے سوچ و بچار کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

گویا جو افعال واعمال، اتفاقاً کسی شخص سے واقع ہو جاتے ہیں یا کسی عارضی جوش و

Marfat.com

ولولہ اور وقتی جذبات کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں چاہے وہ کتنے ہی عمدہ ہوں اوصاف حمیدہ کے حامل ہوں اور خوبیوں سے مزین ہوں انھیں ''خلق'' نہیں کہا جا سکتا۔

افعال حسنہ مثلاً شجاعت، سخاوت، صداقت، ضیافت، عدالت، عبادت، فرحت، رفاقت، نظافت، قناعت، اعانت، لطافت، جودت، صباحت اور حفاظت وغیرہ افعال کی ادائیگی میں اگر دوام اور استمرار نہیں...... بغیر کسی تردد اور تفکر کے ان اعمال حسنہ کا بجالانا نہیں...... ان اعمالِ صالحہ کے صادر ہونے میں پختگی نہیں...... اور...... انھوں نے فطرت ثانیہ کا رخ اختیار نہیں کیا تو پھر یہ افعال واعمال ''خلق'' میں شامل نہیں کیے جاتے۔

کیونکہ ''اخلاق'' کے اندر اس چیز کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ وہ اوصاف غیر متزلزل ہوں...... جذباتی پس منظر و پیش منظر سے ماوراہوں...... وقتی ماحول کے آئینہ میں وقوع پذیر نہ ہوں۔

''اخلاق'' سے منسوب ہونے کے لیے بلا تکلف مشکل وکٹھن لمحات اور آسان وسہل مراحل میں ادا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ کیفیت راسخہ اور ہیئتِ راسخہ کا مظہر بن جائیں۔

''اخلاق'' ہی کے ذریعے انسان کے دل میں بدی، گناہ اور برائی کے خلاف نفرت اور ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کیے جاتے ہیں۔

''اخلاق'' ہی کے ذریعے معاشرے میں نیکی کے فروغ کے جذبات اور بدی سے نفرت کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔

رحمتِ انسانیت حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے نہایت اختصار اور جامع کلمات کے ساتھ ''نظامِ اخلاق'' کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''میرے پروردگار نے مجھے نو باتوں کی وصیت کی ہے میں تمھیں بھی ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں، مجھے وصیت کی گئی کہ میں

1- خلوت وجلوت میں اخلاص کا مظاہرہ کروں۔

2- خوشنودی اور غصہ دونوں حالتوں میں عدل کروں۔

3- ثروت وافلاس دونوں صورتوں میں میانہ روی اختیار کروں۔

4- جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔

5- جو مجھے محروم رکھے اس کو عطا کر دوں۔

6- جو میرے ساتھ قطع رحمی کرے میں اسے صلہ رحمی کروں۔

Marfat.com

7- میری خاموشی غور و فکر (کے لیے) ہو۔

8- میری گفتگو ذکر الٰہی (کے لیے) ہو۔

9- میری نگاہ عبرت آموز ہو۔

اور جب معاشرے کے باسی ان مذکورہ اخلاقی اوصاف حمیدہ کو اپنی فطرت کا حصہ بنالیں گے تو ایسا ہی معاشرہ وجود میں آئے گا جو اسلام اور انسانیت کا مطلوب و مقصود معاشرہ ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 14 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

تدریس قرآن اور حکومت کے عملی اقدامات

جناب میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان نے اپنے اولین خطاب میں ملک و قوم کو معاشی، اقتصادی اور دینی اعتبار سے صحیح راستے اختیار کیے جانے کے بارے میں کئی اقدامات کا تذکرہ کیا تھا جن میں سے ایک اہم چیز طلبہ کے لیے "ناظرہ ترجمہ قرآن کریم کی تدریس" کا اعلان بھی تھا۔ اس نیک اور عظیم مقصد کو پورا کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ وزارت تعلیم کے مذہب بیزار افسران اور منصوبہ ساز عملہ کے افراد مختلف رکاوٹوں، بہانوں، حیلوں اور مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر کے ناکام بنانے کی مکمل کوشش کریں گے اور اب تک "تدریس قرآن" کے بارے میں ان کا مذموم رویہ یہی رہا ہے اور آئندہ بھی اسی کی توقع ہے۔

ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک کے نامور ماہر تعلیم قرآنیات حافظ نذر احمد صاحب نے وزیر اعظم پاکستان کے نام اپنے ایک مکتوب میں جن تجاویز کو پیش کیا ہے ان کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے تاکہ اگر واقعی موجودہ حکومت اس پروگرام کے بارے میں مخلص ہے تو اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابھی سے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ پروگراموں کو ترتیب دیا جانا چاہیے اور جس کے لیے ضروری ہے کہ ماہرین تعلیم قرآنیات پر مشتمل جید علماء کرام و ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو قلیل عرصہ میں اپنی رپورٹ تیار کر کے حکومت کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مہیا کرے۔ نیز اس میں یہ امر پیش نظر رہے کہ صرف انہی حضرات کو یہ ذمہ داری سونپی جائے جو اشاعت قرآن کریم کا درد اور جذبہ رکھتے ہیں۔

مناسب ہوگا کہ ان رکاوٹوں اور کوتاہیوں کا تجزیہ کر لیا جائے جو حکومت کے فیصلے کے باوجود ماضی میں اس نیک کام میں رکاوٹ بنی رہی ہیں تاکہ شروع ہی میں ان کا انسداد اور اصلاح ہو جائے۔

-1 ناظرہ قرآن کریم کی تدریس میں سب سے بڑی رکاوٹ مناسب اساتذہ کی کمی تھی اور اب بھی یہی رکاوٹ سامنے آئے گی جس کے لیے مناسب ہے:

Marfat.com

ا۔ تدریس قرآن کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

ب۔ سکولوں کے موجودہ سٹاف میں سے جو اساتذہ خود قرآن شریف پڑھے ہوئے ہوں بشرطیکہ وہ اس کی تدریس کے فن سے بھی آگاہ ہوں، اضافی الاؤنسز دے کر ان سے کام لیا جائے۔

ج۔ اس مقصد اعلیٰ کے حصول کے لیے ملک کے غیر سرکاری ادارے، جامعات اور افراد اساتذہ کے حصول اور تدریس میں انشاءاللہ دست تعاون بڑھائیں گے۔

د۔ فوری طور پر آنے والی موسم گرما کی تعطیلات میں کم از کم ایک ماہ کے دورانیہ کے ریفریشر کورسز صوبائی، ڈویژنل، ہیڈکوارٹرز اور ضلعی سطح پر، نیز جہاں جہاں ممکن ہو پورے ملک میں ان کا انعقاد کیا جائے۔

ہ۔ ریفریشر کورس کے لیے معلم اساتذہ (ماسٹر ٹرینرز) کی تربیت کا اہتمام تمام ٹیچر ٹریننگ کالجوں، ایجوکیشن سنٹرز اور ڈی ایس ڈی (ڈائریکٹوریٹ سٹاف ڈویلپمنٹ) پر فی الفور شروع کر دیا جائے تاکہ تعطیلات سے قبل ایک مناسب تعداد تربیت یافتہ ناظرہ اور ترجمہ پڑھانے والے معلم اساتذہ کی تیار ہو جائے۔

2- تدریس قرآن میں دوسری رکاوٹ ضروری معاونات کا فقدان رہا ہے مثلاً

ا۔ جن طلباء کے ہاتھ پاک نہ ہوں ان کے لیے وضو کی سہولت۔

ب۔ قرآن شریف، سپارے کلاس روم یا مناسب جگہ سکول میں محفوظ رکھنے کا انتظام تاکہ قرآن کریم اور پاروں کے لانے اور لے جانے میں بے ادبی سے بچا جائے، جس کے لیے درد دل ثروت مند افراد سے اپیل کی جا سکتی ہے کہ وہ لوہے یا لکڑی کی مناسب الماریاں اس نیک کام کے لیے مہیا کریں۔

3- تدریس قرآن کا نصاب میں عدم تعین اور نتیجہ میں اس کا عدم شمول بھی ایک رکاوٹ رہا۔

قرآن کریم کے تقدس اور اہمیت کا لازمی تقاضا تھا کہ قرآن کریم کی تدریس میں کامیاب، ناکام ہونے اور حاصل کردہ نمبروں کا اندراج دوسرے مضامین کے ساتھ بلکہ سرفہرست ہوتا لیکن عملاً ایسا نہ ہوا جس کی بناء پر طلباء تدریس قرآن سے بے پرواہ رہے اور یہی وجہ ان کے عدم توجہ کا سبب رہی۔

Marfat.com

4- ناظرہ قرآن کریم کی تدریس کے لیے سکول ٹائم ٹیبل میں مخصوص پیریڈ مقرر کا نہ ہونا، اگر کسی سکول میں ظاہری طور پر ایسا پیریڈ رکھا بھی گیا تو اسے دوسرے مضامین کی تدریس میں استعمال کیا جاتا رہا۔

5- سرکاری اداروں کے علاوہ غیر سرکاری/نجی اداروں اور خاص طور پر انگلش میڈیم سکولوں اور ان مشینری اداروں میں بھی جہاں مسلمان طلباء کی غالب اکثریت تعلیم حاصل کر رہی ہے دوسرے مضامین کی طرح ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم لازمی قرار دی جائے اور باقاعدہ اس کا انتظام ازبس ضروری ہے۔

6- ناظرہ قرآن کریم کی تدریس کو پانچویں جماعت تک مکمل کر لیا جائے تاکہ جن بچوں کا پرائمری کی تعلیم کے بعد سلسلہ تعلیم منقطع ہو جاتا ہے وہ ناظرہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم سے محروم نہ رہیں۔ نیز مڈل اور ہائی کلاسوں میں ترجمہ قرآن کریم کے لیے موزوں وقت بھی میسر آ جائے گا۔

چونکہ ناظرہ قرآن کریم کی تدریس پرائمری کلاسوں تک مکمل ہو جائے گی اس لیے ترجمہ قرآن ششم جماعت سے شروع کیا جائے جس کی تقسیم مندرجہ ذیل شیڈول کے مطابق مناسب ہوگی۔

1- جماعت ششم چار پارے (ابتدائی سال کی بناء پر)

2- جماعت ہفتم چھ پارے

3- جماعت ہشتم آٹھ پارے

4- جماعت نہم آٹھ پارے

5- جماعت دہم چار پارے (ثانوی تعلیم بورڈ کے امتحانی سال کی بناء پر)

7- ترجمہ قرآن کریم کے لیے تربیت یافتہ موزوں اساتذہ کا انتخاب کیا جائے مثلاً فاضل درس نظامی، فاضل عربی، او۔ ٹی یا عربی و اسلامیات کے ڈپلومہ ہولڈر۔

8- جب تک یہ ممکن نہ ہو تو جس سکول میں ترجمہ قرآن کریم کی تدریس کے اہل اساتذہ موجود ہوں انھیں ریفریشر کورسز کے ذریعے تربیت دے کر اور کچھ اضافی الاؤنس دے کر اس اہم خدمت کے لیے مامور کیا جا سکتا ہے۔

9- دیگر مضامین کی طرح ترجمہ قرآن کریم کا امتحان لازمی قرار دیا جائے اور سالانہ

Marfat.com

امتحانات کے نتائج میں پاس/ فیل اور نمبروں کا اندراج دوسرے مضامین کی طرح کیا جائے بلکہ اس کے تقدس کے پیش نظر سرفہرست رکھا جائے۔

10- اگر مضمون عربی جو مڈل تک شامل نصاب ہے جماعت نہم و دہم میں بھی لازمی کر دیا جائے تو ایک طرف اس سے ترجمہ قرآن کریم میں مدد ملے گی تو دوسری طرف متعینہ عربی، اسلامیات او، ٹی اساتذہ بخوبی مزید بوجھ بنے سکول میں یہی خدمت سرانجام دے لیں گے۔

اگر موجودہ حکومت قرآن کریم کی اشاعت، تبلیغ اور قرآن کو عملاً نافذ کر دے تو یقیناً وہ نازل اور منزل قرآن کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم نہ ہوگی۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 17 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آزادیٔ نسواں کی عجیب تعریف

تعلیم یافتہ، آزاد خیال اور سیکولر افراد کے ذہنوں میں یہ بات انتہائی خوبصورتی کے ساتھ پختہ کر دی گئی ہے کہ اسلام کی اخلاقی، معاشرتی، خانگی اور امور خانہ داری سے متعلق تعلیمات اور ہدایات زمانہ قدیم کے عرب ماحول کے ساتھ مخصوص تھیں جو اب ہمارے لیے ''آؤٹ آف ڈیٹ'' اور ''متروک'' ہو چکی ہیں، جن پر عمل کرنا اپنے آپ کو زمانہ ''جہالت'' اور ماضی کے تاریک ماحول میں ''زندان'' کر دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہماری نگاہیں ہمیشہ مستقبل اور خاص طور پر یورپ اور اس کے حواریوں کے معاشرتی ماحول پر مرکوز رہنی چاہئیں کیونکہ ان کی غیر معمولی ''ترقی کا راز'' اسی میں مضمر ہے۔

جبکہ اہل حقیقت وبصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ، مشرقی ممالک اور دیگر چند ایک ممالک کی ترقی کا راز خاص طور پر ان کے سائنس، انجینئرنگ، میڈیکل اور جوہری توانائی میں دسترس اور ان کے صحیح استعمالات میں پوشیدہ ہے اور ان میں ترقیات ہی کی بناء پر ان کا بھرم ابھی تک باقی ہے وگرنہ ان کا معاشرتی، خانگی اور اخلاقی ڈھانچہ تو شکست وریخت کا شکار ہو چکا ہے اور اب کوئی ایسی قابل اور ناقابل ذکر برائی، بدی اور بداخلاقی ایسی نہیں جو ان میں موجود نہ ہو یا ان میں سرایت نہ کر گئی ہو۔

مغربی افکار کی پروپیگنڈہ مشینری نے ایک عام مسلمان تو کجا، اہل علم مسلمانوں کے ذہنوں کو بھی اس انداز سے ''مسموم'' کر دیا ہے کہ اسلام نے ''صنف نازک'' کو ''نقاب اور پردے'' میں لپیٹ کر گھر کی چار دیواری میں ''مقید'' کر دیا ہے۔ ''تحریک آزادی نسواں'' کے حسین نعرے میں صنف نازک کو یہ بتایا گیا کہ اب آزادی کا دور ہے۔ اب تک تمھیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے محروم رکھا گیا جبکہ دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے مناصب تمھارے منتظر ہیں۔

لیکن اگر تعصب اور پروپیگنڈہ سے صرف نظر کرتے ہوئے حقائق کی دنیا میں تحقیقی اور تجزیاتی انداز سے پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اس کے خلاف

Marfat.com

نظر آتی ہے۔

اس نعرے کی عمل پیرائی کی حقیقت خود ان نعرہ لگانے والے ممالک کی تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہو جاتی ہے کہ صرف ماضی کی ایک سو سالہ تاریخ میں مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر، وزیراعظم، جج، کمانڈر انچیف، بری، بحری اور فضائی افواج کی سربراہ، نامور سائنس دان، سراغ رسانی کے اداروں کی سربراہ، زندگی گزارنے کے تمام شعبہ جات کی صدور، حکومت اور اقتدار کے اعلیٰ ترین عہدوں پر متمکن رہی ہیں؟

تحقیقی میدان کا کوئی ''شہسوار'' یورپ کی سو سالہ ماضی کی تاریخ کو کھنگال کر حقائق اور اعداد و شمار کی ناقابل چیلنج رپورٹ اگر تیار کرے گا تو اسے شرمندگی اور ''تحریک آزادی نسواں'' کے مبنی بر جھوٹ ہونے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر کسی کو ان دعووں کے جھوٹے ہونے پر یقین نہ ہو تو وہ براہ مہربانی ''تحریک آزادی نسواں'' کی مخالفت کرنے والوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے تحقیقی رپورٹ تیار کر کے دیکھ لے۔ چند ماہ ہی میں اسے اس نعرہ کی حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ یو این او کا کوئی ادارہ بھی ناقابل چیلنج ایسی رپورٹ تیار کرنے کی حامی نہیں بھرے گا کیونکہ وہ بھی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس میں سچائی کتنی ہے؟

تعصب کی نگاہ پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا کر جب وہ دیکھیں گے تو ان پر یہ امر واضح ہوگا کہ اہم مناصب پر فائز عورتوں کا تناسب مشکل سے چند فی لاکھ ہوگا، فی ہزار اور فیصد بھی نہیں۔

گنی چنی چند خواتین کو کچھ مناصب عطا کر دینے کے نام پر باقی لاکھوں اور کروڑوں عورتوں کو جس بیدردی کے ساتھ ''شاہراہ حیات'' پر دھکیلا گیا ہے وہ ''آزادی نسواں'' کے فراڈ اور دھوکہ بازی کا المناک اور مکروہ چہرہ ہے۔

ہاں البتہ وہ یہ دعویٰ بڑے زور شور سے کریں گے کہ انھوں نے اسی نوے فیصد عورتوں کو روزگار مہیا کر دیا ہے۔ انھوں نے کسی عورت کو بیروزگار نہیں رہنے دیا لیکن وہ روزگار کہاں مہیا کیا اس کا مختصر خاکہ کچھ یوں ہے۔

دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام اور امور عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں ویٹرز شاید ہی کوئی مرد ہوگا ورنہ تمام کام عورتیں کرتی ہیں۔

ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے، ان کے بستروں کی چادریں بدلنے...... اور...... ''روم اٹنڈنٹ'' کی ''خدمات عالیہ'' عورتوں کے سپرد...... دفاتر میں ''کلرکی'' کی پوسٹوں پر عورتیں مقرر...... ''پرائیویٹ سیکرٹریوں'' کے ''مناصب جلیلہ'' پر

Marfat.com

متمکن...... دفتروں میں ''سٹینو ٹائپسٹ'' کا اعزاز دیا گیا...... فروغ تجارت کے لیے ''سیلز گرل''...... اور...... اشتہارات کے ذریعے ''ماڈل گرل'' کی صورتوں میں ''شوپیس'' بنا کر سجایا گیا تو یہ مساوات مردوزن کی وہ نادر مثالیں ہیں جن پر ہم فخر کرتے ہیں۔

یہ ''آزادی نسواں'' کی کیسی ''تعریف'' ہے کہ اگر خاتون خانہ اپنے ''معصوم بچوں'' اور اپنے ''قابل تکریم والدین'' مقدس ''خونی رشتوں'' میں منسلک ''بھائی بہنوں'' اور اپنے ''مجازی خدا'' کے لیے گھر میں کام کاج کرے، کھانا اور خوراک تیار کرتی ہے تو جہالت، دقیانوسیت اور رجعت پسندی ہے اور اگر بعینہ وہی مقدس اور عزت ماب عورت (اسلام کی نگاہ میں) ہواؤں اور فضاؤں میں اڑتے ہوئے ''طیاروں'' میں ''ایئر ہوسٹس'' بن کر...... سمندروں اور دریاؤں کی سطحوں پر رواں دواں ''بحری جہازوں'' میں ویٹرز بن کر...... اور...... شاہراہوں اور ریل کی پٹڑیوں پر ''فراٹے'' بھرتی ہوئی ''بسوں اور گاڑیوں'' میں آرام دہ کرسیوں پر براجمان انسانی بھیس میں بیٹھے ہوئے ''بھیڑیوں'' کی بھوکی اور ہولناک نگاہوں کا شکار بن کر ''خدمت'' کرتی ہے تو اس کا نام ''آزادی'' اور ''ترقی پسندی'' ہے۔

اگر ''صنف نازک'' گھر میں موجود ''اعزہ واقرباء'' کی خدمت کرے تو ''قید'' اور ''ذلت'' برداشت کرنے والے ناموں سے یاد کی جائے لیکن اگر ''دکان تجارت'' میں ''سیلز گرل'' کا لیبل لگا کر تبسم انگیز مسکراہٹوں کو چہرے پر سجا کر آنے اور جانے والے پر نچھاور کرے تو ''آزادی'' ''نجات'' پانے کا اعزاز حاصل کرنے والی ہو جائے۔

کاش! کہ ہم ''صنف نازک'' کو بتا سکیں کہ اسلام نے اسے ماں کا درجہ دے کر ''جنت'' کو اس کے قدموں میں آ بسایا ہے۔

اس کی معاشی گھریلو تعلیمی، خانگی، ضروریات کی تکمیل کا بوجھ مردوں کے ''مضبوط'' کندھوں پر ڈال کر ''اطمینان وسکون'' کی زندگی گزارنے کا بھرپور موقع فراہم کیا ہے۔

''چالاک'' اور ''عیار'' مرد نے اپنے کندھوں سے بوجھ کو اتار کر اور ''صنف نازک'' کے کندھے پر سجا کر ''آزادی نسواں'' کا جھوٹا اور مکروفریب پر مبنی نعرہ لگا کر اسے دھوکہ دیا ہے۔

جس کی بناء پر آج ہمارا معاشرہ ''اخبارات کے صفحات میں'' اور ''عدالتوں کی میزانوں پر'' ''پکار پکار'' کر اسلامی تعلیمات کی عمل پذیری کو دعوت دے رہا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 18 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آزادیِ نسواں اور خاندانی اقدار

ابتدائے آفرینش سے یہ امر مسلم رہا ہے کہ "خاندان" ایک قدرتی ادارہ ہے جس سے "راہ فرار" ممکن نہیں ہے اور اگر کوئی معاشرہ "خاندان" کی اہمیت، افادیت اور مقصدیت کو پس پشت ڈال کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کا دعویٰ کرے تو ممکن ہے کہ ظاہری اعتبار سے ترقی کے کچھ مدارج کو طے کرتا ہوا نظر بھی آئے لیکن جلد یا بدیر دلفریب رعنائیوں سے بھرپور معاشرہ اپنی "دلربائیوں" کو قائم و دائم نہ رکھ سکے گا کیونکہ اس معاشرے کی اساس اور بنیادوں میں ایسی "خشتِ نازک" پیوست کی گئی ہیں جن کا اپنا وجود اس عظیم عمارت کو برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

زمانہ قدیم کا مشہور فلسفی...... ارسطو ہو یا مغربی ماحول کا پروردہ...... ای ایم وائٹ...... ہو یا مشرق و مغرب کے معاشرے سے بیک وقت "فیض یاب" ہونے والا...... اقبال...... ہو، ہر ایک کی نوک قلم سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ خاندان وہ پہلی اور بنیادی درس گاہ ہے جو اس معاشرے میں بسنے والے فرد کو معاشرہ کا مفہوم...... معاشرتی عادات و اطوار کی اہمیت...... نظم و ضبط کی پابندی...... سماجی "خاندان" ہی کے طفیل انسانوں کے مابین محبت و الفت، شفقت و مؤدت بڑھتی ہے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شامل ہونے کے جذبات ترقی کرتے ہوئے ایک محلہ، شہر، ملک اور بین الاقوامی ممالک میں رہنے والے افراد تک پھیل جاتے ہیں۔ جب انسان ایک خاندان میں ایک دوسرے سے الفت کرنا سیکھ لیتا ہے تو پھر اس کی الفت کے اظہار کا دائرہ قومی اور ملکی حدود سے ماورا ہو جاتا ہے۔

رہبر انسانیت حضور اکرم ﷺ نے "خاندان" کی اہمیت کو اس طرح بیان فرمایا!

"تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے لیے جواب دہ ہے، مرد

Marfat.com

اپنے گھر والوں (خاندان کے ممبران) کا ذمہ دار ہے اور اس کو اس ذمے داری کا جواب دینا پڑے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور بچوں (خاندان کے ممبران) کی ذمہ دار ہے اور اپنی اس ذمہ داری کے لیے اسے جواب دینا پڑے گا۔

اور جب عورت اور مرد اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرے تو معاشرہ کیا رخ اختیار کرتا ہے تو اس کا اندازہ سوویت یونین کے آخری صدر ''میخائل گورباچوف'' کی کتاب ''پروسٹرائیکا'' کے باب ''اسٹیٹس آف وویمن'' سے بخوبی کیا جا سکتا ہے اور جس میں خود ''میخائل گورباچوف'' بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ

''ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر لیکن یہ رائے ان میں سے کسی عام معمولی فہم کے مالک ''شخص'' کی نہیں اور...... اس نظام کے خلاف کسی ''دشمن'' کی بھی نہیں، بلکہ اس ''شخص'' کی ہے جس کی مکمل پرورش اسی مغربی روایاتی ماحول میں ہوئی جس کی جوانی اسی رنگین مزاج زندگی کی ''خوش فریبیوں'' سے بھرپور راتوں میں گزری...... اور جس کا بڑھاپا اسی ''سسکتے'' ہوئے معاشرے کے ''دم آخریں'' میں بسر ہوا جس کی اٹھان بڑے بڑے دعوؤں اور طمطراق سے ہوئی تھی اور جس نے خاندانی روایات کو ترقی کی راہ میں بہت بڑا ''پتھر'' سمجھ کر ''طاقِ نسیاں'' کے حوالے کر دیا تھا، لیکن انجام......

یہ اس ''شخص'' کی رائے ہے جو معاشرے میں موجود ہر طبقہ حیات میں ''زندگی'' بسر کرتا رہا۔ ایک معمولی خاندان کے فرد کے ''رکن'' ہونے سے لے کر دنیا کی دوسری بڑی سپر طاقت کے آخری ''منصب'' پر فائز رہا۔ جس نے زندگی کی اونچ نیچ کا معائنہ خود اپنی آنکھوں سے زندگی گزارنے والے افراد میں ''رہتے'' ہوئے کیا اور بالآخر اسی نتیجے پر پہنچا جس کی طرف اسلامی تعلیمات ''انسانیت'' کو متوجہ کر رہی تھیں۔

اسلام نے رشتہ زوجیت کو جو عائلی زندگی کا نکتہ آغاز ہے کو بعض حالات میں مجرد شخص کے لیے لازمی قرار دیا اس لیے کہ یہ ''رشتہ'' روحانی کمالات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے عائلی زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوتے ہوئے امت کو یہ تعلیم مرحمت فرمائی کہ یہ ذمہ داری تو ''سید الرسل'' کے منصب عظمیٰ کے منافی بھی نہیں اور اس سے اس رتبہ عظمیٰ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کس قدر برحق ہے جس کا اندازہ مغرب اور اس کے دلدادہ معاشروں میں بسنے والے افراد کی طرز حیات اور دین سے بے رغبتی کے اظہار سے ہو رہا ہے۔ "جب کوئی مسلمان نکاح کرتا ہے تو شیطان چیخ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا برا ہو کہ اس (نکاح کرنے والے) نے مجھ سے دو تہائی دین چھین لیا۔"

(روزنامہ جنگ، لاہور 20 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آزادیِ نسواں کی فریب کاری

مرد اور عورت کی فطرت، خلقت اور جبلت آئینہ ''حیات زندگانی'' میں تضادات پر مبنی ہونے کی بنا پر کبھی بھی ''یکساں'' نہ رہی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ مرد اپنی ''فطری خصوصیات'' کی بنا پر مرد ہی رہے گا اور عورت اپنے ''خلقی اوصاف'' کی بنا پر عورت ہی رہے گی۔

چاہے وہ ''یورپ کی ڈھلی ہوئی شاموں'' میں...... یا......

''جام وسبو'' کے مچلتے ہوئے ''پیمانوں'' میں...... یا......

''ساغر ومینا'' کے لڑھکتے ہوئے بے ہنگم جسموں میں ''رقصاں'' ہوں...... یا......

افریقہ کی دہکتی ہوئی ''روپہلی صحرائی'' سرزمین میں

''نصف النہار'' کی گرم آلود ساعتوں میں ''سرگرداں'' ہوں...... یا......

قطبین کی یخ و بخ فضاؤں میں ''لرزاں'' ہوں...... یا......

مشرق میں نمودار ہوتی ہوئی سورج کی کرنوں میں نگاہوں کو خیرہ کرنے والی اور چمکتی ہوئی شعاعوں سے ''لطف اندوز'' ہوں...... یا......

مشرق بعید کی تہذیب نو کے دامن میں ''پابہ جولاں'' ہوں...... یا......

عرب وعجم کے زیر آسماں ''دھرتی'' پر بسیرا ڈالے ہوئے ہوں، کسی بھی خطہ ارضی میں نہ ان کی حقیقی فطرت ایک دوسرے میں مدغم ہو سکتی ہے نہ ان کے جبلی تقاضے باہم یکجا ہو سکتے ہیں...... نہ ان کے مزاجوں میں مکمل یکسانیت پیدا کی جا سکتی ہے...... اور...... نہ ان کے طبعی تقاضے مکمل طور پر ایک ہو سکتے ہیں کیونکہ فطرت نے دونوں اصناف کی تخلیق ہی میں فرق کو نمایاں کیا ہوا ہے۔

عبادات واحکامات میں ہر دو اصناف فرائض، واجبات اور سنن کی فرضیت، واجبیت اور سنیت میں یکساں ''مکلف''، ''مامور'' اور ''محکوم'' ہونے کے باوجود ارکان وافعال کی ادائیگی میں ہر ایک اپنے اپنے فطری تقاضوں کے مطابق عبادات واحکامات کو بجالانے کے پابند!

Marfat.com

آخر کیوں!

اسی فطری تفاوت کی بنا پر

نمازوں کی ادائیگی میں رخصت

روزوں کی ترتیب میں رخصت

حج کی ادائیگی کے تقدم و تاخر میں رخصت

اسی طرح دیگر بدنی عبادات کی ادائیگی میں رخصت

مرد اور عورت کے ''شرف انسانیت'' میں اشتراک کے باوجود ''تکریم تقویٰ'' کے حکم میں یکسانیت کے باوجود ہر دو کے نظام ہائے جسمانی میں تفاوت کیوں؟

مزاج میں، صلاحیت میں تخلیقی ساخت میں فرق کیوں!

لباس ظاہری میں یکسانیت اور مماثلت پیدا کرنے کے باوجود لباس باطنی میں یکسانیت پیدا کیوں نہ کی جا سکی؟

''آزادی نسواں'' کے علمبرداروں کے تضادات کا یہ پہلو بھی خوب ہے کہ اگر غیر مسلم معاشرے میں ''صنف نازک'' دیہاتوں اور سبزہ زاروں میں کام کرے تو ''آزادی نسواں'' اور ''مساوات انسانیت'' کا ''حسین امتزاج'' لیکن...... اگر مسلم معاشرے میں یہی کام کرے تو ''صنف نازک'' ظلم و جور کی چکی میں پستی ہوئی نظر آئے۔

اگر وہ مغرب اور اس کے پیروکار ممالک میں درون خانہ و بیرون خانہ دگنی محنت کر کے اپنے آپ کو ہلکان کر لے تو بھی آزادی نسواں کی قابل فخر اور قابل تقلید مثال...... لیکن...... اگر وہ مسلم معاشرے میں پاکدامنی، عزت و عظمت اور عصمت کی چادر زیب تن کر کے صرف اپنے امور خانہ کے فرائض کو بجالائے تو زیادتی اور جبریت کی انتہا۔

تعلیمات قرآن کریم و اقوال رسول کریم ﷺ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر دو شعبوں میں اس طرح تقسیم فرمائی کہ مرد کے ذمے گھر کے باہر کے مکمل کام، کسب معاش سے لے کر تعمیر منزل تک سارے امور مرد کے ذمے اور اندرون خانہ کے شعبے کی سربراہی عورت کے حوالے کی، چنانچہ

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے بھی اس طرح کاموں کو تقسیم فرمایا ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کی تمام ضروریات کی فراہمی کے ذمہ دار تھے، گھر کے باہر کے

Marfat.com

تمام کام سرانجام دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کی ذمہ داریوں کو نبھاتیں یعنی کھانا پکانا، گھر کے اندر صفائی کرنا، چکی کے ذریعے آٹا پیسنا اور پانی بھرنا۔

ہم سکون واطمینان کے متلاشی ہیں، ہم ذہنی طور پر پُرسکون رہنا چاہتے ہیں، اور ہم ہنگامہ خیزی کے عذاب سے دور بھی رہنا چاہتے یہ خواہشیں یقیناً بہت مناسب ہیں لیکن ان خواہشوں کی تکمیل کے لیے جس راہ کو اختیار کیا بدقسمتی سے وہ راہ ''صراط مستقیم'' کی راہ نہیں۔ جس قدر عمدہ طریقے، نفاست اور منظم طریقے سے والدہ بچوں کی صحیح تربیت اور اعلیٰ اور عمدہ قسم کے آداب سکھا سکتی ہے اتنا کوئی اور نہیں، خالق کائنات نے ماں کے دل میں جن جذبات مؤدت اور ممتا کو سمو رکھا ہے وہ والد کے دل میں نہیں۔ ممتا کی شفقت اگر بازار سے خریدی جا سکتی تو آج معاشرہ ظلم و جور کی چکی میں نہ پس رہا ہوتا اور جب معصوم سے چھوٹے سے بچے کو معمولی سی پھانس بھی چبھ جاتی ہے تو اس ''عالم الم'' میں بے ساختہ اس کے منہ سے ''ماں'' کا لفظ کیوں نکلتا ہے اسی لیے کہ فطرت اسے ایسا کہنے پر مجبور کر رہی ہے اور جب فطرت کے تقاضوں کی تکمیل سے بغاوت کی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جس کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں۔

عورت کو وہی احترام دے دیجئے جو قرآن کہتا ہے۔

عورت کو وہی عزت دے دیجئے جو رہبر انسانیت ﷺ نے عطا کی۔

عورت کو وہی مقام و مرتبہ دے دیجئے جو تعلیمات اسلامیہ دیتی ہیں۔

عورت کو وہی شرم و حیا کا زیور لوٹا دیجئے...... جو فطرت سلیمہ اس کو ودیعت کرتی ہے تو یہ عصمت دری والا معاشرہ نیست و نابود ہو جائے گا۔

معصوم صنف نازک کی عزتوں کو تار تار کرنے والا معاشرہ اپنی موت آپ مر جائے گا جس کے بعد:

گھر کے باہر عورت کو وہی سکون ملے گا جو گھر میں ملتا ہے۔

عورت کو وہی شفقت ملے گی جو گھر میں والدین دیتے ہیں۔

عورت کو وہی عزت ملے گی جو گھر میں اولاد دیتی ہے۔

عورت کو وہی مؤدت ملے گی جو اعزہ واقربا دیتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 21 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

''آزادیِ نسواں'' کے دعوؤں کی حقیقت

مناسب تو یہی تھا کہ ''آزادی نسواں'' کے نعرہ زن افراد، ادارے، تنظیمیں، کلبز، سوسائٹیاں، کونسلیں اور جماعتیں عورتوں کو ان کے حقوق دلانے کی بات خاص طور پر پاکستان میں ''اسلام'' اور ''اسلامی تعلیمات'' کے حوالے سے کرتیں تو بغیر کسی تردد کے ہر طبقہ فکر کی مکمل تائید اور تعاون کی مستحق قرار پاتیں لیکن ''آزادیِ نسواں'' کے علمبردار اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اگر ''اسلام'' کے حوالے سے بات اور مطالبات پیش کریں گے تو لامحالہ تمام تر قوت، تائید اور طاقت ''اسلام'' اور اس کی ''تعلیمات'' کو حاصل ہوگی جبکہ ان کا مقصد، منشاء اور کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ اسلام کو اس انداز سے پیش کیا جائے جس سے یہ امر واضح ہو کہ ''اسلام'' مکمل دین نہیں ہے اور خاص طور پر اس میں عورتوں کو ان کے ''حقوق'' سے محروم رکھا گیا ہے۔

''بوسنیا'' تو یورپ ہی کا ایک ملک ہے اور وہاں بسنے والے غیر مسلم افراد اسی مہذب اور تعلیم یافتہ ماحول کے پروردہ ہیں تو ''حقوقِ نسواں'' کے علمبرداروں کو جنگ میں بیس ہزار سے زائد خواتین کے ساتھ اجتماعی زیادتیوں کے انسانیت سوز اور شرم ناک واقعات کیوں نظر نہیں آتے؟ اور اسی طرح کشمیر کے اندر۔ لیکن اس سے کہیں کم تعداد میں یہی واقعات کسی اسلامی ملک میں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو پورا مغربی میڈیا ان واقعات کو اچھال اچھال کر خوب بیان کرتا ہے۔

خود امریکہ میں جہاں عورتوں کو مکمل آزادی حاصل ہے اور زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ اور کندھے سے کندھا ملا کر کام کرنے کا مدعی ہے اور خواتین کے حقوق کا ''چمپئن'' بھی اپنے آپ کو قرار دیتا ہے لیکن اس تہذیب یافتہ ملک کی ہر تیسری لڑکی ''زیادتی'' کا شکار کیوں ہوتی ہے؟ اور یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس معاشرے میں ''زیادتی'' کا لفظ اس مقام پر استعمال ہوتا ہے جہاں عدم رضا، زبردستی اور جبر و اکراہ کے نتیجہ میں کوئی عمل

Marfat.com

واقع ہو لیکن فریقین کے مابین "فرینڈ شپ" باہمی رضامندی اور دوستی کی آڑ میں اخلاقی حدود کو پامال کرنے والے کسی بھی مکروہ فعل کو "زیادتی" میں نہ گنا جاتا ہے اور نہ شمار کیا جاتا ہے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ خواتین کے حقوق کی علمبردار "خواتین" اور "کونسلیں" صرف عدالتوں ہی میں "لو میرج" کے ہاتھوں "ظلم" سہنے والے "مظلومین" کی پشت پناہی کرتی ہوئی کیوں نظر آتی ہیں؟ اور آج کل شائع ہونے والی خبریں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

انہیں دیہاتوں، تحصیلوں اور شہروں کے سرکاری ہسپتالوں میں زخموں سے چور، بیماری کے ہاتھوں لٹی پٹی، نادار عورتیں اور دواؤں کے حصول کے لیے در بدر ٹھوکر کھاتی ہوئی لاغر و کمزور مستورات نظر کیوں نہیں آتیں؟

اس لیے کہ بین الاقوامی حقوق انسانیت کے علمبردار اداروں سے جو لاکھوں ڈالروں اور پونڈوں میں امداد ملتی ہے اس کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ اس رقم کو صرف وہاں ہی خرچ کرنا ہے جس سے مذہب اور اس کی تعلیمات کو نقصان پہنچے اور جن امور کے ذریعے مذہبی معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہوں اور ان رقوم کو ہرگز وہاں خرچ نہیں کیا جا سکتا جس سے "حقیقی مظلوم" عورتوں کو فائدہ پہنچے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ صرف حکومتِ وقت کا بلکہ تمام اہل ثروت افراد کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ صحت کے قیام کے لیے ہر طرح کے ادارے وجود میں لائیں تا کہ مسلم معاشرہ میں رہنے والے افراد جسمانی صحت کی دولت سے بھی مالا مال ہوں بلکہ اسلامی حکومت کے فرائض میں بھی یہ شامل ہے۔

اسلام نے سب سے زیادہ اہمیت "تعلیم" کو دی ہے۔

قرآنی تعلیمات کے ضمن میں حضور اکرم نور مجسم ﷺ کا یہ واضح ارشاد ہے (فقہاء و معززین عظام جسے علوم فرائض پر محمول کرتے ہیں)

"ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم کا طلب کرنا فرض ہے۔"

اگر بین الاقوامی اداروں کے ہاتھوں "رقص" کرنے والے "آزادی نسواں" کے نعرہ زن ادارہ جات واقعی عورت کے مفادات کے ساتھ مخلص ہیں تو وہ صرف ایک کام کریں جو یہ ہے کہ پاکستان میں عورتوں کے لیے تعلیم گاہوں کا جال پھیلا دیں۔

پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک عورتوں کے الگ الگ سکول، کالجز اور جامعات

Marfat.com

ہوں، چونکہ یہ ادارے حقوق انسانی کے دعویدار بھی ہیں اور انسان کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دین کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرے اس لیے انسان کے اس حق کے پیش نظر ان تعلیمی اداروں میں صرف ایک پیریڈ اسلامیات کا رکھ دیا جائے تاکہ وہ اپنے انسانی حق کو بھی حاصل کرتی رہیں اور دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ ہوتی رہیں۔

نیز عورت کو آزادی چاہیے اس لیے اس کو آزادانہ طریقے سے آزادانہ ماحول میں اپنے لیے تعلیم کو حاصل کرنے کے مواقع پھر بھی ملنے چاہئیں اس لیے ان کے لیے کم از کم ہر صوبہ میں ایک "ومن یونیورسٹی" بھی قائم کر دی جائے اور اس یونیورسٹی کا تمام عملہ مستورات پر مشتمل ہو تاکہ عورتوں کو روزگار بھی میسر ہوتا رہے اور ایک ہی عمل سے دوہرا فائدہ حاصل کیا جائے ایک عورت تعلیم یافتہ ہو جائے گی اور دوسرا عورت کو روزگار میسر آ جائے گا۔

اور یہ بات یقیناً آپ کے علم میں ہوگی کہ پاکستان کی تاریخ میں آج تک "آزادی نسواں" کے دعویداروں اور "ہیومن رائٹس" کونسلوں کے علمبرداروں میں سے کسی ایک نے بھی عورتوں کے لیے الگ "یونیورسٹی" کے قیام کے مطالبہ کی نہ تائید کی ہے اور نہ کبھی عملی کوشش کی ہے اور نہ کبھی مطالبہ کیا ہے آخر کیوں......؟

اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ عورتوں کی الگ یونیورسٹی قائم کرنے سے وہ "مخلوط معاشرہ" وجود میں نہیں آ سکتا جس معاشرے کے وجود میں لانے کے لیے یہ کونسلیں قائم کی گئی ہیں اور جس مقصد کے لیے ان کو غیر ملکی امداد ملتی ہے۔

اور اگر یہ رائے غلط ہے، یہ سوچ غلط ہے، یہ ان کے "نیک" ارادوں کے بارے میں "بدگمانی" ہے تو "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" وہ میدان عمل میں نکلیں اور ان اداروں کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد کریں جو پاکستان میں "عورتوں کے حقوق" کے لیے ایک عرصہ سے "عورتوں کی یونیورسٹی" قائم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

شاید وہ پاکستان کی "محکوم"، "مظلوم" اور "جاہل" عورت کو اسی طریقے سے اس کا حق دلا سکیں......

(روزنامہ جنگ، لاہور 22 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

''آزادیِ نسواں'' کی جلوہ آرائیاں

اسلام کی یہ عظمت اور شان ہے کہ اس نے روئے زمین پر بسنے والے ہر ذی روح چاہے اس کا تعلق حیوانات سے ہو یا انسانوں سے اور ان میں سے ہر کمزور سے کمزور تر مخلوق کے ساتھ بہتر حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے جانور کتنا معمولی اور نازک ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس سے ضرر اور نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہے تو اس سے ظالمانہ رویہ برتنا جائز نہیں ہے۔

خالقِ کائنات ''صنف نازک'' کے احساسات اور جذبات سے بخوبی واقف ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے بارے میں جارحانہ اور ظالمانہ رویہ اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائے بلکہ اس ''نازک اندام'' صنف کے بارے میں اخلاق سے معمور تعلیم دیتے ہوئے ارشاد ربانی ہوتا ہے:

''ان (عورتوں) سے اچھا برتاؤ (سلوک) کرو۔''

اور یہ حکم زندگی کے ہر میدان کے بارے میں ہے چاہے اس کا تعلق امور خانہ داری کے ساتھ ہو یا معاملات کے ساتھ ہو یا آدابِ گفتگو کے ساتھ ہو یا حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ ہو۔

سرور کائنات ﷺ نے امت مسلمہ کے افراد کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ جس میں عورتیں، بچے اور سب چھوٹے بڑے شامل ہیں، کے بارے میں نہایت واضح انداز میں فرمایا:

''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال سے اچھا سلوک کرے اور میں اپنے اہل سے تم سب سے زیادہ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے انسانوں میں سے بہترین انسان اس شخص کو قرار دیا ہے جو حسنِ سلوک کا مظاہرہ بہترین انداز سے کرتا ہے اور اس سلسلے میں اپنی سیرت طیبہ اور حسن اخلاق کو بطور نمونہ پیش کیا۔

اور ہمیں آپ ﷺ کے احکامات کی پیروی کا حکم بھی تو خالق ارض وسما ہی دے

Marfat.com

رہا ہے۔

تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ بہترین اسوہ (معیار اور نمونہ) ہے۔

مالک کون و مکاں نے عورت کے گھر کو اس کا قلعہ اور عصمت و حفاظت کا حقیقی محافظ اس کے اپنے اصل گھر کو قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مخاطب کرتے ہوئے عام مسلمان عورتوں کو حکم دے رہا ہے:

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، زمانہ جاہلیت کی مانند بے پردہ ہو کر باہر نہ نکلا کرو۔''

اس حکم میں دو امور کی طرف رہنمائی دی جا رہی ہے۔

(1) عورت کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر رہے لیکن اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو یقیناً نکلے لیکن نکلتے وقت اس امر کو ملحوظ خاطر رکھے کہ اس میں زمانہ جاہلیت کی طرح عریاں بے پردگی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔

چنانچہ مفسرین عظام اس آیت کریمہ کی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ قبل از اسلام، اس زمانہ میں عورتیں اتراتی ہوئی نکلتی تھیں، اپنی زیب و زینت اور محاسن کا بھرپور اظہار کرتی تھیں، لباس ایسا پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضاء اچھی طرح نہ چھپ سکیں۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ یہ تفاسیر اس دور کی ہیں جب ابھی مغربی تہذیب و تمدن اور یورپ کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا۔

لیکن قرآن کریم کا اعجاز یہی ہے اور یہی اس کے سچے کلام الٰہی ہونے کی دلیل بھی ہے۔ اس آیت کریمہ کا لفظ ''جاہلیت الاولیٰ'' (اگلی جہالت) اپنے مفہوم میں اس امر کی طرف نشاندہی کر رہا ہے کہ کوئی ''پچھلی جہالت'' بھی ہوگی کیونکہ ''اگلی'' کا تصور ''پچھلی'' کے بغیر اور ''پچھلی'' کا تصور ''اگلی'' کے بغیر ممکن نہیں۔

اس پس منظر میں شارحینِ قرآن فرماتے ہیں:

''پچھلی جاہلیت سے اخیر زمانہ مراد ہے جس میں لوگوں کے افعال پہلوں کی مثل ہو جائیں گے۔''

آج ہم قرآن کریم کی اس پیش گوئی کا اپنی نگاہوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ''اخیر زمانہ'' اور ''پہلے زمانہ'' والی عورتوں کے رہن سہن میں خصوصاً مغربی تہذیب و تمدن میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے۔

Marfat.com

یورپ اور مغربی تہذیب وتمدن میں رہنے والے افراد تو وہاں کی فحاشی عریانی اور ''آزادیِ نسواں'' کے مظاہرے اپنی ''گناہگار آنکھوں'' سے کرتے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایس ٹی این پر بی بی سی اپنی خبروں کی روانی میں ایسے منظر دکھانے کی کوشش کر جاتی ہے جس میں اس عریانی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کے ٹی وی کے افراد ریڈیائی لہروں میں ''گڑبڑ'' کر کے اس وقت تک اسے سکرین سے ''محو'' کرتے رہتے ہیں جب تک وہ منظر گزر نہ جائے۔

چنانچہ اسی خبروں کی روانی میں بہت سے ناظرین نے 21 مارچ کی رات گئے کی خبروں میں دیکھا ہوگا کہ ساحلِ سمندر پر ''غسلِ آفتاب'' سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ''مغربی تہذیب کی پروردہ'' چل رہی ہے اور اس کے جسم پر ستر پوشی کی کوئی چیز نہیں ہے۔

ان ''شرمناک مناظر'' کو دیکھ کر قرآن کی حقانیت پر یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اس نے کیوں لفظ ''اگلی جاہلیت'' کا استعمال فرمایا اور اسے ''پچھلی جاہلیت'' کی مانند قرار دیا ہے۔

(2) اس آیت میں دوسرا امر یہ بیان فرمایا کہ عورت کے لیے مناسب ہے کہ وہ گھر میں رہ کر گھر کے معاملات اور انتظام کو سنبھالے۔

اور اگر اس حکم کی خلاف ورزی کے نتائج ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں تو روس کے صدر میخائل گورباچوف کی یہ رائے ہی کافی ہے ''ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا، اس لیے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورتیں بھی کام کر رہی ہیں لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا ''فیملی سسٹم'' تباہ ہو گیا اور اس ''فیملی سسٹم'' کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانا پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے، لہٰذا میں اپنے ملک میں ''پروسٹرائیکا'' کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں۔ اس میں میرا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اس کو کیسے واپس لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ ہو جائے گی......'' کیا اس کے بعد بھی کسی مزید تبصرہ کی ضرورت ہے؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 24 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

''آزادیِ نسواں'' کا عبرتناک انجام

مشرقی اور مغربی اقدار میں کشمکش ایک عرصہ سے چلی آ رہی ہے، دونوں تہذیبیں اپنے تمدنی پس منظر میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک میں خواہشِ نفسانی کا حصول ہی مقصد حیات ہے جبکہ دوسری میں خواہش نفسانی کا حصول ذریعہ حیات ہے۔ ایک میں اخلاقی اقدار معاش کے تابع ہیں جبکہ دوسری میں معاش اخلاقی اقدار کے تابع ہے۔ ایک میں معاشرت سے بغاوت زندہ دلی کا نام ہے جبکہ دوسری میں زندہ دلی معاشرت سے وابستہ ہے...... ایک میں انسانیت کا دعویٰ مفادات کے تابع ہے جبکہ دوسری میں مفادات، انسانیت کے تابع ہے...... ایک میں مذہب کی تعلیمات ترقی کی راہ میں کوہ گراں ہیں جبکہ دوسری میں ترقی کا مواد، مذہبی تعلیمات میں پنہاں ہے...... ایک میں خاندان سے وابستگی کا اظہار گویا نوخیز جذبات کو کچلنے کا نام ہے جبکہ دوسری میں جذبات میں عمدگی، خاندان سے متعلق ہے...... ایک میں حیوانات سے محبت انسانیت کی معراج ہے جبکہ دوسری میں دونوں سے اپنے اپنے مقام پر اظہارِ محبت عروجِ انسانیت کے زینے پر قدم رکھنے کا نام ہے...... ایک میں بوڑھے والدین حیاتِ زندگانی میں سراپا بوجھ ہیں جبکہ دوسری میں حیاتِ اخروی کے میزان کو ہلکا کرنے کا سبب ہیں...... ایک میں ''صنف نازک'' گلدستہ کا وہ پھول ہے جس کی رعنائیوں سے نفعے حاصل کرنے کے بعد، بعد میں ہاتھوں سے مسلسل کر پھینک دیا جاتا ہے جبکہ دوسری میں گلدستہ میں سجا کر غیروں کی نظروں سے بچا کر بڑھاپے کا سہارا بنایا جاتا ہے...... ایک میں ننھے منے مہکتے معصوم سے بچے فرحت و انبساط کے حصول میں بارگراں ہیں جبکہ دوسری میں یہ فرحت و انبساط کی جان ہیں۔

اگر ان متضاد اقدار کو مناسب تناسب سے یکجا کر لیا جائے تو آپس میں متضاد ہونے کے باوجود کافی حد تک نقصانات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

ہمارا ایک المیہ یہ رہا ہے کہ ہم مغرب کی ترقی سے اس قدر مرعوب اور ششدر ہو

Marfat.com

گئے ہیں کہ ہمیں اپنی مشرقی اخلاقی اقدار کی قدر و قیمت مغرب کی ترقی کی چکاچوند روشنی میں دھندلاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مغرب کی ترقی کے اصل اسباب اور ان کا تجزیہ کرنے کی بجائے اپنی گراں مایہ اخلاقی اقدار کا تیاپانچہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور یہ تصور کر بیٹھے ہیں کہ ہماری ترقی میں اصلی رکاوٹ یہی اخلاقی اقدار ہیں اور جب تک ان اخلاقی اقدار سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ترقی کی منزل کو نہیں پاسکیں گے۔

دوسرا المیہ یہ بھی رہا کہ اسلامی اخلاقی تعلیمات کو تو خوب خوب بیان کیا جاتا ہے لیکن جب ان کو عملی جامہ پہنانے کا زریں موقع آتا ہے تو اپنے ذاتی حدود سے مفادات کے بندھن میں بندھ کر ان کو داغ مفارقت دے بیٹھتے ہیں۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات صرف نظریاتی حیثیت کی حامل نہیں بلکہ عملی بھی ہیں یہ عملی جامہ نہ پہنانے کی بناء پر ظاہر بین افراد اس کو اسلام کے ناقص ہونے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں چنانچہ اس غیر یقینی ماحول میں مغرب زدہ افراد کو اپنے مفسد خیالات پھیلنے کا زریں موقع مل جاتا ہے اور عورت کی مظلومیت کی آڑ میں حواس باختہ معاشرہ کو حسین انداز میں متعارف کرانے کے درپے ہو جاتے ہیں اگرچہ قصور اس میں ہمارا ہی ہے کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو اس کے جائز حقوق سے بھی محروم کر رکھا ہے۔

مشہور قانون دان محمد اکرم شیخ کے تجزیہ کے مطابق ''صائمہ کیس'' کئی اعتبار سے مثبت پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے والدین، بھائیوں، بہنوں اور معصوم بچیوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوا ہے بہرحال جو کچھ ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ آئندہ ایسے حوادث کے واقع ہونے کو جہاں تک ہو سکے روکا جائے۔ یہ ذمہ داری والدین کی بھی ہے۔ عدالت کی بھی ہے۔ نشریاتی میڈیا اور اخبارات کی بھی ہے اور معاشرے میں بسنے والے ہر ذمہ دار فرد کی بھی ہے۔

1- ایسے واقعات کو جہاں تک ہو سکے ''قانونی عدالتوں'' کی بجائے ''اخلاقی عدالتوں'' یعنی فریقین کے باہمی بزرگ افراد، معاشرے کے معزز اشخاص اور اہل درد حضرات کے ذریعے طے کیا جائے تو مغربی میڈیا کو ہمارے اخلاقی نظام میں نقب زنی کا موقع نہیں ملے گا۔

2- ایسے مقدمات میں عدالتیں اور وکلاء تاخیری ترجیحات کی بجائے فوری کارروائی کو

Marfat.com

پیش نظر رکھیں، جن تکلیف دہ مراحل سے دونوں خاندان گزر رہے ہوتے ہیں ان کا اندازہ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے ممکن نہیں جبکہ تاخیر تو خود حصولِ انصاف کے لیے زہر قاتل تصور کی جاتی ہے۔

-3 عدالتوں کو جہاں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر کسی بھی مقدمہ کی اخباری رپورٹنگ کی اشاعت کو روک دیں تو وہ خاص طور پر اس قسم کے غیر اخلاقی مقدمات کی مکمل رپورٹنگ کو بھی روک دیں۔ دونوں خاندانوں کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اخلاقی طور پر عدالت پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ برائی کا علاج برائی کی اشاعت میں نہیں بلکہ اس کے چھپانے میں ہی ہوتا ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ برائیوں کے پھیلانے والوں کو عذاب الیم کی خبر نہ دیتا۔

-4 بچی والے خاندان کو یہ سوچنے کا موقع ملا ہے کہ کیا وہ اپنی جوان بچیوں کو آزادی کے نام پر بے حجابانہ نوجوان مردوں سے حصول تعلیم کی آڑ میں ملاقاتوں کے اسی طرح مواقع فراہم کرتے رہیں گے اور اگر آئندہ اس قسم کی ملاقاتوں کو نہ روکا گیا تو خاندانوں کی عصمتوں کو اسی طرح بے آبرو کیا جاتا رہے گا۔

-5 وہ بچی جو محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل کھڑی ہوتی ہے تو معاشرے کے بھیڑیے اس کو شکار سمجھتے ہوئے اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ نہ اس کی عزت محفوظ رہتی ہے، نہ عصمت اور نہ آبرو۔ نہ والدین کی محبت باقی رہتی ہے اور نہ اس شوہر کا اعتماد جس کی خاطر اس نے اتنی بڑی قربانی دی ہوتی ہے۔ معاشرہ کی نگاہ میں وہ گھر سے بھاگی ہوئی عورت کہلاتی ہے۔ وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح در بدر کی ٹھوکریں کھانے لگتی ہے اور کوئی اسے پناہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور جو پناہ دینے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس سے اس کی قیمت بھی وصول کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ بالآخر وہ نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہے جس کا علاج اس کا شوہر بھی نہیں کر پاتا۔

-6 والدین پر لازم ہے کہ اسلام نے نکاح کے بارے میں بچی سے باہمی مشاورت کا جو حکم دیا ہے اس کی پاسداری کریں اور بچی کے جذبات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔

-7 عدالتیں خاندانی معاملات میں فیصلے کے بعد مرتب ہونے والے اثرات کو بھی اگر

Marfat.com

پیش نظر رکھیں تو معاشرتی استحکام کے لیے بہت مناسب ہوگا۔

-8 معاشرے میں بسنے والی بیٹیاں، بہنیں اور مائیں اسی معاشرے کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ ان کی عزت اور عصمت کی ذمہ داری پورے اسلامی معاشرے پر عائد ہوتی ہے اس لیے اخبارات میں رپورٹنگ کرنے والے حضرات صرف ایک لمحہ کے لیے لکھتے وقت یہ سوچ لیں کہ خدانخواستہ اگر ان کی اپنی بہن، اپنی بچی اور اپنی ماں کے ساتھ یہی حادثہ پیش آ جاتا تو ان پر کیا بیتتی؟ ان کا ذہن کیا سوچتا؟ ان کے تفکرات کن نادیدہ اندیشوں سے دوچار ہوتے؟ ان کی سوچ کن فکروں میں غلطاں ہوتی؟ آخر ان حوادث کا شکار ہونے والی عورتیں بھی تو کسی کی بہن ہے؟ کسی کی بیٹی ہے؟ اور کسی کی ماں ہے؟

-9 مجبور و مظلوم عورت کی پناہ گاہ صرف اور صرف ''خاندان'' ہے باوجود لاکھ برائیوں، عیبوں اور کمزوریوں کے ''خاندان'' کے ممبران میں کوئی نہ کوئی فرشتہ ضرور موجود ہوتا ہے جو شفقت کا ہاتھ ان کے سروں پر ضرور رکھتا ہے۔

-10 کم عمری میں جذبات کے ہاتھوں کیے ہوئے فیصلے بعد میں ندامت کے وہ آنسو چھوڑ جاتے ہیں جو تھم جانے کے بعد بھی ذلت و رسوائی کے داغوں کو مٹا نہیں سکتے۔

اے میرے وطن کی معصوم نونہال بچیو! تمہاری عزتوں اور عصمتوں کی حقیقی محافظ تمہاری والدہ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتی، عورت کے روپ میں ہر عورت، بہن اور ماں نہیں ہو سکتی جس طرح مرد کے روپ میں ہر مرد باپ، بھائی اور شوہر نہیں ہو سکتا، یہ فیصلہ ہم سب کے لیے عبرت کا نشان بن کر سامنے آیا۔ کاش ہم سب عبرت حاصل کر سکتے......؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 28 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

آزادیِ نسواں اور عضوِ معطل کا نعرہ

قومی ترقی و تعمیر ملک میں جس قدر ''طبقہ رجال'' اپنا کردار ادا کر رہا ہے، ویسا ہی کردار ''طبقہ نساء'' کو بھی ادا کیا جانا چاہیے چونکہ ایک طبقے کو مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اس لیے ملک ترقی نہ کر سکا اور اگر اسی طرح پہلو تہی کی جاتی رہی تو عدم ترقی کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔

ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، جب تک زمانوں کے تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا اس وقت تک ترقی و عروج کی حیثیت ایک ''خواب'' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر اپنے آپ کو ''خوابوں'' کی زندگی سے نکال کر ''عملی زندگی'' میں داخل کرنا مقصود ہے تو پھر حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اس مہنگائی کے دور میں ایسے ذرائع اور اسباب تلاش کیے جائیں جن سے گھریلو اخراجات پر کنٹرول کیا جا سکے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب گھر کے ''دونوں سربراہ'' ذرائع آمدنی کے حصول میں اپنے آپ کو ہلکان نہ کرتے رہیں کیونکہ یہ زمانہ کا تقاضا ہے۔

آبادی کے نصف سے زائد حصے کو عضوِ معطل کر کے اور گھر میں سجا کر رکھ دینے سے ملک ترقی نہیں کر پائے گا۔ مشین کا ایک ''معمولی سا پرزہ'' اگر ناکارہ ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو ''قوی ہیکل مشین'' چلنے سے انکار کر دیتی ہے اور یہاں تو پورے معاشرے کے ایک کثیر حصے کو عضوِ معطل بنا کر ناکارہ کر دیا گیا ہے تو پھر معاشرہ کس طرح ترقی کر پائے گا اور جب تک کثیر حصے کے تعطل کو ختم کر کے دوبارہ معاشرے کی ترقی میں ''پیوست'' نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ترقی کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

اور اس طرح کے بہت سے سوالات قائم کر کے عورت کے لیے عملی زندگی میں داخل کرنے کے ''بہانے'' تراشے جاتے ہیں اور مخلوط معاشرے کو وجود میں لانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔

Marfat.com

قومی ترقی میں عورت کے کردار سے کسی شخص کو بھی انکار ممکن نہیں ہے۔ ہر ''صاحب بصیرت'' شخص عورت کی اہلیت کو جانتا بھی ہے اور مانتا بھی ہے۔ ہر صاحب علم شخص عورت کی مرکزیت کا اظہار بھی کرتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے۔

اختلاف صرف ''کرداروں'' کے تعین میں ہے۔

اختلاف صرف ''عملی میدانوں'' کی کارفرمائی میں ہے۔

اختلاف صرف ''میدان کار'' میں ہے۔

اختلاف صرف ''ترجیحاتِ امور'' میں ہے۔

ہماری یہ بدقسمتی رہی کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک ہم زندگی کے کسی میدان میں منصوبہ سازی نہ کر سکے۔ منصوبہ بندی کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے اور منصوبہ بندی نہ کرنے کی وجہ ''منزل'' کا تعین نہ ہونا بھی رہا۔

ترقی کرنے کے لیے منصوبہ سازی لازمی امر ہے اور منصوبہ سازی کے لیے منصوبہ سازی کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسباب اور ذرائع کا مہیا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسباب اور ذرائع تو ہوں لیکن منصوبہ ساز نہ ہوں تو اسباب اور ذرائع موجود ہونے کے باوجود بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں۔ ہمارا المیہ بھی یہی رہا جبکہ بفضلہٖ تعالیٰ پہلے بھی اور اب بھی اسباب اور ذرائع موجود رہے لیکن......

حکمران جن منصوبوں کی تکمیل کے لیے مقرر ہوتے رہے (الا ماشاء اللہ) وہ ان کے اور اپنے منصوبوں کی تکمیل میں تو لگے رہے لیکن ملک کی ترقی کے منصوبوں کو وقت نہ دے سکے جس کے نتیجے میں......اور جنھوں نے ملک کی ترقی کے منصوبوں کی طرف توجہ دینی چاہیے تو انھیں وقت نہ دیا جا سکا، نتیجہ......

ملک میں جو کچھ ترقی کے نشانات نظر آ رہے ہیں ان میں اکثر حصہ افراد کی اپنی منصوبہ سازی کا ہے۔ حکومت کی منصوبہ سازی کا اتنا حصہ نہیں، وجہ......

پاکستان میں اگر آغاز ہی میں ''طبقہ رجال'' اور ''طبقہ نساء'' کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مربوط نظام اور پروگرام طے پا جاتا کہ ''طبقہ رجال'' نے کن کن میدانوں میں کام کرنا ہے اور ''طبقہ نساء'' نے کن کن امور کو سرانجام دینا ہے تو جو افراتفری، تشکیک، تشنیع اور بداعتمادی ایک دوسرے کے میدانوں میں دخل اندازی کی صورت پائی جا رہی ہے وہ نہ پائی جاتی۔

Marfat.com

اسلام کی تعلیمات میں طبقہ نساء کے کردار کو نظر انداز کہیں بھی نہیں کیا گیا بلکہ اسے جو کردار ادا کرنا چاہیے اس کا اسے نہ صرف پورا پورا موقع مہیا کیا گیا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔

اسلام نے ''زمانوں کے تقاضوں'' کو نظر انداز کہیں بھی نہیں کیا چنانچہ فقہاء عظام کی کتب میں اس کی تصریحات جگہ جگہ ہر زمانے میں نظر آتی ہیں۔ قطعی، تصریحی اور نصی احکامات کی روشنی ہی میں زمانوں کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرائی کی راہیں کشادہ کی گئی ہیں۔ احکامات قطعیہ سے روگردانی کیے بغیر جہاں جہاں ممکن ہوا فقہاء نے رخصتوں کو ملحوظ رکھ کر فیصلے صادر فرمائے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی مشینری میں عورت کی اہمیت سے انکار نہیں اور نہ اس معاشرہ کے کل پرزہ ہونے میں اختلاف ہے۔ جب تک ''قوی ہیکل مشینری'' کے تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر پیوست رہیں گے وہ مشین اپنی ''پروڈکشن'' دیتی رہے گی۔ اس مشین سے ہر ایک استفادہ کرتا رہے گا اور اس مشین سے ہر ایک نفع بھی حاصل کرتا رہے گا لیکن اگر مشین بنانے والے کی مرضی اور ہدایات کے خلاف اپنی مرضی سے کتنے ہی قیمتی اور خوبصورت پرزے کو اس کے اصل مقام سے اٹھا کر کسی اور مقام پر پیوست کر دیں یا لگا دیں گے تو کیا وہ جسیم و عریض مشین اپنی جسامت کے باوجود چلتی رہے گی؟ یقیناً نہیں۔

جس مقصد کے لیے وہ مشین بنائی گئی ہے کیا وہ مقصد حاصل ہو سکے گا؟ یقیناً نہیں۔ جس فائدے کے حصول کے لیے بنانے والے نے اس کو بنایا ہے فائدہ حاصل کر پائے گا؟ یقیناً نہیں، حالانکہ اس پرزے کے قیمتی ہونے سے انکار نہیں...... نہ اس کی خوبصورتی سے انکار ہے...... نہ اس کی افادیت سے انکار ہے...... نہ اس کی اہمیت سے انکار ہے...... نہ اس ''پرزے'' کی تذلیل مقصود ہے...... نہ اس ''پرزے'' کی تحقیر مقصود ہے۔

خالق کائنات نے اپنی تخلیق میں جس جس کے حقوق اور فرائض کو جس جس پر جس طرح لازم کیا ہے اس کو اسی طرح ادا کرتے چلے جائیے۔ وہ تخلیق اپنی خلقت سے ہر ایک کو گلستان میں بکھرے ہوئے پھولوں کی مانند رعنائی اور خوشبو مہیا کرتی رہے گی۔

اسی خالق کی ہدایات اور تعلیمات کے مطابق تمام ''طبقہ رجال'' کو روزگار مہیا کر دیجئے...... کسی مرد کو فارغ نہ بیٹھنے دیجئے...... کسی مرد کو بیکار نہ رہنے دیجئے...... کسی آدمی کو نوکری

Marfat.com

کے بغیر نہ رہنے دیجئے...... کسی تعلیم یافتہ مرد کو تعلیم کو ضائع کرنے کا موقع نہ دیجئے...... کسی ہنر مند مرد کو ہنر آزمائی سے محروم نہ کیجئے...... کسی جاہل کو جہالت کے باوجود اس کی جسمانی طاقت کی زور آزمائی سے نفع حاصل کرنے کے مواقع ضائع نہ ہونے دیجئے بس......

صرف ایک مرتبہ پہلے اشخاص اور افراد کی ''نصف آبادی'' کو ملک کی ترقی اور تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دے دیجئے تو معاشرہ خود محسوس کرے گا اور خود اپنے آپ کہے گا کہ باقی ''نصف آبادی'' عضو معطل نہیں ہے، لیکن آزمائش شرط ہے......

(روزنامہ جنگ، لاہور 29 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ڈرامے، فلمیں اور طلاقیں

انسانی ذہن کو متاثر کرنے والے...... ذہن میں نئے نئے خیالات اور تصورات پیدا کرنے والے...... ذہن کے کسی گوشے میں سوئے ہوئے جذبات کو دوبارہ زندہ کرنے والے...... اور...... نامعلوم چیزوں سے آگاہ ہونے کے ذرائع اگرچہ بہت سے ہیں لیکن اب بھی ان میں سب سے زیادہ زود اثر اور براہ راست اثر انداز ہونے والوں میں ریڈیو اور ٹی وی پر گائے جانے والے گانے اور ٹی وی یا تھیٹر ہالوں یا دیگر مقامات پر دکھائے جانے والے ڈرامے شامل ہیں۔ یہ وہ ذرائع ہیں جو معصوم بچے سے لے کر ادھیڑ عمر کے شخص تک کو متاثر کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات اصلاحی ڈرامے بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں معاشرے میں کچلے ہوئے، دبے ہوئے اور مظلوم طبقوں کے مسائل کو پیش کر کے ظلم کرنے والوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑا جاتا ہے اور ان میں مظلوم افراد سے ہمدردی سے پیش آنے کے احساسات پیدا کیے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر۔ ہے۔

ایک طبقہ فکر کی رائے یہ ہے کہ معاشرے میں موجود غلط رویوں کا ''اداکاروں'' کے ذریعے عملی مظاہرہ کرا کے اصلاح کا موقع فراہم کیا جائے اور اب تک ڈراموں میں اکثر و بیشتر اسی فکر کی نمائندگی ہو رہی ہے چنانچہ اس طرح کے ڈراموں اور فلموں کو دیکھنے والے افراد ''ہیرو'' سے زیادہ ''ولن'' سے متاثر ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک معاشرہ کبھی کا درست ہو چکا ہوتا۔

دوسری بہتر رائے یہ ہے کہ غلط رویوں کی بجائے ''اچھے'' اور ''عمدہ اوصاف'' کے حامل رویوں کا ''اداکاروں'' کے ذریعے عملی مظاہرہ کروا کر اصلاح کا موقع فراہم کیا جائے کیونکہ اس طرح کے ڈراموں اور فلموں کو دیکھنے والے افراد کا تعلق عام طور پر ان طبقوں سے ہوتا ہے جو زیادہ تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے نہیں ہوتے اس لیے وہ جو کچھ اپنی آنکھوں کے

Marfat.com

سامنے ہوتے ہوئے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں ان سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں اور دیکھی ہوئی باتوں کے نقوش ان کے ذہنوں کو دیر تک متاثر کیے رکھتے ہیں اور بعد میں اپنی زندگی کے مختلف مراحل کے اندر دیکھی ہوئی چیزوں اور رویوں کی نقالی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پیش کیے ہوئے برے کرداروں سے مثبت نتائج اخذ کرنا ان کی ذہنی استعداد کی بناء پر مشکل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے اندر برائی سے نفرت اور نیکی کے جذبات پیدا نہ ہو سکے اور نہ توقع کی جانی چاہیے۔

ڈراموں اور فلموں کے اندر بعض اوقات گھریلو زندگی پر اثر انداز ہونے والے واقعات بھی دکھائے جاتے ہیں۔ ان مناظر کو دکھاتے وقت یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ یہ منظر صرف ان دو افراد سے متعلق نہیں ہے جو مکالمہ بازی یا کردار سازی کر رہے ہیں بلکہ دیکھنے والے بہت سے افراد ان حالات سے دوچار ہو کر ان کلمات اور الفاظ کا اثر قبول کر سکتے ہیں اس لیے دیکھنے والوں کی رہنمائی کے لیے کوئی ایسا "برا منظر" اور پہلو پیش نہیں کیا جانا چاہیے۔ ڈراموں کی کہانی کے اندر کبھی شوہر اور بیوی کے اندر اختلاف، لڑائی جھگڑے اور گھر کی بربادی کا منظر دکھانا پڑ جائے تو ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے دونوں خاندانوں کے الگ ہونے کے نہیں بلکہ ملنے کے امکانات موجود ہیں۔

اس پس منظر میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرنا مقصود ہے تو ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں "طلاق" استعمال نہ ہو بلکہ ایسے الفاظ ادا کروائے جائیں جن میں شوہر کے غصہ کا اظہار تو ہو لیکن ان میں طلاق کا مفہوم نہ صراحتاً ہو اور نہ کنایتاً۔ مثلاً میں تجھے نہیں رکھوں گا۔" "مجھے تجھ سے نفرت ہے نفرت ہے۔" "میں تجھ کو طلاق دے دوں گا۔" بلکہ کوشش کی جائے کہ ان الفاظ میں مستقبل کے صیغے استعمال کیے جائیں اور ماضی اور حال کے صیغے ہرگز استعمال نہ کیے جائیں۔

لفظ "طلاق" کا استعمال شرعی طور پر جدائی کے لیے ہی ہے اور اسے "طلاقِ صریح" کہتے ہیں اور طلاقِ صریح کا حکم یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو ہر طرح سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح ہر وہ لفظ جو طلاق ہی کے لیے استعمال ہوتا ہو اور کسی اور معنی کے لیے استعمال نہ ہو اس میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی وہ بغیر نیت کے واقع ہو جاتا ہے۔

طلاق کا معاملہ تو اتنا نازک ہے کہ ہنسی، ٹھٹھہ بازی اور مذاق سے بھی کہہ دیا جائے

Marfat.com

تب بھی واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"تین چیزیں ایسی ہیں خواہ انھیں قصداً کرے یا ہنسی مذاق سے کہے تو بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ 1- نکاح 2- طلاق 3- رجعت (بیہقی شریف) فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ طلاق تو غصہ، نشہ، مرض، حالت جبر و اکراہ میں بھی ہو جاتی ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "حلال چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کو طلاق سے زیادہ ناپسند ہو۔"

گزشتہ دنوں ٹی وی کے ایک ڈرامے میں گھریلو جھگڑے کے پس منظر میں "شوہر" سے "بیوی" کے لیے لفظ "طلاق" تین مرتبہ ادا کروایا گیا۔ اگر یہ الفاظ نہ کہلوائے جاتے تو کیا ڈرامہ یا کہانی فلاپ ہو جاتی؟

کیا ان الفاظ کا تین مرتبہ ہی کہلوانا ضروری تھا؟

اس لفظ "طلاق" کو ایک مرتبہ ادا کروا کر بھی تو مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا کیونکہ شرعی حکم تو یہی ہے کہ ہر درجہ مجبوری میں کم سے کم اسے اختیار کیا جائے اور حتی الوسع اس سے بچا جائے۔ جب لوگ ڈراموں اور فلموں میں اس لفظ کو مسلسل تین مرتبہ شوہر کے منہ سے ادا کرتے ہوئے سنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ تین دفعہ سے کم کہنے میں طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

اور یہی صورت حال وثیقہ نویس، اسٹامپ لکھنے والوں اور وکلاء حضرات کی ہے کہ وہ "تین طلاق" یا "طلاقِ ثلاثہ" سے کم طلاق کا لفظ لکھتے ہی نہیں جس سے "مسلکی اور مذہبی اختلاف" کی بناء پر آئندہ دونوں خاندانوں میں رضامندی کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ احناف کے نزدیک ایک ہی محفل اور مجلس میں جتنی مرتبہ "طلاق" کا لفظ دہرایا جائے گا اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر تین سے زیادہ کہے گا تو زائد لغو قرار پائیں گی۔

اہل احناف نے عائلی قانون کے تحت بیک وقت "تین طلاق" دینے کو نہ "ایک طلاق" تسلیم کیا ہے اور نہ کریں گے کیونکہ ان کے پاس قرآن و سنت سے مضبوط دلائل موجود ہیں۔ کیا یہ بہتر راستہ نہیں کہ اس لفظ کو اگر کہنا ہی پڑے تو صرف ایک دفعہ ہی استعمال کیا جائے اور کرایا جائے اور حکومت تین طلاق دینے کو قانوناً جرم قرار دے دے تا کہ تمام مذہب والوں کے نزدیک صلح کے امکانات موجود رہیں اور مستقل طور پر خاندانی اختلافات و رنجشوں سے بچا

Marfat.com

جاسکے۔

اختلاف تو تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے میں ہے ایک طلاق کو ایک طلاق قرار دینے میں تو کسی کے نزدیک بھی اختلاف نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ ڈراموں، فلموں، اسٹامپ پیپروں اور دیگر تحریرات کے لکھتے وقت صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ لکھا جائے۔ تین طلاق کو تین مہینوں یا متفرق الگ الگ طہروں میں طلاق کا دیا جانا ہی سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان اسی لیے ہے کہ صلح اور رجوع کرنے کے امکانات موجود رہیں اور جب قانون کا سہارا لے کر تین طلاق کو ایک قرار دیا جاتا ہے تو احناف کے نزدیک یہ عمل حرام اور فعل زنا میں شمار ہو کر معاشرے کو بدکاری کی طرف سپرد کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور جس کے نتائج آج معاشرے میں نظر آ رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 30 مارچ 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

فلمیں، ڈرامے ''وثیقہ نویس'' اور ''طلاق نامے''

معاشرے کو صلح و آشتی کا گہوارہ بنانے والے...... اسے امن و سلامتی کا مرکز خیال کرنے والے...... اسے درست اقدار کی جانب گامزن ہونے کی خواہش رکھنے والے اکثر اس فکر میں ڈوبے رہتے ہیں کہ معاشرے کی نورانی اقدار کو گھن کیوں لگ گیا ہے...... اس کی روایات کیوں بدلتی جا رہی ہیں؟

اگرچہ بہت سے عوامل اپنے اپنے مقام پر اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور ان ہی میں سے ایک کردار فلموں اور ڈراموں کا بھی ہے اور فی زمانہ اس سے انکار ممکن بھی نہیں ہے کہ یہ دونوں ادارے معاشرے کی تشکیل میں اپنا مثبت اور منفی کردار ادا کر کے معاشرے کو بگاڑتے بھی ہیں اور سنوارتے بھی ہیں۔

فلموں اور ڈراموں کی کہانیاں لکھنے والے بھی اسی معاشرے میں رہتے ہیں اس لیے وہ جس طرح کی تحریریں پڑھتے ہیں اسے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی طرح نقل کر جاتے ہیں جس کے نتائج بالآخر معاشرے کی تشکیل جدید کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔

معاشرے میں ''طلاق'' دینے کی شرح جس خوفناک انداز سے دن بدن بڑھ رہی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی وثیقہ نویس کے پاس طلاق لکھوانے کے لیے یا کسی وکیل صاحب کے پاس طلاق دینے کے بارے میں مشورہ لینے کے لیے جاتا ہے تو وہ خود بھی اور یہ حضرات بھی اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اس قدر مضبوط تحریر لکھی جائے جس میں کسی قسم کی صلح اور تصفیہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ وثیقہ نویسی اور دستاویزات میں بہترین تحریر وہی قرار پاتی ہے کہ جس میں کسی قسم کا جھول، لچک، کمزوری اور نقص نہ ہو، دستاویز کے کلمات، جملے اور الفاظ اس قدر جامع اور مانع ہوں کہ اس مین کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو سکے اور فریق مخالف اس دستاویز کی کمزوری سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکے۔

یقیناً یہ خصوصیات، معاہدات بیع و شریٰ، اعتراف، اقرار، تقسیم، حلف، رہن،

Marfat.com

ضمانت، گروی، مختار عام و خاص، وصیت، وقف ناموں، کرایہ جات، پٹہ داری، تصفیہ جات، تمسکات، معاہدات ثالثی، شراکت، قرضہ جات اور پرونوٹ وغیرہ میں عمدہ خیال کی جاتی ہیں اور اس قسم کی تحریروں میں کوشش کی جاتی ہے کہ تنازعہ پیدا ہونے کی شکل میں باہمی فریقین کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

لیکن ''طلاق نامے'' کی تحریر کے اندر کوشش کی جانی چاہیے کہ بعد میں جب فریقین کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے...... انھیں اپنے اپنے معصوم بچوں کا مستقبل تاریک نظر آنے لگے...... ماضی میں گزرے ہوئے خوش کن لمحات کی یاد ستانے لگے...... تنہائی کے لمحات کاٹنے کو دوڑنے لگیں...... اور...... دونوں خاندانوں کے بزرگ صلح و صفائی کی کوششیں کرنے لگیں تو ''طلاق نامے'' میں لکھی ہوئی عبارت اور تحریر شدہ کلمات ''سدِّ سکندری'' بن کر رکاوٹ پیدا نہ کر دیں بلکہ صلح اور تصفیہ کے امکانات موجود رہیں۔

''وثیقہ نویس'' ''طلاق نامے'' لکھنے میں کس قدر ''ظلم'' کرتے ہیں، چند ایک تحریر شدہ عبارات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور تمام ''طلاق ناموں'' میں کم و بیش یہی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔

''شادی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد فریقین میں بدگمانیاں پیدا ہوگئیں جس کی وجہ سے دونوں میاں بیوی میں اختلافات بڑھتے گئے اور کوشش کے باوجود میری بیوی مسمات...... نے اپنا رویہ نہ بدلا اور کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی کہ اندر حدود اللہ بطور میاں بیوی رہ سکیں اس لیے میں بقائمی ہوش و حواس خمسہ بلا جبر و اکراہ بارضا مندی خود اپنی بیوی...... کو بوجہ بدکلامی، بداخلاقی و نافرمانی کی بناء پر روبرو گواہان حاشیہ طلاقِ ثلاثہ یعنی طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے الگ کرتا ہوں۔ آج کے بعد میرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہے اور میرے نطفہ پر حرام ہے عدت پوری کرنے کے بعد اس کو اختیار ہے وہ جہاں چاہے شادی کرے مجھے اس سلسلے میں کوئی عذر و اعتراض نہ ہوگا لہٰذا یہ تحریر آج مورخہ...... کو لکھ دی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آسکے۔''

ایک اور وثیقہ نویس لکھتے ہیں۔

''مسمات مذکورہ اکثر میرے گھر کو چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں چلی جاتی ہے اور من مقر کو ذہنی طور پر اکثر پریشان کرتی ہے۔ من مقر نے بہت سمجھایا مگر اس نے کوئی اہمیت نہ

Marfat.com

دی اور اکثر اس کا انداز گفتگو بھی ناگفتہ ہے من مقر نے مسمات مذکورہ کو طلاق، طلاق، طلاق (طلاق ثلاثہ) دے کر ہمیشہ کے لیے اپنی زوجیت سے آزاد کر دیا ہے۔ آج کے بعد وہ آزاد ہے جہاں چاہے جب چاہے عقد ثانی کر سکتی ہے من مقر کو کوئی عذر یا اعتراض نہ ہوگا۔"

ایک اور وثیقہ نویس طلاق نامے کو یوں تحریر کرتے ہیں:

"چنانچہ من مظہر اپنے نفس پر سہ بار حرام کر کے منکوحہ خود کو طلاق دیتا ہوں اب من مظہر یا وارثان لواحقین کو نسبت مطلقہ کچھ حق واسطہ یا تعلق نہ رہا نہ ہی آئندہ کبھی ہوگا۔"

ایک اور وثیقہ نویس لکھتے ہیں:

"بقائمی ہوش و حواس خمسہ و ثبات عقل خود بلا اکراہ و اجبار غیرے بمطالبہ زوجہ ام میں نے اپنی زوجہ کو سہ بار لفظ طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر اور لکھ کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر کے اس کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ آزاد ہے اپنی مرضی سے جہاں چاہے آباد ہو سکتی ہے۔"

ایک صاحب یوں تحریر کرتے ہیں:

"خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنی زوجہ مسمات...... کو سہ بار طلاق، طلاق، طلاق (طلاقِ بائن) دے کر اپنی زوجیت سے الگ کرتا ہوں۔ فریقین کا آج سے بطور میاں بیوی کوئی تعلق واسطہ نہ رہا ہے۔"

مندرجہ بالا "طلاق ناموں" کی عبارات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس کے بعد تصفیہ اور صلح کی گنجائش کس طرح باقی رہ سکتی ہے، بے شک تین کو قانونی حوالے سے ایک قرار بھی دے دیں لیکن دیگر الفاظ، کلمات اور عبارت کا سیاق و سباق کس امر کی نشاندہی کر رہا ہوتا ہے؟

ایک اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جب طلاق دینے کا وقت آتا ہے تو طلاق دینے کے لیے کسی جید عالم دین کے پاس جانے کی بجائے جب وہ وثیقہ نویس کے پاس جاتے ہیں تو وہ جو سلوک "طلاق نامہ" کے اندر فریقین کی جدائی کے بارے میں کرتا ہے کوئی عالم دین نہ ایسی تحریر لکھے گا اور نہ لکھنے کے بارے میں کہے گا اور نہ مشورہ دے گا۔

کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔"

شریعتِ مطہرہ نے طلاق کا جو مسنون طریقہ مقرر کیا ہے اس میں رجعت کی گنجائش

Marfat.com

رکھی ہے، یہ بھی طلاق کے عدم وقوع کے لیے معاون کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو طلاق تین تک ہے مگر ان کا یک بارگی استعمال سخت ناپسندیدہ ہے اور سنت طریقہ یہی ذکر کیا گیا کہ یک بارگی کی بجائے ہر مہینہ میں صرف ایک طلاق دے یا ایسے طہر میں دے جس میں وطی نہ کی ہو اور پھر جب حیض کے بعد پاک ہو تو دوسری طلاق دے اور اگر اس سنت طریقے کو اختیار کر لیا جائے تو عدالتوں میں 80 فیصد طلاق کے بارے میں مقدمات لے جانے ہی نہ پڑیں گے اور بہتر ہے کہ حکومت قانون بنا دے کہ کوئی وثیقہ نویس تین طلاقیں بیک وقت نہ لکھے بلکہ سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق طلاق نامے لکھے تو لاکھوں خاندانوں کو فائدہ پہنچے گا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 1 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

خوفِ خداوندی...... معاشرے کی بنیادی اساس

اسلامی تعلیمات کی وسعت پذیری واثر اندازی زندگی کی تمام جہات کو محیط ہے۔ انسانی زندگی معاشرے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ معاشرے سے مراد کسی مقام جگہ اور علاقہ میں رہنے والے افراد کا باہمی طور پر ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کا لحاظ کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہے۔ اسلامی معاشرے سے مراد وہ طرز زندگی ہے جس میں مذہبی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، قانونی، اخلاقی غرضیکہ تمام شعبہ ہائے حیات میں اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہدایات اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کی جاتی ہے۔

اسلامی معاشرے کی وہ خصوصیت جو اسے دیگر معاشروں سے ممتاز اور ممیز کرتی ہے وہ اسلامی معاشرے کے اندر "خوفِ خدا" کا تصور ہے جو معاشرے کے ہر فرد کے قلب و ذہن کے اندر حاوی اور جاری ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ معاشرے میں بسنے والے افراد کے رگ رگ میں رچ اور بس جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ انفال کی پہلی آیت میں اسلامی معاشرے کی روح کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"اے مسلمانوں تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں تعلقات کو صلح جوئی سے قائم رکھو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔"

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا یہ کمال ہے وہ طویل ترین گفتگو کو مختصر سے چند جملوں میں بیان کر دیتا ہے۔

اس آیت میں اسلامی معاشرے کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ:

اللہ کا خوف دل میں رکھنا...... آپس میں صلح جوئی کا مظاہرہ کرنا...... امن و امان سے زندگی بسر کرنا اور...... قرآن وسنت نبوی ﷺ کی پیروی کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہے اور یہی اسلامی زندگی کا مظہر ہے۔ اگرچہ اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کیے ہیں وہ

Marfat.com

نہایت وسیع اور ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کیے گئے ہیں جن میں خاص طور پر اخلاقی اور مذہبی تربیت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی دباؤ اور قانون کی پابندی کو بھی اہمیت حاصل ہے۔

قرآن کریم کا یہ مسلمہ اور زریں اصول ہے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے درمیان رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر فرق اور امتیاز کرنا جائز نہیں ہے۔ایمان عملِ صالح اور تقویٰ یعنی خدا خوفی ہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں فضیلت اور برتری حاصل کر سکتا ہے اور اسی نکتہ کو آقائے نامدار علیہ التحیۃ و الثناء نے اپنے حجۃ الوداع کے عالمگیر خطبہ میں وضاحت سے بیان فرمایا:

''کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں مگر تقویٰ اور خوف الٰہی کی بنا پر'' گویا باہمی فضیلت اور برتری کا معیار صرف حسن کردار پر ہے ایک اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے اس بات کو اس انداز میں بیان فرمایا:

''کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمھارے حسب ونسب کے بارے میں سوال نہیں فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور پروردگار سے ڈرنے والا ہے۔''

ایک اور مقام پر خالق کائنات نے صرف اس سے ڈرنے کے بارے میں حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''پس تم (ان کافروں) سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمتیں تمام کروں۔''

اور جو مالکِ ارض وسما سے خوف کھاتا ہے تو اس کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا ''اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے تو اسے دو جنتوں کی خوشخبری ہو (یعنی جنت عدن اور جنت نعیم کی) کیونکہ ''جو اپنے رب کے حضور خوف سے کھڑا ہوا، اپنے نفس کو (بری) خواہشات سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خدا ترسی حکمت کی اصل ہے۔''

Marfat.com

جس کے نتائج معاشرے میں بسنے والے افراد کی پاکدامنی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضور اکرم محمد مصطفےٰ ﷺ نے امتِ مسلمہ کو رہنمائی دیتے ہوئے فرمایا کہ "خالق کائنات نے اپنی عزت کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہ کروں گا۔"

اگر کوئی شخص دنیا میں مجھ سے ڈرے گا تو آخرت میں اسے بے فکر کر دوں گا اور اگر دنیا سے بے فکر رہے گا تو قیامت کے دن اسے خوف میں رکھوں گا اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا تمام مخلوقات اس سے ڈریں گی اور جو خدا سے نہ ڈرے گا تمام مخلوقات کا خوف اس کے دل میں ڈال دے گا۔

جس معاشرے میں خوف خداوندی کا دور دورہ ہوگا، معاشرے میں رہنے والے افراد باہمی معاملات اور تعلقات کے قیام میں خوف خداوندی کو اپنے دلوں میں رکھیں گے تو یہ وہ معاشرہ ہوگا جو قرآنی تعلیمات کا مطلوب و مقصود ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 4 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

تربیت اولاد

خالقِ کائنات اور مالکِ ارض و سماء نے قرآن عظیم میں اور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے احادیث مبارکہ میں اولاد کو عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ یہ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جس کی بعض انبیاء کرام علیہم السلام نے بارگاہ خداوندی میں حاصل کرنے کی دعائیں فرمائیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک طرف انسان اپنے دکھوں، تکالیف، رنج و آلام میں اور دوسری طرف اپنی خوشیوں، مسرتوں اور فرحت و انبساط کے مواقع پر اولاد ہی کو اپنے قریب ہمدرد، غمگسار اور مدد و معاون پاتا ہے۔ اس نعمت کا مقابلہ دنیا کی کسی اور نعمت سے نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن عظیم میں ارشاد خداوندی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا فرمائی۔ اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی کہ "اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اور اچھی اولاد عطا فرما۔ بے شک تُو دعا کو سننے والا ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ سے اپنے رب کریم کی تعریف بیان فرمائی۔ "تمام تعریفیں اس ذات مقدس کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق دو بیٹے عطا فرمائے۔" (ابراہیم:39)

قرآن عظیم پاک اور نیک اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات میں ایک خصوصی صفت اعتدال ہے، چنانچہ ہر معاملہ میں اعتدال کی ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ اولاد سے محبت کرنے میں بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے جا محبت لاڈ پیار سے بچے والدین کے احترام و تکریم کو چھوڑ دیں اور نافرمان ہو کر حدود و احکامات الٰہی کو بھی ترک کر دیں۔

اولاد کی نگہداشت، پرورش، نگرانی، تعلیم و تربیت میں والد اور والدہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے والدین پر یہ بات واضح انداز میں بیان فرما دی ہے کہ اولاد کے

Marfat.com

بارے میں والدین کو صرف یہی فکر دامن گیر نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دنیا میں خوشحال زندگی گزاریں یا بہتر سے بہتر لباس زیب تن کریں یا اچھی سی اچھی خوراک انھیں فراہم کریں بلکہ والدین کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اس انداز سے تربیت کریں جن کے ذریعے ان میں عمدہ صفات، اچھی عادات، احترام وتکریم کے جذبات اور خوبصورت اوصاف پیدا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ جتنی محبت اور خلوص کے ساتھ والدین اپنی اولاد کی تربیت کر سکتے ہیں، کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ والدین کو اولاد اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس لیے ان سے زیادہ شفقت و پیار کے ساتھ بچوں کو اور کون پڑھا سکتا ہے جب تک بچہ سکول یا مکتب جانے کے قابل نہیں ہوتا، اس وقت تک تو ہر بچہ ہر بات گھر ہی سے سیکھتا ہے۔ والدین جن عمدہ صفات، کردار، اخلاق کے حامل ہوں گے، بچے ان چیزوں کو اپنے والدین سے سیکھ کر ویسے ہی بنیں گے، پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بچہ کی اپنے بچپن میں سیکھی ہوئی عادات و خصائل ہی بعد میں پختہ ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے جدید علم نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ جو کچھ سکھانا ہو، چھوٹی عمر میں یعنی چھ سات سال تک سکھا لو کیونکہ بعد میں یہی شروع کی عادات پختہ ہو جاتی ہیں اور ساری عمر ساتھ چلتی ہیں۔ علم نفسیات کے ماہرین تو آج یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن قرآن وسنت نے آج سے چودہ سو برس پہلے ہی والدین پر بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ڈال دی تھی۔

چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا اپنی اولاد کو ادب کی ایک بات سکھانا ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار سیر) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے (ترمذی)

ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے زیادہ اچھا تحفہ نہیں دیا۔ (ترمذی)

جب انسان دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب اس کو برابر پہنچتا رہتا ہے (1) صدقہ جاریہ (2) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور (3) نیک اولاد، جو اپنے والدین کے حق میں دعا کرتی ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں محسن انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ بولنے

Marfat.com

لگے تو لا الہ الا اللہ سکھاؤ اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو نماز کی تعلیم دو۔ (مسند احمد بن حنبل)

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے اس طرح سے تربیت کریں کہ وہ ایک طرف اچھے، باکردار، حسن واخلاق کے پیکر، تقویٰ کی صفات سے متصف، دینی تعلیمات پر عمل پیرا یعنی نماز اور روزہ کے پابند، صابر وشاکر، غیظ وغضب سے لاتعلق، عدل و انصاف کے خوگر، احسان کرنے والے، محسن انسانیت کی عمدہ صفات پر عامل، تدبر، غور وفکر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال، تحمل و بردباری کے پیکر، اخوت ومحبت کے جذبہ سے سرشار، خدمت خلق کے جذبات سے معمور، دینی و دنیاوی علوم کے طالب، اخلاقی تعلیمات سے مالا مال، محبت وشفقت کے پیکر، احساس ذمہ داری وفرائض کی بجا آوری کے متلاشی، اپنی اور دیگر نسل انسانی کے تحفظ مال و جان کے محافظ، والدین کے احترام، رشتہ داروں اور عزیز واقارب کی تکریم کرنے کی صفات سے شناسا، حقوق وفرائض کی بجا آوری کے خوگر، تنظیم ومساوات کی دولت سے مالا مال معاشرے کی اصلاح کے مصلح، عزت نواہی و اوامر سے کماحقہ واقف ہوں اور مستقبل میں ایک اچھے انسان ثابت ہوں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 5 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

معاشرے کے بگاڑنے میں ''میرا'' کردار؟

معاشرے کی اصلاح کے لیے ملک کے اندر ایک طرف انگنت چھوٹی بڑی جماعتیں...... انجمنیں...... ادارے...... جمعیتیں...... حلقے...... سوسائٹیاں...... تحریکیں...... پارٹیاں...... گروپ...... اور کئی بھاری بھرکم شخصیتیں جو کئی کئی جماعتوں پر بھاری ہیں مصروف عمل ہیں۔

دوسری طرف اخبارات، جرائد و رسائل کا لامتناہی سلسلہ جن میں یومیہ...... ہفت روزہ...... پندرہ روزہ...... ماہنامے...... سہ ماہی...... شش ماہی...... نوماہی...... سالانہ مجلات شامل ہیں جو عمدہ اور اچھوتے مضامین کے ذریعے اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

تیسری طرف خطیبانہ...... واعظانہ...... اور...... تربیتی انداز میں مذاکرات...... درس قرآن...... درس حدیث...... مسائل فقہ...... جلسے اور جلوسوں...... کانفرنسوں...... اور...... علمی لیکچرز کے ذریعے ذہنی تربیت کے پروگرام جاری ہیں۔

چوتھی طرف تحریری طور پر پمفلٹ...... کتابچوں...... ہینڈ بلز...... اور...... طباعت کے دیگر ذرائع سے اصلاح کے پیغامات دیے جا رہے ہیں۔

پانچویں طرف وڈیوز...... ٹیپوں...... اور...... ڈاکومنٹری فلموں کے ذریعے اہل علم کی نگارشات دکھا اور سنا کر اصلاحی سلسلہ جاری و ساری ہے۔

چھٹے طور پر ریڈیو...... اور...... ٹی وی پر بھی کبھی کبھار کوئی اصلاحی پروگرام دکھا دیا جاتا ہے جو آٹے میں نمک کے برابر اپنا اثر دکھا کر رخصت ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس معاشرے کو اس کی اپنی اقدار سے دور رکھنے کے لیے...... اسے بگاڑنے کے لیے...... اسے غلط راہوں پر ڈالنے کے لیے...... اسے اپنی منزل مقصود سے روگردانی کرنے میں پوری ہمہ گیریت سے وسیع جہات کے ساتھ...... اثر انگیز مناظر کے ساتھ...... ظاہری نگاہوں میں خوبصورت پروگراموں کے ساتھ...... انسانی طبیعت، مزاج اور

Marfat.com

نفسیات کی روشنی میں ترتیب دیے ہوئے لوازمات کے ساتھ ساتھ دنیا میں موجود تمام ممکنہ ذرائع کو نہایت منصوبہ بندی اور ہنرمندی کے ساتھ بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ چونکہ دنیا مصائب اور آلام کی آماجگاہ ہے اس لیے انسان نتائج کی پرواہ کیے بغیر وقتی مصنوعی اور عارضی اور چند لمحوں کی خوشی کے حصول کے لیے اور شروع شروع میں صرف ایک قدم بڑھاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس برائی کے اندر اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ اگر نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا۔

معاشرے کے بگاڑ میں ملکی جماعتوں اور انجمنوں کے علاوہ غیر ملکی امداد سے چلنے والے این جی اوز ہی نہیں بلکہ کئی خوبصورت اصلاحی، فلاح و بہبود کے ناموں پر بنی ہوئی سوسائیٹیاں طبقہ اشرافیہ اور حکمرانوں کے اعلیٰ طبقہ سے منسلک افراد کو سرپرست، نگران اور جاذب نظر نام کے عہدوں پر متمکن کر کے اپنے پروگراموں کو بروئے کار لاتی ہیں۔

اخبارات اور جرائد کے جاذب نظر رنگین صفحات و اوراق میں موجود مفسد خیالات و تصورات پر مبنی تصویرات انسان کے ذہن پر جو اثرات مرتب کرتی ہیں، وہ بھی معاشرے کے بگاڑ میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ مزید برآں بک سٹالوں اور بک شاپس پر موجود ڈائجسٹ مکمل طور پر اسی قسم کے مضامین اور کہانیوں سے بھرے ہوتے ہیں (گنتی کے چند مستثنیات کے ساتھ)

مختلف عنوانات سے ''واک'' کے ملک اور شہروں کے اہم مقامات پر ترتیب دیے ہوئے پروگرام بھی غیر شعوری طور پر ذہن کو سوچ کے نئے زاویوں سے روشناس کرانے کے پس منظر میں نظر و بصر کو دنیا کی آفرینیوں سے بہلانے کے پروگرام ہوتے ہیں۔

جدید علمی اور فکری عنوانات کے اچھوتے لیکچرز جو اعلیٰ اور اونچے درجوں کے فائیو سٹارز ہوٹلوں میں استقبالیے، مذاکرات اور کانفرنسوں کے ناموں سے منعقد کیے جاتے ہیں ان کے در پردہ حرکت کرتے ہوئے ہاتھ کس امر کی غمازی کرتے ہیں؟ لیکن ان کے توڑ کے لیے اصلاحی جماعتوں اور انجمنوں کی بے اعتنائی بھی قابل غور ہے۔

ملک بھر کے ہر ہر محلہ اور گلی میں موجود ملکی اور غیر ملکی فلموں سے معمور...... وڈیوز...... بلیو پرنٹ فلمیں اور فحاشی و عریانی پر مبنی غیر مہذب گانوں کی کیسٹیں بھی معاشرے کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

اب بھی ریڈیو اور خاص طور پر ٹی وی کے تمام چینلز ڈراموں اور مخلوط گانوں کے

Marfat.com

ذریعے معاشرے کی اصلاح کی بجائے بگاڑ کا موجب بنے ہوئے ہیں۔

یہ تمام اسباب اور وجوہات اپنی اپنی جگہ بجا اور مناسب سہی لیکن......

من حیث المجموع معاشرے کی اصلاح اور بگاڑ کے بارے میں ہمارا رویہ یہ بن چکا ہے کہ اصلاح کرنے اور بگاڑ پیدا کرنے میں ہم نے کبھی بھی اپنے آپ پر نگاہ ڈال کر نہیں دیکھا کہ ہر دور میں ہمارا اپنا کردار کیا رہا ہے۔

ہم یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ فلاں یہ کہہ رہا ہے اور فلاں کو یہ نہیں کرنا چاہیے۔ فلاں فلاں ادارے معاشرے کی روایات کو تلپٹ کر رہے ہیں لیکن ہم نے کبھی سوچا کہ ''میں نے'' معاشرے کی اصلاح میں اپنا فرض ادا کیا ہے؟

''میں نے'' معاشرے میں موجود عمدہ روایت کو کیوں توڑا؟

ان حالات کے خراب کرنے میں ''میرا'' کردار کیا رہا ہے؟

''میں'' خود کتنا بگڑا اور خراب ہو گیا ہوں؟

''میرا'' طرزِ عمل اس بارے میں کیا رہا ہے؟

''میں نے'' تنقید کے علاوہ کیا کیا ہے؟

''میں نے'' اپنی عیب جوئی کا کیا علاج کیا ہے؟

خود ''میری'' طرزِ فکر اس بارے میں کیا رہی؟

چنانچہ خالق کائنات اس بارے میں ہمارے ''ضمیر کو جھنجھوڑ'' کر فرما رہا ہے......

''اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو! جب تم سیدھے راستے پر آ گئے (اور ہدایت حاصل کر کے سیدھا راستہ اختیار کر لیا) تو جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو ان کی گمراہی تمہارا کچھ نہ بگاڑے گی۔ بالآخر تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے تو پھر وہ تمھیں بتائے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو۔''

حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ہماری اصلاح کے لیے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے......

''جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ اور برباد ہو گئی ہے تو حقیقت میں سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے۔''

دوسروں کے بارے میں معترض ہے کہ وہ بگڑ گئے، وہ برباد ہو گئے، ان میں بے دینی سمائی گئی ہے۔ بدعنوانیاں ان میں در آ گئی ہیں۔ لیکن اگر ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اپنے

Marfat.com

"من اورتن" میں جھانک کر دیکھتا تو اسے اپنے سے زیادہ عیب جُو کوئی اور نظر نہ آتا۔ اگر وہ اپنی بربادی میں فکر کرتا تو اسے اپنے سے زیادہ برباد ہوتے ہوئے کوئی اور نظر نہ آتا۔

معاشرے کے بگاڑ میں "میرا" کردار بھی تو ناقابلِ معافی جرم ہے اور اس جرم کی سزا برداشت کرنے کا "سزاوار" بھی میں خود ہوں۔

کاش یہ احساس ہم میں پیدا ہو جائے......

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

(روزنامہ جنگ، لاہور 6 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

حکومت کے منہ پر بھرپور ثقافتی ''طمانچہ''

حکمرانوں کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ عوام کے رجحانات...... ان کے مسائل...... اور ان کی چاہتوں کو جو دینی اور نظریاتی طور پر مذہب اور ملک کے بارے میں ہوں ان سے براہ راست آگاہ رہیں اور عوام کے جذبات سے آگاہی کے لیے حکومتی ایجنسیوں کی مہیا کردہ ''نام نہاد اطلاعات'' پر انحصار نہ کریں، حکمرانوں کو ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ ماضی کے حکمرانوں کے زوال کے اسباب کیا تھے اگر وہ بروقت ان مسائل، رجحانات اور مطالبات سے آگاہ ہوتے رہیں تو شاید انھیں ان صدمات سے دوچار نہ ہونا پڑے جن سے پہلے والے دوچار ہوئے۔

دنیا کے عارضی حکمرانوں کی رہنمائی کے لیے ''حاکم حقیقی'' نے اپنی کتاب مقدس ''القرآن'' میں واضح الفاظ میں جو فرائض بیان کیے ہیں ان میں سے چار فرائض اس آیت مقدسہ میں ذکر کیے ہیں۔

''جب ہم انھیں زمین (ملک) میں اقتدار عطا کرتے ہیں تو وہ

1- نظام......نماز اور

2- نظام......زکوٰۃ قائم کرتے ہیں اور

3- امر بالمعروف (نیکی کو نافذ کرتے ہیں اور اسے رواج دیتے ہیں اور

4- نہی عن المنکر (برائی اور بدکاری کو روکنے کے لیے مستقل نظام قائم کرتے ہیں۔''

فحاشی اور عریانی کے فروغ کو روکنا حکومت کے فرائض میں سے ایک فرض ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان بنانے والی جماعت ہی کے دور حکومت میں فنانس اینڈ ٹریڈ سنٹر کراچی میں واقع جدید ریسٹورنٹ کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا ڈانس کلب قائم ہو گیا ہے۔ پاکستان ایک عرصہ سے رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرنے کے اعتبار سے دنیا کے ترقی یافتہ اور ترقی پسند ممالک میں منہ دکھانے کے قابل نہ تھا جس کی وجہ سے پاکستان کا تشخص مجروح ہو رہا

Marfat.com

تھا چنانچہ حکومت نے پاکستانی تشخص کو مجروح نہ ہونے دیا اور کھلے عام رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرنے کا موقع فراہم کر کے پاکستان کی ناک کٹوانے سے بچالیا اور اس اعتبار سے دنیا میں جو جگ ہنسائی ہو رہی تھی پاکستان اس سے بچ گیا (نعوذ باللہ) جگہ کا انتخاب بھی نہایت سوچ و بچار کے بعد کیا گیا ہے یہ کلب ایک خوبصورت مسجد کے بالکل سامنے ہے بقول شاعر

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

(مرزا غالب)

بھٹو کے ظالمانہ دور حکومت میں تو ام الخبائث شراب پر پابندی عائد کر دی گئی تھی البتہ یہ مکروہ کاروبار پھر بھی زیر زمین جاری رہا، غیر ملکی اور غیر مسلم افراد کے ناموں سے جاری شدہ پرمٹوں پر برسر اقتدار افراد اور سرکاری عہدوں پر متمکن قوم کے خادمین اسی ذریعے سے جام و سبو کی مجلس منعقد کر کے قوم کے غم میں ہلکان ہوتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ اس غم میں ناجائز کمائی سے دولت حاصل کرنے والے نودولتیے بھی شریک ہوتے گئے اور اس طرح سرکاری پابندی کی مٹی پلید ہوتی رہی۔

بالآخر صدر جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت جو سیاستدانوں کی سوتن یعنی مارشل لاء کے دور میں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں میں مکمل طور پر نہ صرف ام الخبائث کے حصول پر کڑی پابندیاں عائد کر کے پابجولاں کر دیا گیا بلکہ پورے ملک کے اندر ہر قسم کے ہوٹلوں، سینماؤں، ڈانس کلبوں میں ملکی اور غیر ملکی ثقافتی طائفوں اور عریاں اور نیم عریاں ڈانسوں رقص و سرور کی محفلوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی اور جس پر ان کے غیر سیاسی دور حکومت میں عمل ہوتا رہا بعد کے دور میں بھی چوری چھپے یہ مکروہ کارروائیاں اگرچہ جاری رہیں لیکن موجودہ مسلم لیگی دور جدید میں پابندیوں کی تمام جڑیں توڑتے ہوئے علی الاعلان کراچی میں پاکستان کا پہلا ڈانس کلب قائم کر کے اس میں "ننگ انسانیت" پروگراموں کا آغاز بھی کر دیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

چنانچہ کلب کے باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں سے کلب میں موجود "فرشتوں" کی شناخت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایم پی ایز، ایم این ایز، سینٹرز، صنعتکار، جاگیردار اور بھوکی پیاسی قوم کا "بوجھ" اٹھانے والے وزراء بھی دادِ عیش دے رہے تھے بلکہ ایک وزیر صاحب تو ڈانس کلب سے باہر مخصوص اداؤں کا مظاہرہ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں دیکھے بھی گئے۔

Marfat.com

ایک اسلامی مملکت میں وزراء کا یہ عمل یقیناً ناقابل معافی جرم ہے۔ ٹی وی کے پروگراموں میں اس خاص طور پر اشتہاروں اور دوپٹوں کو سر پر رکھے بغیر ڈراموں میں جس انداز سے صنف نازک، کو دکھایا جا رہا ہے وہ توہین انسانیت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ باقی کسر برہنہ ڈانسروں کے ذریعے کیوں پوری کرائی جا رہی ہے؟ تا کہ رہی سہی حیاء بھی ختم ہو جائے۔

ٹی وی کے تمام چینلو پر ابھی تک وہی پروگرام جاری ہیں جن میں نوخیز جوان بچیوں اور بچوں کے مشترکہ گانوں کی پریکٹس، مشترکہ ناچ، مشترکہ عشقیہ مکالمہ بازی، مشترکہ اشارات و کنایات میں اظہار محبت کی جلوہ آرائی بڑی ڈھٹائی سے جاری ہے چونکہ پوری قوم اس وقت آٹے کے غم میں مبتلا ہے اس لیے اس قسم کے پروگراموں کا ہونا ضروری ہے تا کہ قوم اپنے پیٹ کی بھوک کو ختم کر کے داد عیش میں مگن اور مست رہے، یہ چونچلے عوامی حکمرانوں کے تو ہو سکتے ہیں لیکن اسلام کے دعویدار حکمرانوں کو زیبا نہیں۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی پُراسرار خاموشی اس امر کی غمازی کر رہی ہے کہ یہ سب کچھ ان کی سرپرستی میں ہو رہا ہے اور اگر ان کے علم کے بغیر ہوا ہے تو انھوں نے اب تک کیا کارروائی کی ہے؟ کیا حکومت نے اپنے چہیتے وزیر باتدبیر سے پوچھنے کی جسارت کی ہے کہ وہ ڈانس کلب میں کس قسم کے سرکاری امور کو سرانجام دینے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وزیر موصوف جس انداز سے واپس تشریف لائے وہ کلب کی شاندار کامیابی کا منہ بولتا ثبوت نہیں ہے اور شاید وہ اسی شاندار کامیابی سے متاثر ہو کر عالم بے خودی میں جھومتے جھامتے داغ مفارقت کا پرسہ دیتے ہوئے تشریف لائے؟

حکومت کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ سیاسی، دینی جماعتوں کی انتخابی ناکامی نے حکومت کو ہر قسم کی دینی، مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد کر دیا ہے۔

حکومت یاد رکھے کہ عوام میں اپنے مذہبی شعار کے بارے میں اتنی بے حسی نہیں ہے جتنی حکومتوں اور ان کے گماشتوں نے سمجھ رکھی ہے عوام اب بھی اپنے وطن کی مذہبی ثقافت اور اسلامی روایات کو اتنا ہی پسند کرتے ہیں جتنا ضیاء دور میں کرتے تھے۔

دوسری طرف سیاسی دینی جماعتیں انتخابی ناکامی کی پرواہ کیے بغیر اپنے دینی فرائض کے ادا کرنے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔ وہ اپنے اصلاحی پروگراموں کو دینی جذبے سے جاری و ساری رکھیں، کوئی بھی غیر قانونی کام حکمرانوں کے چہیتوں کی پشت پناہی

Marfat.com

کے بغیر ممکن نہیں ہے، کسی بھی قسم کے بدکاری کے اڈے پولیس کے ٹاؤٹوں کے بغیر نہیں چلتے، کسی بھی قسم کے عریانی اور فحاشی کے پروگرام نوکر شاہی کی دست شفقت کے بغیر دکھانے ممکن نہیں۔ کسی بھی قسم کی غیر اخلاقی حرکتیں حکومتوں کے عہدوں پر متمکن افراد کی سرپرستی کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتیں اور اگر ایسا ہو رہا ہے تو یہ حکومتی مشینری کے منہ پر غیر ملکی ثقافت کے دلدادوں کا بھرپور طمانچہ ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 8 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

اندازِ رہنمائی میں دورنگی

معاشرے کی اصلاح میں ایک بڑی رکاوٹ یہ طرزِ عمل بھی رہا ہے کہ جو جماعت یا گروہ اصلاح معاشرہ کا دعویٰ کرتے ہوئے عملی میدان میں قدم رکھتا ہے تو اپنے پیروکاروں کے ذہنوں میں آغاز ہی سے یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ حق پر صرف وہی جماعت یا اس کے پیروکار ہیں باقی دیگر تمام افراد غلط راہوں پر گامزن ہیں اس لیے ان سے نہ مفاہمت ہو سکتی ہے...... نہ اشتراکِ عمل ہو سکتا ہے...... نہ یکجہتی کے مظاہرے ہو سکتے ہیں...... اور...... نہ ایک منزل کے ہم سفر بن کر قدم بقدم ملا کر چلنے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اتحاد و اتفاق کی برکت کے طفیل جو مثبت نتائج نکلنے چاہئیں تھے وُہ نہ نکل سکے اور کم و بیش یہی طرزِ عمل دینی سیاسی جماعتوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ آغاز میں صرف انسانیت کی فلاح کا نعرہ لگایا جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ "مصلح" اپنی ہی ذات کو ہر ایک پر فوقیت دینے کی راہیں تلاش کرتا ہوا نظر آتا ہے اور دوسری طرف اس کے پیروکار بھی اس کوشش میں مگن نظر آتے ہیں۔

ہر شخص جب اصلاح کے علم کا پھریرا لہراتا ہے تو اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسرا شخص اپنے آپ سے کرے کیونکہ یہ تو داعی ہے اور دوسروں تک اصلاح کا پیغام پہنچانا ہی اس کی ذمہ داری ہے اس لیے فی نفسہ اور بذاتہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے سے غافل ہوتا ہے۔ ذہن میں صرف ایک بات موجزن ہوتی ہے کہ باقی سب لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اس لیے ان کی اصلاح کرنی ہے اور اپنے اندر جو خرابیاں ہیں نقائص ہیں نہ ان کی فکر ہے اور نہ ان کی طرف دھیان ہے۔

معاشرہ مافوق الفطرت افراد کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اسی دھرتی پر چلتے پھرتے افراد کے مجموعے کا نام ہے جس میں ہمارے اردگرد رہنے والے افراد، میں اور آپ سب شامل ہیں اور تاریخ انسانیت میں ایسی محیر العقول مثالیں موجود ہیں کہ صرف ایک ذات کے صحیح اور صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے کو اختیار کر لینے کے بعد ان کے پیغام کی سچائی نے

Marfat.com

سب کو سیدھے راستے پر چلا کر تاریخ عالم کا رخ بدل دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے عظیم کارنامے ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں کہ ایک ایک عظیم شخصیت نے پوری قوم کا یکہ و تنہا مقابلہ کر کے انھیں حق کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔

اسی برصغیر پاک و ہند کی تاریخ خود اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ایک ایک ولی کامل نے اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے لاکھوں افراد کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ انھیں دین اسلام کی تعلیمات کے حق ہونے پر مکمل اعتقاد تھا اور ان کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے (آقائے دوجہاں) حضور اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں گرتے ہی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی اور وہ شخص اپنی آنتوں کے اردگرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے جب اہل جہنم اس کا یہ منظر دیکھیں گے تو وہ اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ کیا بات ہے؟ ایسی سزا تمھیں کیوں دی جارہی ہے؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو کہ تم لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے! اور برائی سے منع کیا کرتے تھے؟ تم تو بڑے صاحب علم تھے اور حق کے داعی تھے اور لوگوں کے لیے مصلح کا مرتبہ رکھتے تھے آج تمھیں اس انجام سے دوچار کیوں کیا جارہا ہے؟ اس وقت وہ شخص جواب دے گا کہ یقیناً میں وہی ہوں لیکن بات دراصل یہ ہے کہ میں لوگوں کو تو نصیحت نیکی کی کرتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا۔ میں لوگوں کو تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس برائی کا ارتکاب کرتا تھا اس وجہ سے میرا یہ انجام ہو رہا ہے۔

خود سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء نے اپنے اخلاق کریمانہ سے صرف 23 سال کی قلیل مدت میں مکمل طور پر نہ صرف جزیرۃ العرب کا نقشہ بدل دیا بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی۔ یہ انقلاب اس وجہ سے آیا کہ آپ ﷺ نے امت کو جس بات کے کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا جتنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے اگر اپنے پیروکاروں کو دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن خود دن میں آٹھ وقت کی نماز

Marfat.com

باقاعدگی سے ادا فرماتے تھے۔ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت اور تہجد کی نماز بھی ادا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک نہیں اس طرح کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

آج کے حکمرانوں کے لیے قوم کی خون پسینے کی کمائی سے حاصل شدہ قومی خزانے پر سے پلنے والی بیوروکریسی اور نوکر شاہی کی ''جوؤں'' کے لیے انتظامیہ اور مقننہ کے قوم کے غم میں ڈوب کر جسم و جان کو ''ہلکان کرنے'' والے ''اشخاص'' کے لیے غزوہ خندق کی یہ مثال عبرت کے لیے کافی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تو خندق کھودنے کی مشقتیں برداشت کر رہے ہوں اور خود ''امیر کائنات'' علیہ السلام آرام فرما رہے ہوں بلکہ سرور کائنات ﷺ نے خندق کھودنے کے لیے خود اپنے لیے زمین کا اتنا ہی حصہ مقرر فرمایا تھا جتنا آپ کے جان نثاران رضی اللہ عنہم کے ایک جانثار کے لیے مقرر فرمایا تھا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اپنے بطن مبارک پر بھوک مٹانے کے لیے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

یہی وہ نمایاں فرق ہے جو حقیقی قائد اور رہنما کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے کہ وہ جس کی تعلیم دے رہے ہیں جس کی تبلیغ کر رہے ہیں اور جس کا حکم دے رہے ہیں تو پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھا بھی رہے ہیں۔

آج قوم کے ذی شعور افراد سوچ رہے ہیں کہ قوم کے غریب افراد تو ''آٹے'' کی کمی کی آزمائش میں مبتلا ہو کر طویل طویل لائنوں میں لگے ہوئے ہیں لیکن قوم کے ''خادمین'' ان لائنوں میں کھڑے ہوئے نظر نہیں آتے۔ ان لائنوں میں نہ کوئی وزیر، نہ مشیر، نہ ایم این اے، نہ ایم پی اے، نہ سینیٹر، نہ سرمایہ دار، نہ صنعتکار، نہ جاگیردار، نہ قومی سیاسی لیڈر آخر کیوں؟

کیا انھوں نے قوم کے اس دکھ میں شریک ہوتے ہوئے اپنے بطون پر پتھر باندھے ہوئے ہیں؟ کاش ایسا ہو سکتا!

کیا انھوں نے ان ایام میں کھانا پینا چھوڑ دیا ہے؟ یہ بھی ممکن نہیں!
اگر نہیں چھوڑا تو ان کے گھروں میں ''آٹا'' کیسے پہنچ رہا ہے!
کیا انھوں نے ''آٹا'' پہلے ہی گھروں میں جمع کر لیا تھا؟
تو پھر اصل ''ذخیرہ اندوز'' تو یہ ہوئے شب خون مارنے والے ''تاجروں'' کو ذخیرہ

Marfat.com

اندوزی سے کیسے روکیں گے؟

اور اگر پہلے جمع نہیں کیا تھا تو ''چور دروازوں'' سے ان کے گھروں میں کون آٹا پہنچوا رہا ہے؟

تو پھر اصل ''سمگلر'' تو یہ ہوئے تو ''سمگلنگ'' کو کیسے روکیں گے؟

ہو سکتا ہے کہ لائنوں میں دھکے کھاتے ہوئے، نعرے مارتے ہوئے، جلوس نکالتے ہوئے، ہائے آٹا! ہائے آٹا! کا شور مچاتے ہوئے انہی ''سفید پوشوں'' کے ''نوکر'' ہوں تو پھر عوام کہاں ہیں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 9 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

انسانیت کا عالمگیر اجتماع

یہ دعویٰ کرنا کہ (اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے) صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ جس نکتہ نظر سے بھی دیکھا جائے، جائزہ لیا جائے، تجزیہ کیا جائے، غور و فکر کیا جائے اور جتنی گہرائی میں جا کر پرکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی چلی جائے گی کہ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور حقیقت بھی ایسی جس سے منکر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مادی ضروریات کی تکمیل کے اعتبار سے ہو۔

روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے نکتہ نگاہ سے ہو۔

عبادت کے پس منظر میں ہو۔

دنیاوی ضروریات کے پیش نظر ہو۔

وطن کے حوالے سے ہو، زبان کے حوالے سے ہو، قبائل کے حوالے سے ہو، مقامی اور غیر مقامی تفریق کے غیر منطقی انداز فکر سے ہو، نسل پرستی کے غلط دائرہ کار سے متعلق ہو، خلقی اور فطری تفاوت کی غلط تشریحات سے ہو۔

معاش اور تجارت کے بارے میں پاکیزہ تعلیمات کے بارے میں ہو، انداز حکمرانی، اسلوب و طرقِ قیادت کے بارے میں ہو۔

غرضیکہ اسلام کی تعلیمات کو ہر مرحلہ میں رہنمائی کے لیے موجود پاتے ہیں کیا کوئی اور مذہب بھی عملاً ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے انسانی اجتماع کو عبادات کا درجہ عطا کیا ہو اور مزید براں اس نے اپنے دامن میں صرف عبادت تک اسے محدود نہیں رکھا بلکہ دنیاوی تجارت و معاش میں افزائش و ترقی کا موقع بھی مہیا کر کے دین و دنیا کی تفریق کے نظریات کو عملاً و فعلاً باطل قرار دیا ہو، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حج صرف عبادت ہی نہیں بلکہ ساری عبادات کا مجموعہ ہے اس کے ہر عمل اور فعل میں عبادت کی روح مضمر ہے۔

عبادات مالی و بدنی کے حسین امتزاج کی جھلک اس عالمگیر انسانی اجتماع میں باہم سنگ سنگ نظر آتی ہے۔

Marfat.com

روحِ نماز یعنی ذکرِ الٰہی کی چاشنی بھی ہے۔
سکونِ قلب کا سامان بھی موجود ہے۔
مقدس مقامات سے تبرکات و برکات کے حصول کی غیر شعوری آمیزش بھی ہے۔
انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں حقیقت زکوٰۃ سے آشنائی بھی ہے۔
مال و دولت کے اصراف کے آداب اور قرینوں سے شناسائی کا سامان بھی ہے۔
حُبِ جاہ و مال کی محبت سے بے اعتنائی کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے۔
غربت و افلاس کے درد سے دوچارگی کی آمیزش بھی ہے۔
ضبطِ نفس اور ترکِ خواہشات کی خصوصیات سے اپنے آپ کو متصف کرنے کا قرینہ بھی ہے۔

روزہ میں وارد ہونے والی تکالیف و احساسات سے ہم کناری بھی ہے۔
راہِ خدا میں اپنے اپنے مساکن سے جدائی اور فرقت کے لذات غیر محسوس کی وارد ہونے والی صفات سے آشنائی بھی ہے، اس کی رضا کی خاطر اپنے گھروں اور مکانات کے آراموں کو الوداع کہنے کی عادت سے ہم کناری بھی ہے۔ راہ خدا میں خون بہانے کے جذبات سے شناسائی کے حوصلہ میں قوت پیدا کرنے کے اسباب سے واقفیت بھی ہے۔
اپنے آپ کو خون کے بہتے ہوئے سمندروں میں غوطہ زن ہو کر حفاظتِ جان کے طریقوں سے شناسائی کا طریق کار بھی ہے۔
بے نوا انسانوں سے ہمدردی کے جذبات کو اجاگر کرنا بھی مقصود ہے توکل و عناد سے آشنائی کے اسباب بھی ہیں۔
جہاد بالمال والنفس کے جذبات سے آشنا ہونے کے مظاہر بھی ہیں۔
غرضیکہ یہ عالمگیر اجتماع انسانی ایسا عالمگیر اجتماع جس میں تزکیۂ نفس، تربیتِ نفس اور روحانی و جسمانی نشوونما کی تدابیر سے مکمل آگاہی کے سامان موجود ہیں۔ جب حج کو حج کے پس منظر میں بجالایا جائے تو بگڑے ہوئے انسان کندن بن کر ارضِ مقدس پر جلوہ نما ہو کر انسان کی لازوال خدمات بجالاتے ہیں اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے اور جو مومن اس دن (یعنی عرفہ کے دن) احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس کا سورج ڈوبتا ہے تو اس کے گناہ کو لے کر ڈوبتا ہے۔ (روزنامہ جنگ، لاہور 17 اپریل 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

قربانی اور سنتِ رسول اکرم ﷺ

خالق کائنات اپنے محبوب افراد کی سنت کو بعد میں آنے والے افراد کے لیے قابل تقلید قرار دے کر اس فعل حسنہ کو قیامت تک دوام عطا فرما دیتا ہے اور ہر زمانہ میں، ہر دور میں، ہر طرح کے حالات میں اور ہر مقام پر اس عمل کی افادیت اور اہمیت کے مطابق عمل کرنے کو کبھی واجب اور کبھی سنت قرار دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ......

ایک موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں؟

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔"

ایک اور حدیث میں حضرت براء بن عازب روایت فرماتے ہیں کہ......

"قربانی کے دن حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ نے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں پھر واپس آ کر قربانی کریں، جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت و شریعت کو پہنچ گیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تو وہ بکری (جو قربانی کے لیے رکھی ہوئی تھی) گھر والوں کے لیے گوشت حاصل کرنے کے لیے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لی تو اس ذبح کا تعلق قربانی سے نہیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے قربانی کے عمل کو حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ......

"میں عید الاضحیٰ کے دن سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے عید کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ چند قربانیاں نماز سے پہلے ہو چکی تھیں تو...... حضور اکرم ﷺ نے فرمایا......

Marfat.com

جس نے نماز سے پہلے قربانی کر دی، اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ اس قربانی کی جگہ اور قربانی کرے۔

چنانچہ خالقِ کائنات قرآن عظیم میں امت مسلمہ سے حضور اکرم ﷺ کے ذریعے سے حکم دے رہا ہے۔

"اپنے رب کے لیے نماز ادا کرو اور قربانی دو۔"

جمہور علماء کرام نے آیت مقدسہ میں ذکر کردہ لفظ "نحر" سے قربانی ہی کو مراد لیا ہے۔

معززین کرام نے اس آیت میں ذکر کردہ الفاظ سے خالق اور مخلوق کے درمیان خصوصی تعلق کو اجاگر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ عبادات اپنے اندر دو پہلوؤں کو سموئے ہوئے ہوتی ہے، ایک طرف خالقِ کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف مخلوق پر شفقت کی جلوہ آرائی ہو رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ میں نماز خالق کائنات کی عظمت کی مظہر ہے اور قربانی مخلوقِ خدا پر شفقت کا اظہار کر رہی ہے۔

اور قربانی کی اہمیت کو حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا......

"جو شخص قربانی ادا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔"

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "سرور کائنات علیہ السلام دس سال مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے اور ہر سال قربانی ادا فرمایا کرتے تھے۔"

اس حدیث مبارکہ سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ قربانی بیک وقت دو عمدہ اوصاف کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

1- قربانی کرنا سنتِ ابراہیمؑ ہے۔

2- قربانی کرنا سنتِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی ہے۔

عیدالاضحیٰ کی قربانی اپنے اندر جن فوائد اور فضائل کو سموئے ہوئے ہے تو باعث کون ومکان حضور اکرم محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا......

"قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے مقبولیت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے۔"

"قربانی کے گوشت اور خون کو ستر درجہ بڑھا کر (اور وزن میں اضافہ کر کے روز قیامت) میزان میں وزن کیا جائے گا۔"

Marfat.com

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا......

''قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ، مسلمان کا کوئی عمل پسند نہیں ہے۔''

''قربانی کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک گناہ بخش دیتا ہے اور جب خالقِ کائنات کی رحمت جوش میں آتی ہے تو......

''قربانی کے پہلے قطرہ کے ساتھ قربانی کرنے والے کے گزشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''

قربانی کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے، تو گویا جس طرح جانور دنبہ وغیرہ کے بال انگنت ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والے کو اس کی قربانی کے جانور کے اَن گنت ہر بال کے برابر اجر فرمائے گا تو نیکیاں بھی اَن گنت ہوں گی۔

اور قربانی دینے والے کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

''قربانی کا جانور محشر کے میدان میں اپنے صاحب (قربانی دینے والے) کے لیے سواری بن کر آتا ہے۔''

قربانی سنت رسول اکرم ﷺ ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے:

''رسول جو کچھ تمھیں دے دیں تم اسے لے لو اور جس چیز سے تمھیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

(روزنامہ جنگ، لاہور 18 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی اپنی بے پناہ تدریسی، تنظیمی اور انتظامی مصروفیات سے ہٹ کر مختصر تقاریر سے بھی نوجوانانِ اہلسنّت کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جب اس راہنمایانہ کردار کو دُور بیٹھے لوگوں کو سرفراز کرتے ہیں تو اپنے نوک قلم سے بڑی خوبصورت تحریروں کو پھیلاتے جاتے ہیں۔ اِن تحریروں میں ملی اور دینی روشنی ملتی ہے۔ خصوصاً اہلسنّت کی اعتقادی اور فکری راہنمائی کے لیے ''نشانِ راہ'' بن کر سامنے آتی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''نشانِ راہ 1'' آپ کے نوک قلم کے وہ شہ پارے ہیں جو مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپ کر لاکھوں قارئین کی دینی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تحریریں ملت اسلامیہ کو فکر و عمل کی دعوت دیتی ہیں۔ خصوصاً سنی اعتقادیات میں بڑی روشنی نشاندہی کرتی ہیں۔ ہم اِن کی تحریروں کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ پھر اپنے حلقۂ احباب علم و فضل میں بیٹھتے ہیں تو اہل علم کو ان کی تحریروں پر داد دیتے پاتے ہیں۔

ہمارے برادرِ عزیز محمد ضیاء الحق نقشبندی مجددی نے بڑی محنت سے ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی ایسی تحریروں کو جمع کر کے نشانِ راہ 1 کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔ انھوں نے شبانہ روز محنت کر کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے قارئین کی جھولیاں بھرنے کی کوشش کی ہے انھوں نے منتشر اوراق کو یکجا کر کے ایک خوبصورت کتاب مرتب کر دی ہے۔ انھوں نے بکھرے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر کے پھولوں کے گلدستے بنا کر قارئین کی محفلِ مطالعہ کو سجا دیا ہے۔ انھوں نے ذروں کو سمیٹ کر آفتاب بنا دیا ہے۔ قطروں کو اکٹھا کر کے دریا بہا دیے ہیں۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

042-6307031-32 ...4287500

Marfat.com